آنکس کہ عاشق شد شد مخزنِ معارف
واں بیخبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
مخزنِ معارف
مشتمل بر
خلاصہ تفسیر کبیر
سورۃ
یونس تا کہف
مؤلفہ
پیر معین الدین
ایم - ایس سی
جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یعنی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

کی تصنیف

تفسیر کبیر کا خلاصہ

سورۂ یونس تا کہف

از پیر معین الدّین ایم ایس سی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　　　　　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ باوجود میری انتہا درجہ کی کم علمی کے اس نے مجھے خلاصہ تفسیر کبیر کی تالیف اور اشاعت کی توفیق دی ہے۔

خلاصہ کا طریق کوئی نیا نہیں خود قرآن کریم نے یہ طریق اختیار فرمایا ہے (اور ایسا کر کے اس کی اہمیت کو واضح فرما دیا ہے) چنانچہ اول خود قرآن کریم پہلی کتب الہامیہ میں بیان شدہ تمام صداقتوں کا خلاصہ ہے۔ دوسرے سورۃ اخلاص، فاتحہ اور سورۃ اخلاص سے سورۃ الناس تک کی تین سورتیں قرآنی مضامین کا خلاصہ ہیں۔

اس خلاصہ میں ایک حد تک حضرت مصنف تفسیر کبیر کے الفاظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے مگر جہاں اختصار کے مدنظر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا وہاں حضور کے بیان کردہ مضمون کو خاکسار نے اپنے الفاظ میں ادا کر دیا ہے ایسا کرنے میں پوری احتیاط کی گئی ہے لیکن پھر بھی انسان سے غلطی کا احتمال ہوتا ہے اسلئے اگر کوئی صاحب کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو تفسیر کبیر کے مطابق اس کی اصلاح کر لیں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ اصل بہرحال تفسیر کبیر ہی ہے۔ اگر کہیں ادائیگی مفہوم میں غلطی نظر آئے تو دوست مجھے مطلع کر کے ممنون فرما دیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ بعض دفعہ غلطی نکالنے والے بھی غلطی پر ہو سکتے ہیں اس لیے ضروری نہیں کہ ہر اک کے کہنے کے مطابق اگلے ایڈیشن میں تبدیلی ہو سکے۔

اس خلاصہ سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں:

(۱) جنہوں نے تفسیر کبیر پڑھی ہوئی ہے، لیکن اسے بار بار نہیں پڑھ سکتے وہ اس کے مطالعہ سے تھوڑے وقت میں اپنے علم کو تازہ کر سکیں گے۔

(۲) جن کے لیے پھیلے ہوئے مضمون کو سمجھنا مشکل ہے وہ اس خلاصہ سے بآسانی تفسیر کبیر میں بیان شدہ مضامین کو سمجھ سکیں گے۔

(۳) جن کے لیے تفسیر کبیر کا خریدنا مشکل ہے وہ اس کا خلاصہ پڑھ کر کم از کم ایک حد تک اپنی تشنگی دور کر سکیں گے اور کافی حد تک علوم قرآنیہ سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

(۴) سفروں میں اس کا ساتھ رکھنا آسان ہوگا۔

(۵) درسِ قرآن دینے کے لیے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی کیونکہ اس میں قرآنی متن بھی ہے، ترجمہ بھی ہے، اور تفسیری نوٹ بھی ہیں۔

اگر تفسیر کبیر میں بیان شدہ مضامین میں سے چند ایک بیان کر دیئے جاتے تو یہ کتاب بہت مختصر ہو سکتی تھی مگر اس خلاصہ کو ترتیب دینے میں یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ تفسیر کبیر میں ہر آیت کے نیچے جتنے مضامین بیان ہوئے ہیں کم و بیش وہ سب کے سب اس میں آجائیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ سورۃ یونس سے سورۃ کہف تک پانچ پاروں کا متن اور ترجمہ ہے۔ اس لیے اس سے زیادہ اختصار مشکل تھا۔ آخری پارہ کی جلد میں

چونکہ متن اور ترجمہ کم ہے اس لیے جہاں یونس سے کہف تک تفسیر کبیر کے ہزار صفحوں کا خلاصہ ۲۳۹ صفحوں میں آیا ہے وہاں اس پارہ کی تفسیر کبیر کے ۱۸۰۰ صفحات پر مشتمل چار جلدوں کا خلاصہ اس سے کم جگہ میں آجائے گا۔

اس کام کا خرچ میں خود ہی اٹھا رہا ہوں۔ لیکن مقصد تجارت ہرگز نہیں بلکہ میں اپنے لئے اس بات کو جائز ہی نہیں سمجھتا کہ خدمتِ قرآن کے نام پر کام کروں اور اس سے مالی فائدہ اٹھاؤں۔ میرے لیے یہ بہت کافی ہے کہ خدا تعالیٰ اس حقیر خدمت کو قبول کرلے۔ اس کتاب کی فروخت سے جو منافع بھی وصول ہوگا وہ آئندہ اسی میں لگا دیا جائے گا کیونکہ ابھی انشاء اللہ سارا قرآن کریم اس طریق پر مکمل کرنا ہے اور یہ کام بہت بڑا سرمایہ چاہتا ہے۔

جن دنوں میں ہماری شادی کے لیے استخارے ہو رہے تھے ان دنوں میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنی اس بیٹی کے متعلق جو بعد میں میرے عقد میں آئیں یہ رویا دیکھی تھی کہ انہوں نے ایک لونگ پہنا ہوا ہے جو ستارے کی شکل کا ہے اور اس کے چھ کونوں پر جو نگ لگے ہوئے ہیں وہ عام نگوں سے بہت مختلف روشن اور چمکدار ہیں۔ (یہ رویاء الفضل میں طبع ہو چکی ہے) اس رویاء کی وجہ سے مجھے ہمیشہ خیال رہا ہے کہ خدا تعالیٰ خدمتِ اسلام کی توفیق دے گا۔ مگر عجیب بات ہے کہ میں یہی سمجھتا رہا کہ حضور نے آٹھ نگوں کا لونگ دیکھا تھا مگر اب مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب نے وہ رویاء الفضل سے نقل کرکے بھیجی تو معلوم ہوا کہ حضور نے چھ نگ کا لونگ دیکھا تھا۔ چنانچہ خدا کے فضل سے اس وقت قرآن کریم کے قریباً چھ پاروں کی تفسیر کا خلاصہ شائع کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ مگر یہ اس رویاء کا پہلا اور یوں کہنا چاہیئے کہ ادنےٰ ظہور ہے پورا ظہور انشاء اللہ اس وقت ہوگا جب سارا قرآن کریم ایسے نوٹوں کے ساتھ مکمل کرکے اسے چھ زبانوں میں شائع کرنے کی توفیق مل جاوے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری کوئی ظاہر یا پوشیدہ معصیت آڑے نہ آجائے اور یہ کام جو خالصتاً للہ کیا جا رہا ہے پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔

اس کتاب کی تیاری میں عزیزم محمد شفیق صاحب قیصر متعلم جامعہ احمدیہ نے بہت محنت سے کام کیا ہے۔ میری لکھی ہوئی کاپیوں کو نقل کرنے کا کام انہوں نے مسلسل کئی ماہ تک کیا ہے پھر چھپائی کے سلسلہ میں بھی بہت کچھ بھاگ دوڑ کی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کام کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ شفیق صاحب میرے لیے خدا داد نعمت ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دین و دنیا کی برکتوں سے نوازے۔

اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے متن پڑھنے کے بعد پہلے ترجمہ پڑھ کر پھر نوٹ پڑھے جائیں تو نوٹوں کا مضمون سمجھنا زیادہ آسان ہو جاویگا۔ کیونکہ جو نکتہ ترجمہ میں بیان ہو گیا ہے وہ نوٹوں میں دہرایا نہیں گیا۔ حوالہ دیتے ہوئے سورۃ کا نام لکھکر سامنے اس کا نمبر دیا گیا ہے اور نیچے آیت کا نمبر مثلاً یونس ۱۰/۵

کا یہ مطلب ہے کہ سورۃ یونس جو قرآن کی دسویں سورۃ ہے کی پانچویں آیت۔

کتاب کے شروع میں جو فہرست مضامین لگائی گئی ہے احباب اس کا بغور مطالعہ فرماویں تو انشاءاللہ یہ ان کے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔

قرآن کریم مجھے والدہ صاحبہ اور والد صاحب نے بہت ہی شوق سے پڑھایا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ خدا کے فضل سے اس کی خدمت کا شوق ہے اس لیے آخر میں احباب سے درخواست ہے کہ ان کے لیے بھی دعاء خیر فرمادیں۔

بعض نے اس کام کے لیے دعاؤں سے مدد کی ہے اور ان میں برادرم مکرم ملک مبارک احمد صاحب مینیجر طبیہ عجائب گھر اور حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری اور حضرت پھوپھی جان (سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ میں ان کا بھی ممنون ہوں اور ان کے لیے دعاگو۔

خاکسار

پیر معین الدین

ایم۔ ایس سی

مضامین مخزنِ معارف

حوالہ — صفحہ / حاشیہ

انبیاءؑ

کوئی امت بغیر رسول نہیں ہوئی ۱۷/۴۸، انبیاء اور ان کے مخالفین میں فرق ۱۹/۵۶، انبیاء جس چیز کا حکم دیتے ہیں خود اس پر عامل ہوتے ہیں ۲۳/۷۳، انبیاء پر بعض لوگوں کا پوشیدہ ایمان ۳۶/۸۴، مامور من اللہ کی صداقت کے تین دلائل ۳۸/۱۸، جھوٹا دعوئی نبوت سب سے بڑا ظلم ہے ۴۰/۱۹، سچے نبی کی علامات ۴۲/۲۶، انبیاء کا بشر ہونا قابلِ اعتراض نہیں ۴۴/۳۲، نبی کے حقیقی اہل حرف مومن ہوتے ہیں ۴۸/۴، انبیاء کے استغفار کی وجہ ۴۸/۴۸ پیروی انبیاء سے قوموں کی ظاہری حالت بھی سنور جاتی ہے ۵۰/۵۳، زمانۂ انبیاء میں مومنوں کی حفاظت کی وجوہ ۵۱/۵۹، انبیاء کی قبل از دعویٰ زندگی ان کی صداقت کی دلیل ہوتی ہے ۵۳/۶۳، نبی کی غیرت کی مثال ۶۱/۹۲-۹۳، غیر نبی کی خواب شبہ سے خالی نہیں ۷۹/۴۳، عورت نبی نہیں ہو سکتی ۹۵/۱۱۰، روحانی نظام کے لیے انبیاء کی ضرورت ۹۷/۴، رسولوں پر بشر ہونے کے اعتراض کا جواب ۱۱۵/۱۲، قریہ سے مراد نبی کے مخاطب ۱۲۸/۵، دشمنانِ انبیاء کا ذکرِ بد قیامت تک ہوتا رہیگا ۱۳۷/۳۶، اصل حفاظت نبی کو حاصل ہوتی ہے ۱۴۱/۶۶، انبیاء سے علیحدگی پر روحانی زمین کی تباہی لازمی ہے ۱۴۵/۸۶، نبی کو خدا خود منتخب فرماتا ہے ۱۴۸/۳، ہر نبی دوسرے کی خبر دیتا ہے ۱۵۲/۱۷، انبیاء کا سب سے بڑا معجزہ کتاب ہوتا ہے ۱۷۴/۱۰۲، انکارِ رسل پر عذاب ۱۸۸/۱۷، ظلی نبوت اصل کے لئے دلیل ۱۰۲/۱۶، معترض جیسا اعتراض انبیاء پر کرتے ہیں ویسے الزام میں خود گرفتار ہو جاتے ہیں ۱۵۵/۲۵ -

ابراہیم علیہ السلام:-

عاد اور ثمود کے بعد ابراہیمی نسل شروع ہو گئی تھی ۱۱۴/۱، مہمانوں کے کھانا نہ کھانے پر ابراہیمؑ کے خوف کی وجہ ۵۵/۷۱، ۱۴۰/۵۳، ابراہیمؑ کا قول کہ صرف موحد میری اولاد ہوں گے اعلیٰ مقام محبت کا آئینہ دار ہے ۱۳۲/۳۷، ابراہیم کو امت کہنے میں اشارہ ۱۷۹/۱۲۱،

حضرت اسحٰق علیہ السلام:-

اسحٰقؑ ذبیح نہیں تھے ۵۵/۷۲ -

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم:-

حضرت علیؓ کے خواندہ ہونے سے بعض مخالفین کے اس استدلال کا کہ آنحضرت صلعم بھی پڑھے ہوئے تھے رد ۸/۱۷، نبی کریمؐ کی خدا تعالیٰ کے لیے غیرت ۲۲/۴۴، آنحضرتؐ کو بنیامین سے مشابہت ۸۵/۶۷، آنحضرتؐ کی نصرت کے غیر مرئی سامان ۹۷/۳، آنحضرتؐ کے لیے ابتدائے زمانہ سے سامان ہونا ۱۲۲/۳۶ آنحضرتؐ کی جان کی قسم کھانے سے مراد ۱۴۲/۷۴، نبی کریم صلعم اور لوطؑ کے واقعات میں مشابہت ۱۴۳/۷۴، لبسبیل مقیم میں لوطؑ کی بستیوں کی طرف اشارہ ۱۴۳/۷۷، آنحضرتؐ کے دشمنوں پر عذاب کی کیفیت ۱۵۴/۲۸، اس اعتراض کا جواب کہ حضورؐ کو کوئی سکھاتا تھا ۱۷۵/۱۰۴، آنحضرتؐ ابراہیمؑ کے تابع نہیں تھے ۱۸۰/۱۲۴، کیا آنحضرتؐ یونس بن متی سے افضل نہیں تھے ۲۹/۹۹، آنحضرتؐ سب انسانوں کی طرف آئے تھے ۱۱۳/۵، آنحضرتؐ مادی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے ۲۰۵/۹۱، آنحضرتؐ کے ارواح سے علوم سیکھنے کے رد میں دلیل ۲۰۵/۸۹، آنحضرتؐ کی

انتہائی رحم دلی کا ثبوت ۲۱۲/۷، آنحضرتؐ کی یوسف علیہ السلام سے مماثلتیں ۷۰/۵-۶، ۷۱/۷-۹-۱۰، ۷۲/۱۱، ۷۳/۱۶-۱۹، ۷۵/۲۵، ۷۸/۳۸، ۸۰/۴۷، ۸۳/۵۷-۵۹، ۸۴/۶۳، ۹۰/۹۳ اور ۹۳/۱۰۵، آنحضرتؐ کی بعض صفات ۲۲۸/۶۶، محمدی کمالات کو موسوی کمالات نہیں پہنچ سکتے ۲۲۸/۶۸،

حضرت شعیب علیہ السّلام :-

شعیبؑ کا زمانہ نبوت ۶۰/۹

حضرت صالح علیہ السّلام :-

"صالح" کسی زبان کا ترجمہ نہیں۔ ۵۲/۶۲

لُوط علیہ السّلام :-

قوم لُوطؑ پر عذاب کے لیے مختلف الفاظ کا استعمال ۵۴/۶۸، لوطؑ کے اونٹنی چھوڑنے کی وجہ ۵۳/۶۵، لُوطؑ کے ذکر کے ساتھ ابراہیمؑ کے ذکر کی وجہ ۵۴/۷ و ۱۳۹/۵۲، قوم لوطؑ پر عذاب کی خبر براہ راست ان کو نہ دیئے جانے کی وجوہ ۵۵/۷، لوطؑ کا مہمانوں کو گھر لانے کا واقعہ ۵۶/۷۹، قوم لوطؑ کی نیت مہمانوں سے بدکاری کرنے کی نہیں تھی ۵۷/۸۰، قوم لوطؑ کی تباہی کی کیفیت ۵۸/۸۳-۸۴، لوطؑ کے متعلق بائیبل و قرآن کا اختلاف ۵۸/۸۳-۸۴، لوطؑ کی طرف آنے والے رسول انسان تھے ۱۴۱/۶۲-۶۵، لوطؑ کو عذاب کی خبر رسولوں کی آمد سے پہلے مل چکی تھی ۱۴۱/۶۳-۶۴، لوطؑ کا مہمان لانے پر ان کی قوم کا خوش ہونا ۱۴۲/۶۸ تا ۷۲،

حضرت موسےٰ علیہ السّلام :-

موسےٰؑ کے نُشان ۲۰۸/۱۰۲، موسوی سلسلہ کے لوگوں کا محمدی علوم سیکھنا مشکل ہو گا ۲۲۸/۴۹، موسیٰؑ کی طرح مثیلِ موسےٰؑ کے زمانہ میں بھی نشان دکھائے جائیں گے ۲۰۸/۱۰۲، موسیٰؑ مقابلہ سحر کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے ۲۵/۸۱

نوح علیہ السّلام :-

قوم نوحؑ پر عذاب کی کیفیت ۴۶/۴۱، نوحؑ کی جائے رہائش ۴۷/۴۴، نوحؑ کے علاوہ دوسروں کی نسل بھی چلی ۴۸/۴۹، واقعات نوحؑ کے بیان میں پیشگوئی ۴۹/۵۰، نوحؑ کی "بد دعا" حکمِ الٰہی سے تھی ۴۵/۳۷،

حضرت یعقوب علیہ السّلام :-

یعقوبؑ کی بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے جانے کی ہدایت دینے کی وجہ ۸۵/۶۷، حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی زندگی کا علم مل چکا تھا ۸۹/۸۷-۸۸،

حضرت یوسف علیہ السّلام :-

واقعاتِ یوسفؑ کے بیان میں آنحضرتؐ کے آئندہ حالات کے لیے پیشگوئی ۶۹/۴-۶، ۹۳/۱۰۳، برادرانِ یوسفؑ کے ان کو قافلہ والوں کے پاس بیچنے کی وجہ ۷۴/۲۱، خریدار یوسف ۷۴/۲۲، یوسفؑ عورت کے فریب میں نہیں آئے ۷۵/۲۴ و ۷۷/۳۴، عورت حاجب کی بیوی تھی ۷۶/۳۱، عزیز کی بیوی کا عورتوں کا شبہ دور کرنے کی تدبیر کرنا ۷۷/۳۲، یوسفؑ کا قید سے فوراً نکلنے سے اجتناب ۸۱/۵۱، بادشاہ یوسف کی پاکیزگی کا قائل ہو چکا تھا ۸۲/۵۲، یوسفؑ کا پانی پینے کا برتن بھائی کے سامان میں رکھا جانا ۸۶/۷۱-۷۳، یوسفؑ کے بخشنے پر ان کے بھائیوں میں تبدیلی ۹۱/۹۸، یوسفؑ کے عشقِ الٰہی کی علامات ۹۳/۱۰۲، فرعون کی رویاء یوسفؑ کی رہائی کی تدبیر تھی ۸۰/۴۴،

حضرت یونس علیہ السّلام :-

قوم یونسؑ کے تائب ہونے پر عذاب کا ٹل جانا ۲۹/۹۹،

انسان

جو روکیں انسان خود خدا کی راہ میں پیدا کر لیتا ہے ۳۴/۶، حصولِ مقصد میں روکیں دور کرنے کا طریق ۳۴/۴۴، پاس پاس کی زمینوں کی طرح انسانوں میں بھی فرق ہوتا ہے ۹۸/۵، ہر انسانی عمل میں دوسروں کا حصہ ہوتا ہے ۱۰۵/۲۴

انسانی پیدائش حماءٍ مسنون سے ١٣٤/٢٥ ، ملائکہ
کو حکم سب انسانوں کی مدد کا تھا نہ کہ صرف آدمؑ کی مدد
کا ١٣٦/٢٩-٣٢ ، کائنات کا آخری نقطہ انسان ہے ١٤٩/١١ ،
انسان ابتداءً نیکی پر قائم ہوتا ہے پھر شیطان اسے
اصل مقام سے ہٹا دیتا ہے ١٩٩/٦٥ ، انسان کا روحانی
حشر ہونے کے بعد شیطان کا اس پر زور نہیں چلتا ١٩٩/٦٦
انسان کی ذات سے متعلق اخلاق ١٩٣/٣٨ ، انسانی
مال پر دوسروں کا بھی حق ہوتا ہے ١٩/٢٤ ، ہر انسانی عمل
میں دوسروں کا حصہ ہوتا ہے۔ ١٠٥/٤٤

جنّ — جنّ اور ان کے متعلق قرآنی ارشادات کا خلاصہ
ص ١٣٤، ١٣٥/٢٨ ، آنحضرتؐ پر ایمان لانے والے جنّ
یہود انسان تھے ١٣٤، ١٣٥/٢٨ ،

اسراء

تفصیل واقعہ اسراء اور مسلمانوں کو بیت المقدس
ملنے کا وعدہ ص ١٨٣ ، مسلمانوں کو اشارہ کہ اس وقت
یہود کی طرح نافرمانیاں نہ کریں ١٨٤/٢ ، اسراء والے
واقعات کو رؤیا میں تبلانے کی وجہ ١٩٨/٦١ ، موسیٰؑ
کے اسراء کے خواب یا کشف ہونے کی دلیل ٢٢٩/٧ ،
٢٢٦/٦١ ، موسیٰؑ کے اسراء کے واقعہ میں امت موسویہ
اور امتِ محمدیہ میں مقابلہ ٢٢٩/٧-٢ ، موسیٰؑ کے اس اسراء
کے بیان کی وجہ ٢٣٣/٨٣ جس سے حضرت موسیٰؑ سبق
لینے گئے تھے وہ آنحضرتؐ تھے ٢٢٠/٦١ ، مجمع البحرین کا
ظاہری نشان ٢٢٧/٦٣ ، واقعہ اسراء اور واقعہ معراج
مختلف ہیں ١٨٢/٢

اصحاب کہف ٢١٣/١٣

اصحابِ کہف کوئی عجوبہ نہیں تھے ٢١٢/١٣ ، اصحابِ کہف
کے متعلق پہلے مشہور قصے درست نہیں ٢١٣/١٣ ، اصحاب
کہف موحد تھے ٢١٤/١٦ ، اصحاب کہف اونچے شمالی علاقوں
میں رہتے تھے ٢١٤/١٨ ، اصحاب کہف کی نزول قرآن کے
وقت کی کیفیت ٢١٥/١٩ ، اصحاب کہف پر مصائب کے
زمانے ٢١٧/٢٦ ، اصحاب کہف کا ذکر آئندہ کے لیے
پیشگوئی تھا ٢١٨/٢٨ -

آیات

عام آیت اور آیت بینہ میں فرق ٤٧/١١ ، آیت ہر
کسی کو نظر نہیں آتی، اس کے لیے خشیت اللہ کی آنکھ
چاہیے - ٩/٧١ جو سچائی سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیں بڑے
سے بڑا معجزہ ان کی نظر میں دھوکا ہوتا ہے ٢٩/٩٧-٩٨ ،
حکمت آیتہ کی تشریح ٣٣/٢ ، آیات کے محکم
ومتشابہ ہونے سے مراد ٣٣/٢ ، کفار آیت طلب کریں
تو مراد عذاب ہوتی ہے ٩٩/٤٨ ، بعض آیاتِ الٰہی کے بند
جانے سے مراد ١٠٤/١٠٢ ، پہلوں کے فائدہ نہ اٹھانے کے
باوجود نشان بھیجنے کی وجہ ١٩٨/٦١ ، اپنی مرضی سے نشان
دکھلانا کسی رسول کے لیے ممکن نہیں ١١١/٣٩ ، بعض چیزوں
کو متقیوں کے لیے اور بعض کو ظالموں کے لیے آیت
قرار دینے کی وجہ ٤/٧ ، آیت ان الذین لایرجون
لقاءنا کی تشریح ٥/٨-٩ -

پیشگوئیاں

پیشگوئیاں مشروط بھی ہوتی ہیں ٤٧/١٤ ، وعیدی
پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں ٤٧/١٤ ، وعیدی پیشگوئیوں
کے متعلق اصول ٤٨/٣٤ ، پیشگوئیوں کی حقیقت اپنے
وقت پر کھلتی ہے ٤٨/٤٤ ، قرآن کے ذریعہ دشمنوں کی
زمین مسلمانوں کو ملنے کی، قرآن کے دنیا میں جلد پھیلنے کی،

اور قرآن کے ذریعہ روحانی مُردے زندہ ہونے کی پیشگوئی ۱۰۷/۳۲، کفار کے جیتے جی دفن کیے جانے کی پیشگوئی ۱۵۹/۴۶، یہ پیشگوئی کہ مکہ والوں کے تابع نہیں چھوڑے جائینگے ۱۵۹/۴۸، عبداللہ بن اُبی کے ارتداد کی پیشگوئی ۱۷۶/۱۰۷، کفار کا رزق چھینے جانے اور مسلمانوں کو حلال وطیب رزق ملنے کی پیشگوئی ۱۷۷/۱۱۵، مسلمانوں کے ذریعہ دنیا میں ایک حشر برپا ہونے کی پیشگوئی ۱۹۶/۵۱-۵۳، سورۃ ہود میں مذکور واقعات بطور پیشگوئی تھے ۶۸/۱۲۱، مسلمانوں کو سمندروں پر غلبہ ملنے کا اشارہ ۲۰۰/۶۷، بدر کی پیشگوئی ۲۰۰/۶۹، فتح مکہ کی پیشگوئی ۲۰۰/۷، آنحضرتؐ کو مقام محمود ملنے کی پیشگوئی ۲۰۳/۸۱، اسلامی تعلیم کے بقا کی پیشگوئی ۱۰۲/۱۷، مدنی زندگی کے آغاز میں ترقیِ اسلام کی پیشگوئی ۲۰۳/۸۲، اسراء کا وعدہ پورا ہونے کے متعلق پیشگوئی ۲۱۰/۱۱۲، اقوام عالم کی لڑائی اور سب دنیا کے جمع کیے جانے کی پیشگوئی ۲۳۷/۱۰۰، آئندہ زمانہ میں شمالی اقوام کی ترقی کی خبر ۲۱۶/۲، مسیحی قوم کی زمانہ ترقی کی حالت کی خبر اور مسلمانوں کو نصیحت ۲۱۷/۲۴-۲۵۔

حشر

بعض اشیاء کی حقیقت اگلے جہان میں کھلیگی ۱۳/۳، دنیا کا سارا انتظام ظاہر کر رہا ہے کہ کوئی دار الجزا چاہیئے ۳۵/۸، اجتماع یوم الآخرۃ ۶۳/۱۰۴، حشر کے دن خدا تعالےٰ کے سامنے بغیر اذن نہ بولنے سے مراد ۶۴/۱۰۴، اگلے جہان کی نعماء کا اس جہان کی نعما پر قیاس نہیں ہوسکتا ۱۲۵/۴۹، قیامت کے دن رسیوں میں باندھے سے مراد ۱۲۶/۵۰، حشر کے معنی ۱۳۳/۲۷، پیدائش انسانی کے ساتھ حشر کا ذکر ۱۳۴/۲۷، دنیوی ترقیات انسان کا مقصود نہیں ۱۳۴/۲۷، امور روحانی میں یقین پیدا کرنے کے لئے حشر ضروری ہے ۱۵۷/۴، قیامت کے انکار کی وجہ اسے ناممکن سمجھنا ۱۵۷/۱۴، دوزخ وجنت کے متعلق مختلف مذاہب کے نظریات ۶۴/۱۰۸، جنت کے نیچے نہریں بہنے سے مراد ۱۰۹/۳۵-۳۶، جہنم کے سات دروازوں سے مراد ۱۳۸/۴۴-۴۵، جہنمیوں کی نشانی، ہر جنتی اپنی جگہ آزاد ہوگا۔ جنتیوں کی آپس میں محبت ہوگی، جنت میں ہمیشہ کیونکر رہیں گے جنت کامل عبودیت کا مقام ہے ۱۳۹/۴۸-۴۹، جنت عدن میں اشارا کہ وہ مقام نقائص سے پاک ہوگا ۱۵۵/۳۲، جنت کا ملنا خدا کے فضل سے ہے نہ کہ انسان کے استحقاق سے ۱۱۹/۲۴، یوم آخرت کا انکار کلام الہٰی کے انکار کا باعث ہے ۱۶۲/۶۱، حشر کے دن کفار کو کلام کرنے کی اجازت نہ ہونے سے مراد ۱۴۹/۸۵، قیامت کے دن خدا تعالیٰ کی صفتِ غفوریت اور رحیمیت کن سے ظاہر ہوگی ۱۷۷/۱۱۲، جو یہاں روحانی آنکھ سے کام نہ لے گا، اگلے جہان میں بھی دیدار الہٰی سے محروم رہے گا ۲۰۱/۷۴، حیات مابعد الموت کا ایک ثبوت ۲۰۷/۱۰۰، روحانی امور میں یقین پیدا کرنے کے لیے حشر ضروری ہے ۱۵۷/۴۔

خدا تعالےٰ

اللہ تعالےٰ کے دار السّلام کی طرف بلانے سے مراد ۱۱/۲۶، ربّکم الحق میں خدا تعالےٰ کی ربوبیت کی طرف اشارہ ۱۳/۳۴، خدا تعالےٰ کسی کو ترقی سے محروم نہیں کرتا ۱۴/۳۴، خدا تعالےٰ کا بندوں سے تین طرح پر معاملہ ۲۵/۷۲، خدا کے سوا کوئی بھی بالذات نفع وضرر کا مالک نہیں ۳۱/۷۱، شرعی خیر وشر ارادہ الہٰی کے ماتحت ۳۲/۱۰۸، خدا تعالےٰ خیر الحاکمین ہے ۳۲/۱۱۰، عبادت کے حکم میں خدا کی خود غرضی نہیں ۳۳/۳، رکن شدید

مراد اللہ تعالیٰ ۵۷/۸۱-۸۲، احکام الٰہی پر بغیر وقفہ قائم رہنے کا حکم ۶۶/۱۱۳، دین کا خلاصہ، خدا ایک ہے ۱۴۸/۳، افراط و تفریط سے محفوظ راہ خدا تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے ۱۴۹/۱۰، ہدایت صرف خدا تعالیٰ ہی دے سکتا ہے ۱۵۲/۲۰، توحید الٰہی کے انکار کی وجہ آخرت کا انکار ہے ۱۵۳/۲۳، خدا کے عالم الغیب ہونے کا ثبوت ۱۵۳/۲۴، خدا تعالیٰ جبر سے مومن و موحد بھی نہیں بناتا ۱۵۶/۳۸، خدا تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ہوجاتا ہے ۱۵۸/۴۲، تمام اشیاء خدا کی وحدانیت پر دال ہیں ۱۹۴/۴۵، خدا تعالیٰ ہوشیار کئے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا ۲۲۶/۵۹، خدا تعالیٰ کو ضرورت نہیں کہ لوگ ایمان لائیں ۱۱۴/۹، خدا تعالیٰ کمزوروں کو حصول معافی اور طاقتوروں کو اظہار طاقت کا موقعہ دیتا ہے ۱۵۲/۱۹، خدا تعالیٰ جس مقصد کے لیے کوئی چیز بنائے اس میں تغیر موجب اصلاح نہیں ہوتا ۱۶۴/۶۸،

حمد، تعلیم، اور غالب آنیوالی آواز صرف خدا کی ہوتی ہے، صرف خدا کو پکارنا فائدہ دیتا ہے، عبادت کا مستحق صرف خدا تعالیٰ ہے، تقدیر کا ٹلانا خدا کے قبضہ میں ۱۰۱/۱۵، ہر چیز قانون الٰہی کی پابند ہے ۱۰۱/۱۶، پیدائش کے بعد بھی اشیاء پر خدا کا قبضہ ۱۰۲/۱۷، خدا تعالیٰ بلا وجہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا ۱۰۶/۲۸، اصل ذکر اللہ ۱۰۶/۳۰، خدا کو چھوڑنے سے شرک پیدا ہوتا ہے ۱۰۸/۳۴، خدا تعالیٰ کے عزیز و حمید ہونے کی دلیل ۱۱۲/۳ - خدا کا معاملہ عمل اور نیت کے مطابق ہوتا ہے ۲۰۴/۸۵ و ۲۰۷/۹۸

دعا

دعا کن چیزوں کے لیے نہیں کی جاتی ۱۳۲/۳۶، وعدہ الٰہی کے بعد تدبیر و دعا کی ضرورت ۱۱۷/۱۶، خدمت والدین کی کمی پورا کرنے کے لیے دعا کا حکم ۱۹۰/۲۵، خدا کے وعدوں کے پورا ہونے اور اپنی اصلاح کے لیے طریق دعا ۲۱۰/۱۱۱ -

ذوالقرنین

ذوالقرنین کا ذکر ۲۳۳/۸۴ تا، کے اخلاق ۲۳۵/۸۹، ایران سے شمالی جانب سفر ۲۳۵/۹۳، مشرقی سفر ۲۳۵/۹۰-۹۱، کا برگزیدہ ہونا ۲۳۴/۸۴، کی فتوحات ۲۳۴/۸۴ -

رُوح

یسئلونک عن الروح کی بحث ۲۰۴/۸۶، بغیر امر ربی روح بہت ناقص چیز ہے ۲۰۴/۸۷، الروح سے مراد مردوں کو زندہ کرنیوالا کلام ۱۴۷/۳،

رویاء

رویاء میں تعبیر ۲۳۱/۸۰، جدار - ابوے اور کنز سے مراد ۲۳۲/۸۳، حوت کی تعبیر ۲۲۷/۶۲، صخرہ کی تعبیر ۲۲۸/۶۴، اہل قریۃ، قوم اور اقامۃ کی تعبیر ۲۳۱/۷۸ -

شرک

شرک ہوتا تو اس کا اعلان خدا کی طرف سے ہونا چاہیے تھا ۹/۱۹، معبودان باطلہ کی طرف سے کوئی ہدایت نامہ نہیں آیا ۱۴۴/۳۴، عقیدہ شرک کے ردّ میں دلائل ۲۲/۹، ۱۰۸/۳۴، ۱۶۰/۵۳، ۱۶۱/۵۷، ۱۹۴/۲۴، شرک کی تائید میں کوئی بھی دلیل نہیں ۴۹/۵۱، معبودان باطلہ خالق نہیں خود مخلوق ہیں ۱۵۲/۲۱، معبودان باطلہ سب مردہ ہیں ۱۵۲/۲۲، فطرت انسانی شرک کی مخالف ہے ۱۶۰/۵۴، شرک سے عقل ماری جاتی ہے ۱۹۳/۴۱، شرک صحیح ہوتا تو مشرک خدا رسیدہ ہوجاتا ۱۹۳/۴۳،

اپنے تئیں شریک ٹھہرانے والوں کا ذکر نہ کرنے میں
حکمت ۱۲/۲۹، معبودانِ باطلہ کا ان کی پرستش کیے
جانے کے علم سے انکار اور اس سے وفاتِ مسیح کا
استدلال ۱۲/۳۰، خدا تعالیٰ کے جبراً شرک سے نہ روکنے
کی وجہ ۱۵۶/۳۴-۳۷، دو سے زیادہ معبود بنانے بھی جائز
نہیں ۱۶۰/۵۲، خدا کی بیٹیاں ہی نہیں بیٹے بنانا بھی ناجائز
ہے ۱۶۱/۵۸، پیروی شیطان موجب شرک ۱۷۴/۱۰۱ ۔

شیطان

شیطان بد بناتا نہیں معیار بدی کو ظاہر کرتا ہے
۱۱۹/۲۳، محرکاتِ بدی بھی شیطان کہلاتے ہیں ۱۳۶/۳۳،
شیطان کے اس قول سے مراد کہ انسان طینی ہے
اور وہ ناری ہے ۱۳۶/۳۴، شیطان کو انفعالِ الٰہی کی
جنت سے محرومی کا حکم تھا ۱۳۷/۳۵، شیطان کے یوم
البعث تک مہلت مانگنے سے مراد ۱۳۷/۳۷، مخلصین
کو شیطان کیوں گمراہ نہیں کرسکتا ۱۳۸/۴۱-۴۲، اس گروہ
کا ذکر جس پر شیطان حملہ کرسکتا ہے مگر تسلط نہیں
پاسکتا ۱۳۸/۴۳، غلبہ شیطان مشرکوں پر ہوتا ہے
۱۷۴/۱۰۱، شیطان کا پیدائش انسانی میں دخل نہیں
۲۲۴/۵۲، حکم فرشتوں کا تھا پھر ابلیس سے بازپرس
کی وجہ ۱۳۶/۳۳ ۔

قرآن

کتاب الحکیم کی تشریح ۱/۲، کفار کی طرف سے قرآن
میں تبدیلی کی درخواست اور اس کے رد کی وجوہ ۸-۷/۱۶-۱۸
قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے پانچ ثبوت ۱۵/۳۸، کفار
کو قرآن جیسی کوئی ایک سورۃ بنانے کا چیلنج ۱۵/۳۹،
قرآن کا مقصد قیام توحید ہے وہ خدا کے برابر کسی کو بھی
نہیں ٹھہراتا ۱/۵، نبی کریمؐ کی کامیابی کا راز قرآن کے کمالات
میں ہے ۱۹/۵۸، قرآن کے چار کمالات، موعظہ، شفاء
لما فی الصدور، ھدیٰ اور رحمتہ ہونا ۱۹/۵۸،
قرآن کے شفاء لما فی الصدور ہونے کی دلیل ۲۰/۴،
طیبات میں سب سے مقدم کلام الٰہی ہے ۲۸/۹۴،
قرآن ایک خزانہ ہے ۳۷/۱۳، قرآن میں قرآن کی مثل
بنانے کا چیلنج اور ان میں فرق کی وجہ ۳۷/۱۳، کسی کا
قرآن کی مثل نہ لاسکنا اس کے کلام الٰہی ہونے کا
ثبوت ہے ۳۸/۱۵، قرآن کی مثل لانے کا چیلنج ہر زمانہ
کے لیے ہے ۳۸/۱۵، قرآن میں عاد کے حالات کے متعلق
معلومات ۴۹/۵۱، بائیبل و قرآن کے اختلافات کا
حوالہ ۶۲/۹، قرآن ہی کتابِ مبین ہے ۶۹/۲، قرآناً
عربیاً میں اشارہ تھا کہ قرآن ہمیشہ پڑھا جائیگا
اور الکتاب میں یہ کہ لکھا جائے گا ۶۹/۳، واقعاتِ
یوسفؑ کے متعلق بائیبل و قرآن کے اختلافات ۷۰/۵،
قرآنی طریق ہے کہ درمیانی واقعات کو چھوڑ کر انجام
کو لیتا ہے ۸۴/۲۳، قرآن کے الکتاب ہونے سے مراد
۹۴/۲۰، قرآن کے بعض حصص کو بھی نہ بدلنے کی وجہ
۱۰۹/۳۸، قرآن نور کی طرف ہدایت کرتا ہے ۱۱۳/۲،
شریعت وہ امور بیان کرتی ہے جو انسان کے
فائدہ کے لیے ہیں ۱۱۶/۱۳، قابلِ عمل کلام کی مثال
شجرہ طیبہ ۱۲۰/۲۶، کتاب اور قرآن دو نام نہیں
دو صفات ہیں ۱۲۷/۲، قرآنی تعلیم کی دلکشی دیکھ کر
کفار کی خواہش کہ کاش وہ ایسی کتاب کے ماننے
والے ہوتے ۱۲۷/۳، قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود
فرماتا ہے ۱۲۹/۱۰، قرآن میں نظام ظاہری کی مثالوں
سے نظام روحانی کو سمجھایا جاتا ہے ۱۳۱/۱۷-۱۹ ۔
کتاب اللہ کی تین خوبیاں ۱۳۲/۲۰

، پرانے کلام کی موجودگی میں قرآن کی ضرورت ۱۳۳/۲۳ ، حفاظتِ کلام کا کام خدا نے اپنے ہاتھ میں کیوں رکھا ۱۳۳/۲۴-۲۵ ، قرآن اساطیر الاولین نہیں ۱۵۳/۲۵ ، قرآن کے الذکر ہونے سے مراد ۱۵۸/۴۵ ، کلام الٰہی کی ضرورت ۱۶۳/۶۵ ، قرآن کے ھدًی و رحمۃ ہونے کی دلیل ۔ ۱۶۳/۶۶ ، جہاں دوسری کتب سے اختلاف ہو قرآن ہی حق پر ہوتا ہے ۱۷۴/۱۰۳ ، قرآن کے انکار کی وجہ ۱۷۵/۱۰۵ ، قرآن میں تکرار مضامین کی وجہ ۱۹۴/۴۲ ، کفار کے قرآن کی مثل نہ بنا سکنے کی دلیل ۲۰۵/۹۰ ، قرآن آنحضرتؐ پر حق سے اُترا ہے شیطان نے کہیں رخنہ نہیں ڈالا ۲۰۹/۱۰۶ ، قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اتارنے کی وجہ ۱۰۹/۱۰۷ ، قرآن پہلوں اور آنے والوں کے لیے مربی ہے ۲۱۱/۲-۴ ، سورۃ فاتحہ میں قرآنی قوتوں کا نچوڑ اور اس کا قرآن عظیم ہونا ۱۴۵/۸۸ ، قرآن کی چار خوبیاں اور ان کا ثبوت ۱۷۰/۹۱ ، مومنوں کے لیے زیادہ انعام اور ناشکروں کے لیے عذاب کا وعدہ ۱۸۶/۱۰-۱۱ ۔

کلامِ الٰہی

خود کلام بنانے والے اور حامل کلام الٰہی کے مخالفوں کو ضرور سزا ملتی ہے ۹/۱۸ ، کلام الٰہی ضرور نازل ہوتا ہے ۶۵/۱۱۱ ، چند باتیں جو کلام الٰہی میں ہونی چاہئیں ۱۴۹/۱۰ ، مختلف طبائع کو مطمئن کرنے والا کلام خدا ہی بنا سکتا ہے ۱۵۰/۱۴ ، کلام الٰہی کا اثر فطرت کے مطابق ہوتا ہے ۲۰۳/۸۳ ، جب تک کلام الذکر ہے اس کی حفاظت کے لیے مامور بھیجا جاتا ہے ۱۳۱/۱۷-۱۹ سب کتب الہامی میں روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہونا امرِ مشترک ہے ۱۶۵/۷ ۔

کفر

کفار کے سحرٌ مبین کہنے سے مراد ۲/۳ ، کفار کے عمل آخرت میں کیوں فائدہ نہیں دینگے ۳۹/۱۷ ، کافر کو اندھا اور بہرا اور مومن کو بینا اور سننے والا قرار دینے کی وجہ ۴۱/۲۵ ، کفار کا انبیاء کے بشر ہونے پر اعتراض ۴۲/۲۸ ، بغیر غور و تحقیق انکار کرنے والا حق سے محروم رہ جاتا ہے ۴۱/۲۹ ، کفر کی وجہ دنیا کو آخرت پر مقدم کرنا ۱۱۳/۴ ، کافر و مومن میں فرق ۹۴/۱۰۶ ، کفار کی نابینائی کی وجہ ۹۴/۱۰۷ ، کفار کے انکار کی بعض وجوہ ۲۰۶/۹۵ ، کفار پر فرشتے نہ اُترنے کی وجوہ ۲۰۶/۹۶ ، ۱۳۰/۱۵۰-۱۶۰ ، کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے ۲۳/۷۰-۷۱ ، کفار کے قلوب پر مُہر کرنے سے مراد ۲۴/۷۵ ۔

عذاب

عذاب میں ڈھیل کی وجہ ۷/۱۲ ، ۱۶/۴۱ ، ۳۶/۹ ، شرعی عذاب کب آتا ہے؟ ۶/۱۴ ، شرعی عذاب کی پہچان ۶/۱۴ ، عذاب بھیجنے کے متعلق الٰہی طریق ۱۰/۲۲ ، عذاب کے رات یا دن میں آنے سے فرق نہیں پڑتا ۱۸/۵۱ ، عذاب آنے پر ایمان فائدہ نہیں دیتا ۱۸/۵۲ ، عذاب الخلد سے مراد ۱۸/۵۳ ، الٰہی عذاب کے مقابلہ میں کسی کا تکبر باقی نہیں رہتا ۱۸/۵۵ ، عذاب بغیر جرم نہیں آتا ۶۷/۱۱۸ ، عذاب دور کرنے کا گُر ۶۷/۱۱۸ ، عذاب کے متعلق دو قانون ۱۱۰/۴ ، عذاب کی بعض پیشگوئیاں ٹل سکتی ہیں ۱۱۰/۴ ، عذاب کی جو پیشگوئیاں ٹلتی ہیں حکم الٰہی سے ٹلتی ہیں ۱۱۱/۴-۲ ، دنیوی عذاب اُخروی عذاب کے لیے بطور ثبوت ۱۲۵/۴۵ ، دانستہ انکار پر زیادہ عذاب ۱۵۴/۳۰ ، عذاب سے ڈرنا اس سے

بچا نہیں سکتا ۲۰/۱۱ ، عذاب یوم محیط سے مراد ۵۸/۸۵-۸۶ ، جو بغیر سزا ہدایت نہ پا سکیں ان کے لیے سزا رحمت ہے ۲۷/۸۹ ، گمراہ کرنے والے گمراہوں سے زیادہ سزا پاتے ہیں ۱۷۰/۹ ۔

عرش

خدا تعالےٰ کے عرش پر قرار ہونے سے مراد ۲/۴ ، عرش کی تشریح ۳/۴ ، خدا کا عرش پانی پر ہونے سے مراد ۳۵/۸ ، عرش کے معنے ۹۷/۳ ۔

عہد

عہد اللہ سے مراد عہد بیعت ۱۷۱/۹۲ ، قوموں کے معاہدات کے متعلق اسلامی تعلیم ۱۷۲/۹۳ ، معاہدات کے متعلق قرآنی تعلیم کو جبراً جاری نہ کرنے کی وجہ ۱۷۲/۹۴ ، باہم معاملات کے متعلق اسلامی تعلیم ۱۷۱/۹۱ ۔

وحی والہام

کامل انسان کو ابتدائے عالم سے الہام ہوتا رہا ہے ۱۳۶/۲۹-۳۲ ، بعض اقسام وحی کے اظہار کا حکم ہوتا ہے بعض کا حکم نہیں ہوتا ۱۳۲/۳ ، الہام صرف عابدوں پر نازل ہوتا ہے ۱۳۲/۳ ، الہام فکر انسانی کو تیز کر دیتا ہے ۱۵۸/۴۵ ، الہامی تعلیم پر عمل کے فوائد ۱۶۴/۶۷ ، بقدر ظرف ہر ایک کو وحی سے حصہ ملتا ہے ۱۶۴/۶۹ ، مورد وحی انسان ایک جیسے نہیں ہوتے ۱۶۴/۶۹ ، ہر آدمی صاحب وحی ہو سکتا ہے ۱۶۵/۷۲ ، دنیوی امور کے لیے کوشش بمنزلہ دعا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو تدبیر انسانی ذہن میں آئے وحی کی ایک قسم ہے ۱۶۵/۷۲ ، ضرورت وحی کی ایک دلیل ۱۶۵/۷۲ ، جب انسان دنیوی علوم کے حصول کے ذرائع سے کام لیتا ہے تو دینی علوم کے ذریعہ الہام سے کیوں منکر ہے ۱۶۲/۷۹

اصولی الہام ہمیشہ قومی زبان میں ہوتا ہے ۱۱۳/۴ ، الہام سے دور پڑنے والے تکلیف میں ناامیدی اور راحت میں غرور سے مغلوب ہو جاتے ہیں ۱۳۶/۱۰-۱۱ ، الہام معجزات کا دروازہ کھلا ہے ۱۴۱/۲۵ ۔

یہود

یہود کے لیے بعض چیزیں بطور سزا حرام کی گئی تھیں ۱۱۹/۱۷۹ ، سبت کی بے حرمتی کی سزا دراصل نافرمانی کی سزا تھی ۱۸۰/۱۲۵ ، یہود کا دو دفعہ نافرمانی کرنا اور سزا پانا اور مسلمانوں کو تنبیہہ ۱۸۴/۵ ، یہود کے لیے دو عذاب مقدر تھے ۱۸۴/۶ ، یہود کو اشارہ کہ ان کی ترقی کے لیے صرف اسلام لانے کی راہ باقی ہے ۱۸۵/۹ ، یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے بار بار معاہدات توڑیں گے ۲۳۰/۷۴ ۔

متفرق

ابتدا ہی میں ترقی کے سامان نظر نہ آنا حق پر نہ ہونے کی علامت نہیں ۲/۴ ، یدبر الامر ۲/۴ ، ۱۳/۳۲ ، زمین و آسمان کی تخلیق فی ستۃ ایام سے مراد ۲/۴ ، شفع سے مراد ۳/۴ ، عمل صالح سے مراد ۴/۵ ، سورج و چاند کی منازل مقرر کرنے میں حکمت ۵/۴ ، دنیوی ترقیات اپنی ذات میں بری نہیں انہیں مقصود بنا لینا برا ہے ۵/۸ ، ہدایت کے لیے عمل کے ساتھ دل کی اصلاح بھی ضروری ہے ۵/۱۵ ، یوم الیم کی تشریح ۴۲/۲۷ ، اللہ یعلم ما تحمل انثیٰ کی تشریح ۹۹/۹ ، معقبات کون تھے ۱۱۱/۱۲ ، بجلی اور بادلوں کا نفع نقصان اتفاقی امر نہیں ہوتا ۱۱۰/۱۴ ، انذار کے معنے ہوشیار کرنا ہیں نہ کہ ڈرانا ۳۳/۳ ، توبہ کا مقام استغفار کے بعد ہے ، توبہ گناہ کا راستہ نہیں کھولتی ۳۴/۴ ، ارتقاء کے متعلق اسلامی نظریہ ۳۵/۸ ،

آیاتہا ۱۱۰	سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ۝

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝

(۱) میں اللہ کا نام لیکر جو بےحد کرم کرنیوالا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے (پڑھتا ہوں)

(۲) الٓرٰ - یہ یعنی اس سورۃ کی آیتیں کامل اور پُرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں

کیا لوگوں کے نزدیک ہمارا ان میں سے ایک شخص پر (یہ) وحی کرنا کہ لوگوں کو ہشیار کر اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، انہیں بشارت دے کہ ان کے لئے انکے رب کے حضور میں ایک ظاہر و باطن طور پر کامل درجہ ہے ایسا عجیب

(۳) (امر) تھا کہ ان کافروں نے کہدیا کہ یہ شخص ضرور ہی کھلا کھلا دھوکہ باز ہے۔

نزول و ترتیب :- یہ سورۃ مکی ہے۔ سورۃ توبہ کے آخر میں پہلے کتاب کے نزول اور اس کی تکذیب کا اور پھر رسول کی آمد اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ذکر تھا۔ اس سورۃ کے شروع میں پہلے کتاب کی اہمیت اور پھر رسول کا ذکر ہے۔ (۲) سورۃ توبہ میں یہ خبر تھی کہ اسلام کی ترقی کا وقت آگیا ہے۔ پس چاہیئے کہ لوگ دلوں کی صفائی کرکے خدا کے حضور جھک جائیں۔ تا ان کی توبہ قبول ہو۔ اور اس سورۃ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خدا کا رحم (ہر ایک پر) غالب ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ بخشا نہیں جاسکتا۔ (۳) سورۃ بقرہ سے توبہ تک حضرت نبی کریم صلعم کے وجود اور کاموں کو دکھا کر اسلام کی صداقت ثابت کی گئی ہے اور سورۃ یونس سے کہف تک دلائل عقلیہ۔ منہاج نبوت اور پہلے انبیاء کے حالات پیش کرکے نبوت اور اس کی ضرورت اور حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت اور اغراض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ف۱ یہ آیت ہر سورۃ کے شروع میں آتی ہے۔ اس لئے اس پر نوٹ قرآن کریم کے شروع میں دیا جائے گا۔ اسی طرح مقطعات پر بھی مفصل نوٹ وہیں دیکھیں۔

ف۲ الٓرٰ (میں اللہ دیکھنے والا ہوں)، اس میں یہ اشارہ ہے کہ نہ پہلی تاریخ مجھ سے پوشیدہ ہے نہ قانون قدرت کا اجرا۔ پس رویت کے متعلق امور میں میری ہی ہدایت کافی ہوسکتی ہے۔ تلک بعید کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں (۱) یہ اشارہ ہے کہ پہلی کتب میں اس کتاب کی خبر دی گئی ہے۔ اور ان بشارات کا وجود اس کی آیتوں سے پورا ہوتا ہے (۲) اگلی آیت میں جو فرمایا ہے کہ کفار قرآن کی باتوں کو انہونی خیال کرتے ہیں تلک میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انہونی بات (یعنی جسے تم انہونی سمجھتے ہو) نہایت پختہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ آیت کے معنی نشان۔ علامت اور دلیل کے ہیں یعنی قرآن کی ہر آیت بذات خود ایک نشان ہے۔ اور اس کا ہر فقرہ دوسرے کے لیے دلیل ہے۔ کتاب الحکیم۔ یہ آیات ایسی کتاب کی ہیں جو اپنے اندر علوم رکھتی ہے۔ اور عدل و علم کی تعلیم دیتی ہے۔ محل اور موقع کا لحاظ رکھتی ہے اس میں پکی باتیں اور تمام سچائیاں جمع ہیں۔

ف۳ کفار کا عجیب حال ہے ایک طرف تو اپنی حالت کو ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا ان کی اصلاح کے لیے ان میں سے کوئی کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف جب نبی آتا ہے تو اس سے لڑتے ہیں کہ ہمارا انتظام کیوں بدلتے ہو اور نئی باتیں کیوں بتلاتے ہو تیسرے وہ نبی کے اس دعوی پر تعجب کرتے ہیں۔ کہ اس کی پیروی سے وہ ترقی کر جائینگے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ نبوت کے مدعی بہتر دل و دماغ کے آدمی نہیں۔ لوگوں کی مخالفت پر کھڑے ہیں اور ناممکن بات کو ممکن بنانے کے دعویدار ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○

تمہارا رب یقیناً اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قرار فرما ہوا۔ وہ ہر امر کا انتظام کرتا ہے (اس کے حضور میں) کوئی بھی (کسی کا) شفیع نہیں (ہو سکتا) مگر ہاں اس کی اجازت کے بعد (وہ مذکورہ بالا صفات والا (۴) اللہ ہی ہے) تمہارا رب ایسے تم اس کی عبادت کرو کیا تم پھر (بھی باوجود ان باتوں کے) نصیحت حاصل نہیں کرو گے۔

لَسٰحِرٌ مُّبِينٌ :۔ یعنی باتیں خوب جانتا ہے۔ جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے۔ اور لوگوں کو فریب دے کر یعنی ڈرا کر یا لالچ دلا کر ساتھ ملا لیتا ہے۔ یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ ہر مذہب ہی ماننے والوں سے انعام اور نہ ماننے والوں سے عذاب کا وعدہ کرتا ہے۔

۳ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہر حالت سے کفار نے سمجھا کہ آپ کے دعاوی دھوکہ ہیں۔ جواباً فرماتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی ابتداء ہی میں اس کی ترقی کے سامان نظر آجائیں۔ مثلاً زمین و آسمان چھ دوروں میں مکمل ہوئے ہیں۔ مگر اس سے ان کے خدا کی طرف سے ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ سے پتہ لگتا ہے کہ دوسری جگہ جو كُنْ فَيَكُوْنُ آتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنا حکم فوراً پورے فرما دیتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسباب میں ایسا تغیر کرتا ہے کہ اس کے طبعی نتائج حسب منشا نکلیں۔

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ :۔ یہاں ایام سے مراد مطلق وقت ہے خدا کا ایک دن ہزار سال کا (حج $\frac{۲۲}{۴۸}$) اور پھر پچاس ہزار سال کا (معارج ۵) لکھا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ خدا نے سب دن ہمیں بتلا دیئے ہوں سائنس سے اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے ایک کشف سے بھی دنیا کی عمر کئی کروڑ سال معلوم ہوتی ہے (دیکھیں سورۂ حج آیت ۳۰۔ ۴۰۔ ۲) حدیث کی رُو سے ہفتہ۔ اتوار۔ پیر۔ منگل بدھ۔ جمعرات اور جمعہ کو بالترتیب زمین پہاڑ۔ درخت بلائیں۔ برکتیں۔ حیوان اور آدم کو پیدا کیا گیا تھا۔ بائیبل میں پیدائش عالم کا ذکر پیدائش باب اول میں ہے۔

قرآن میں (حٰمٓ سجدہ $\frac{۱۴}{۱۰-۱۱}$) میں بتایا گیا ہے۔ کہ زمین دو دوروں میں پیدا ہوئی ہے اور اس کے بعد چار وقتوں یعنی دوروں میں اس کے اندر کی وہ قابلیتیں پیدا ہوئی ہیں۔ جو بقاء انسانی کے لیے ضروری تھیں اس میں یہ ذکر نہیں کہ اس زمانہ میں اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہیں بنی۔ بلکہ ساتھ ہی آسمان بھی بن رہا تھا۔ اور اس کی تکمیل پر بھی دو دور گذرے تھے یہاں یہ اشارہ تھا کہ جیسے پیدائش عالم کے متعلق الٰہی منشا یہ ہے کہ ہر چیز کی تکمیل ساتویں درجہ پر ہوتی ہے اسی طرح آنحضرتؐ کا قائم کردہ روحانی عالم بھی چھ دوروں کے بعد تکمیل کو پہنچے گا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ :۔ یعنی جیسے جسمانی عالم کی تکمیل کے بعد خدا تعالیٰ عرش پر کار فرما ہوا تھا اسی طرح

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے (یہ) اللہ (تعالیٰ) کا وعدہ ہے (جو) پورا ہو کر رہنے والا ہے) وہ یقیناً مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر اُسے لوٹاتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) کام کئے انہیں اجر میں کامل حصہ دے۔ اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا انکے لیے ایک تو پینے کی ایک چیز یعنی ۵ کھولتا ہوا پانی ہوگا اور دوسرا ایک دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ کفر کرتے چلے جاتے تھے)

یہاں ہوگا۔ اور اسلام کے قیام کے بعد اللہ تعالےٰ مقام تنزہ کی طرف رجوع کریگا۔ یعنی جس طرح عالم جسمانی کی تکمیل کے بعد اب ہر کام قوانینِ نیچر کے ماتحت ہوتا ہے اور خدا تعالےٰ عام طور پر اس میں دخل نہیں دیتا۔ اسی طرح آئندہ روحانی ترقی صرف اسلام ہی کے ذریعہ ہوگی۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ ۔ میں بتایا ہے کہ جب بغیر اذن خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ پھر ایسے تاریک زمانہ میں وہ کیوں کسی کو کھڑا نہ کرتا۔ شفع کے معنے ہیں جس قسم کی چیز ہو اسی قسم کی اور چیز ملا کر ایک کو دو کر دینا۔ اس لیے دنیا کے لحاظ سے اس کے یہ معنے ہیں کہ شفیع کا یہ کام ہے کہ بدوں کو نیک بنا کر نیکوں میں شامل کرے۔ اور قیامت کے لحاظ سے یہ کہ وہ لوگ جو بڑی حد تک نیک ہوں اور کامل بننے کی پوری کوشش کرتے رہے ہوں مگر بعض خامیاں ان کے کاملین میں شامل ہونے میں روک ہوں اور خدا تعالیٰ چاہتا ہو کہ ان کی جدوجہد کے مدنظر ان کو کاملین میں شامل کر دے ان کے متعلق خدا تعالےٰ کا اذن ہونے پر شفیع ان کی شفاعت کر دے۔

عرش ۔ خدا تعالیٰ کی صفات تنزیہیہ کا نام ہے جو ازلی اور غیر مبدل ہیں اور جن کا ظہور صفاتِ تشبیہیہ کے ذریعہ ہوتا ہے ان صفات میں کوئی مخلوق خدا تعالیٰ سے ذرہ بھر مشابہت نہیں رکھتی۔ آیت يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (مومنون آیت ۱۱۷) سے ظاہر ہے کہ عرش کو توحید باری سے خاص تعلق ہے اور چونکہ توحید الٰہی کامل طور پر صفاتِ تنزیہیہ سے ظاہر ہوتی ہے اس لیے انہی کا نام عرش ہے۔

بعض نے رب العرش (مومنون آیت ۸۷) کے الفاظ سے عرش کو مخلوق خیال کیا ہے مگر یہ الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے ذوالرحمۃ (کہف ۱۸/۵۹) اور فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر آیت ۱۱) ہیں جیسے ان سے عزت و رحمت کا مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوتا ویسے ہی عرش کا مخلوق ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لفظ رب بتلاتا ہے کہ خدا کی صفات کا اظہار اضطراری نہیں بالارادہ ہے بعض نے کان عرشہ علی الماء (ہود ۱۱/۸) سے عرش کو مخلوق سمجھا ہے مگر یہاں ماء سے مراد کلام الٰہی ہے۔ یحمل عرش (مومنون [illegible]) کے الفاظ سے بھی دھوکا لگا ہے مگر حمل کے معنی اٹھانے ہی کے نہیں اظہار حقیقت کے بھی ہیں جیسے احزاب ۳۳/۷۳ سے ظاہر ہے اور یہی معنے یہاں ہیں۔

ے جس وعدہ کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۵۱/۵۷) اور بتلایا ہے کہ آخر سب انسان اللہ تعالیٰ کو پالیں گے۔ اور بعثت انبیاء کی غرض پوری ہو کر رہے گی۔ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ میں حیات مابعد الموت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور اس طرف بھی کہ خدا تعالیٰ نئی نئی مخلوق

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

وہی ہے جس نے سورج کو ذاتی روشنی (والا) اور چاند کو نور (والا) بنایا ہے۔ اور ایک اندازہ کے مطابق اس کی منزلیں بنائی ہیں۔ تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو۔ اس (سلسلہ) کو اللہ تعالیٰ نے حق (و حکمت) کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے وہ ان آیات کو علم والے لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ (۶)

اِنَّ فِیْ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے (اس میں) متقی لوگوں کے لیے یقیناً یقیناً بہت سے نشان ہیں۔ (۷)

—— پیدا کرتا چلا جاتا ہے تاکہ نیکیوں کے کام ضائع نہ ہوں۔ اور بعد میں آنے والے ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ عمل صالح سے مراد نیک اور مناسب حال عمل ہے۔ مثلاً روزہ نیکی ہے۔ مگر جہاد کے وقت نیکی نہیں اسی لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جہاد کے موقعہ پر فرمایا تھا۔ کہ آج بے روزہ روزہ داروں سے بڑھ گئے ہیں۔ ترقی ہر عمل خیر سے نہیں ہوتی۔ عمل صالح سے ہوتی ہے۔ جب جہاد عقلی کی ضرورت تھی مسلمان مصلیٰ لے کر بیٹھ گئے۔ اس لیے نقصان اٹھایا۔

ے یہاں بتلایا ہے کہ ہر حرکت کے اندازہ کے لیے اس کے مقابل کی چیزوں کی حرکت ہی معیار ہوسکتی ہے اس لیے خدا تعالےٰ نے سورج اور چاند کی منازل مقرر کیں۔ تا وقت کا اندازہ ہوسکے۔ جیسے ان کی حرکت سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ انسان نے کتنی محنت کی اور کیا نتیجہ نکلا۔ اسی طرح روحانی دنیا میں انبیاء کے وجود سے محنت اور اس کے نتائج کا احساس ہوتا ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ۔ اس نے زمین و آسمان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ایک پائدار مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے جسمانی سورج کی طرح روحانی سورج بھی چاہیے تھا۔

ے دن اور رات کا فرق تو ہر کوئی جانتا ہے۔ مگر فائدہ صرف متقی اٹھا سکتا ہے اوپر منازل شمس و قمر کا ذکر تھا ان سے صرف عالم فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں یَتَّقُوْنَ اور وہاں یَعْلَمُوْنَ فرمایا۔ یہاں یہ نکتہ بھی ہے کہ روحانی دنیا میں دن ہو۔ تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ کہ رات آہی نہیں سکتی۔ اعمال میں ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور رات ہو تو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ دن کا لانا بھی انسان کے اختیار میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رات کے وقت سورج کہیں چلا نہیں جاتا۔ اس کے سامنے ہوجاؤ۔ تو دن چڑھ جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ	جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور اس ورلی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس پر انہوں نے اطمینان پکڑ لیا ہے اور (پھر) (۸) جو لوگ ہمارے نشانوں (کی طرف) سے غافل ہو گئے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝	ان سب کا ٹھکانا ان کی (اپنی) کمائی کی وجہ سے یقیناً (دوزخ کی) آگ ہے۔ (۹)
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسب حال عمل کئے انہیں ان کا رب انکے ایمان کی وجہ سے (کامیابی کے راستہ کی طرف) ہدایت دیگا (اور) آسائش والی جنتوں میں انہی کے (تصرف) کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔ (۱۰)
دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	ان جنتوں میں (خدا تعالیٰ کے حضور) انکی پکار (اے اللہ (ہم) تیری تسبیح) کرتے ہیں) ہوگی اور (انکی) (ایک دوسرے کیلئے) دعا (تمہارے لیے ہمیشہ کی سلامتی ہو) ہوگی اور انکی دعا کا آخری حصہ یہ ہوگا کہ ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے (۱۱)

رکوع ۱

۸-۹ رَجَاء کے معنے امید اور خوف کے ہیں اور لِقَاء کے معنے شوق سے آگے ہو کر ملنا۔ یا جنگ وجدال کے۔ کامل عمل یا خوف سے ہوتا ہے یا امید سے اس لئے یہاں خدا تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھنے والوں کو کہا کہ کیوں شوق سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور سزا سے ڈرنے والوں کو یہ کہا۔ کہ کیوں اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا میں بتلایا کہ دنیوی ترقیات اپنی ذات میں بری نہیں۔ لیکن انہیں زندگی کا مقصد بنا لینا اور ان پر ٹھہر جانا برا ہے۔ ورنہ قرآن نے خود دعا سکھلائی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً اور اس کی رو سے اخروی ترقیات سے وابستہ دنیوی ترقیات کا مانگنا فرض ہے یہاں یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حقیقی گناہ وہی ہے جو بالارادہ ہو اور تواتر سے کیا جائے (کسب کے معنوں میں جمع کرنا بھی شامل ہے) اور جو ایسا کرے اور پھر توبہ نہ کرے وہی سزا کا مستحق ہے ورنہ فرمایا اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (نجم ۵۳/۳۳) آگ کو ماویٰ یعنی پناہ کی جگہ اس لیے کہا کہ اس میں بطور علاج جائیں گے۔

۱۰ یہاں بتلایا کہ اصل ہدایت ایمان سے ملتی ہے یعنی خالی عمل کافی نہیں دل کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ بِاِيْمَانِهِمْ میں یہ اشارہ ہے کہ ظاہری عمل کے پیچھے جو اخلاص کام کر رہا ہوگا اس سے جزا میں فرق آ جائے گا جیسے حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کو تم پر فضیلت اس چیز کے سبب ہے جو اس کے دل میں ہے۔

۱۱ یہاں تو اعتقاداً ابھی سبحان اللہ کہہ لیتے ہیں لیکن وہاں ہر چیز کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس لیے علم کی بناء پر سبحان اللہ کہیں گے۔ دوسرے وہ یہ بھی پکار اٹھیں گے کہ یہاں تو سلامتی ہی سلامتی ہے کیونکہ وہ علم کامل کی وجہ سے چیزوں کے غلط استعمال سے بچ جائیں گے۔ یہاں "رب" کی بجائے رب العالمین اس لیے فرمایا کہ تمام دنیا کی ضروریات کو جاننا رب العالمین ہی کا کام ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

اور اگر اللہ (تعالیٰ)[۲۲] لوگوں پر (انکے اعمال کی) بدی (کا نتیجہ) انکے مال کو جلد پانے کی طرح جلد وارد کرتا تو انکی (زندگی کے اختتام کی) میعاد ان پر لائی جا چکی ہوتی (مگر چونکہ ہم نے ایسا پسند نہیں کیا) اسلیے ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اس حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگردان پھر رہے ہیں۔ (۱۲)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ إِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پہلو کے بل (لیٹا ہوا) یا بیٹھا یا کھڑا ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں۔ تو وہ (اس طرح سے کترا کر) گذر جاتا ہے۔ (کہ) گویا اس نے کسی تکلیف کے (دور کرنے کیلئے) جو اسے پہنچی تھی ہمیں نہیں پکارا (تھا) اسی طرح تمام حد سے بڑھ جانیوالوں کو جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں خوبصورت کر کے دکھلایا گیا ہے۔ (۱۳)

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○

اور یقیناً یقیناً ہم تم سے پہلے قوموں کے بعد قوموں کو جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلے نشان لے کر آئے اور (پھر بھی) وہ بالکل ایمان نہ لاتے تھے ہلاک کر چکے ہیں۔ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۱۴)

---

[۲۲] یعنی (۱) جیسے یہ لوگ تمام توجہ دنیا جمع کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔ اور جلدی میں دوسری طرف توجہ نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ بھی عذاب دینے میں جلدی کرتا تو ان کا خاتمہ ہو جاتا۔ اور توبہ کا موقعہ ہی نہ رہتا (۲) جیسے خدا تعالیٰ خیر میں بڑھا ہوا ہے۔ ویسے عذاب میں بھی بڑھا ہوتا تو ان کا خاتمہ ہو جاتا۔ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ: فرمایا ہم عذاب دینے میں جلدی کرتے تو لوگوں کا خاتمہ گمراہی پر ہوتا۔ مگر ہمارا مقصد تو ہدایت دینا ہے اسی لیے ہم لوگوں کو بچنے کا موقع دیتے ہیں۔

[۲۳] لِجَنْۢبِهٖٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا میں گھبراہٹ کا اظہار ہے اور بتایا ہے کہ کفار مطالبۂ عذاب تو کرتے ہیں۔ مگر حال یہ ہے کہ تکلیف چھوٹی بھی جائے تو گھبرا جاتے ہیں۔ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ میں یہ اسلامی اخلاق سکھائے ہیں کہ کسی سے مدد مانگو تو جدا ہوتے وقت پہلے اجازت لے لو پھر شکریہ ادا کرو پھر جاؤ۔ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ میں بتایا ہے کہ ان کو نظر ہی ایسے آتا ہے (اس لیے نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہیے) لیکن ساتھ یہ نکتہ بھی ہے کہ بعض دفعہ نیت کی درستی کے باوجود سزا دی جاتی ہے کیونکہ بعض دفعہ نیت کا بدلنا اور علم کا حاصل کرنا اپنے ہی اختیار میں ہوتا ہے

[۲۴] یہاں بتلایا گیا ہے کہ عذاب ہمیشہ ظلم کے نتیجہ میں اور نبی کے ہوشیار کر لینے کے بعد آتا ہے۔ (یہ قاعدہ شرعی عذاب کے متعلق ہے طبعی کے متعلق نہیں) اور اس کا پوری امت پر آنا ضروری ہے۔ بعض افراد پر تو خود نبی کی جماعت میں سے اور اس کے وقت میں بھی عذاب آ جاتا ہے۔ شرعی عذاب کی پہچان یوں ہو جاتی ہے۔ کہ مثلاً اس کے متعلق پہلے سے پیشگوئیاں ہوں۔ کئی مصائب ایک وقت جمع ہو جائیں یا قانونِ قدرت میں غیر معمولی انقلاب واقع ہو جائے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

پھران کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں (ان کا) جانشین بنایا - تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو - (۱۵)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

اور جب انہیں ہماری روشن آیات پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہدیتے ہیں کہ (اے محمد) تو اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آ - یا اس میں (ہی کچھ) تغیر (و تبدل) کردے تو (انہیں) کہہ (کہ یہ) میرا کام نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے (کوئی تغیر و تبدیل) کردوں - میں (تو) جو (کچھ) مجھ پر وحی (سے حکم نازل) کیا جاتا ہے (فقط) اسی کی پیروی کرتا ہوں اور اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو (اس صورت میں) میں ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں - (۱۶)

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

(اور تو انہیں) کہہ اگر اللہ (تعالیٰ) کی یہی مشیت ہوتی کہ اسکی جگہ کوئی اور تعلیم دیجاتے - تو میں اسے پڑھکر تمہیں نہ سناتا - اور نہ وہ (ہی) تمہیں اس تعلیم سے آگاہ کرتا - چنانچہ اس سے پہلے میں ایک عرصہ دراز تم میں گذار چکا ہوں کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے - (۱۷)

۱۵؎ ظاہر ہے کہ جن کو قائم مقام بنایا جائے وہ پہلوں سے افضل ہونگے اسلیے یہاں لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ میں ان اعمال کی طرف اشارہ نہیں جو مستحق نعمت بناتے ہیں - بلکہ ان کی طرف ہے جو نعمت کے قیام کے لیے کیئے جاتے ہیں -

۱۶؎ یوں تو دنیا کا ہر ذرہ آیت ہے - اور وہ عقلاً اس پر دلالت کرتا ہے - کہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا ہے لیکن وہ نہیں بتلاتا کہ پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس امر پر دلالت کرے مگر انبیاء کی معرفت آنیوالی آیات کے متعلق پہلے سے بتا دیا جاتا ہے کہ وہ خدا کی ذات کے ثبوت کے طور پر ہیں - اسلیئے وہ آیات بیّنات کہلاتی ہیں - الذین لا یرجون لقاءنا میں اشارہ ہے کہ بعض کے دل صداقت کے لیے نرم ہو گئے تھے - اس لیے ائمۃ الکفر نے یہ چال چلی کہ درمیانی راستہ کی دعوت دی اور کہا کہ لوگوں کی خواہش کے مطابق اور قرآن لے آؤ یا کم از کم بعض مضامین کو بدل دو وہ جانتے تھے کہ یہ تجاویز مانی نہیں جائیں گی - اور عوام کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اس کا جواب یہ دیا کہ (۱) قرآن میرے خیالات نہیں ہیں جو بدل دوں (۲) قرآن خدا کا کلام ہے وہ بہتر جانتا ہے - کہ کونسا علاج بہتر ہے - من تلقاء نفسی میں جو یہ اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ چاہے تو بدل دے اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنی حالت بدل لو تو عذاب کی خبریں خود بخود ٹل جائیں گی - یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو چاہے تو بدل دے کیونکہ اسی مطالبہ کا تو جواب دیا جا رہا ہے الّا ما یوحیٰ الیّ - نبی کا ہر فعل اس طرح وحی کے تابع ہوتا ہے کہ بعض معاملات میں براہ راست وحی ہوتی ہے بعض میں خدا وحی کے ذریعہ ذاتی استنباط اور استخراج کا حکم دیتا ہے - یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن سے متعلق سب باتیں وہ وحی سے کرتا ہے انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

پھر (تم ہی بتاؤ) کہ جو اللہ (تعالیٰ) پر بہتان باندھے یا اس کے نشانات کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔ غرض یقینی (۱۸) بات ہے کہ مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

——— میں بتایا کہ الٰہی تعلیم سے ہٹنا عذاب کی راہ اختیار کرنا ہے۔

۱۷؎ یعنی اگر اسے بدلنا ہی ہوتا تو خدا تعالیٰ پہلے ہی وہ نسخہ کیوں نہ بھیج دیتا۔ جو مناسب تھا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ کیا تم سوچتے نہیں کہ کسی شخص میں بغیر کسی بیماری یا حادثہ کے ایسا تغیر ناممکن ہے کہ یکدم انتہائی نیک سے انتہائی بد ہو جائے۔ میرے دعویٰ سے قبل کے حالات تمہارے سامنے ہیں تم مجھے امین و صدیق سمجھتے تھے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ یکلخت خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگ جاؤں۔ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کے متعلق (۱) ابوجہل جیسے دشمن نے بھی کہا کہ ہم تجھ کو نہیں بلکہ تیری تعلیم کو جھوٹا کہتے ہیں (ترمذی باب التفسیر) (۲) النضر بن حارث مخالفِ اسلام نے ایک دفعہ سا تھیوں کو کہا۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے درمیان جوان ہوا۔ اس کے اخلاق پسندیدہ تھے تم سب سے زیادہ سچا تھا نہایت امین تھا وہ اسی حالت میں رہا یہاں تک کہ تم نے اس کی کنپٹیوں میں سفید بال دیکھ لیے۔ اس وقت جب اس نے اپنی تعلیم پیش کی۔ تم کہنے لگے جھوٹا ہے خدا کی قسم وہ جھوٹا نہیں (شفا۔ قاضی عیاض) (۳) ابوسفیان نے ہرقل کے استفسار پر کہا کہ کیا تم دعویٰ سے قبل اسے جھوٹا سمجھتے تھے؟ کہا نہیں۔ یہ مخالفوں کی رائے تھی۔ خود حضورؐ کی حالت کا قریب سے مشاہدہ کرنے والی بیویاں حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ۔ حضورؐ کے رفیق حضرت ابوبکرؓ اور بھائی حضرت علیؓ کی رائے اس سے بھی بہت بلند تھی مِنْ قَبْلِہٖ میں بتایا۔ کہ دعویٰ نبوت کے بعد کے اعتراض بوجہ مخالفت قابل التفات نہیں جبھی ہرقل نے ابوسفیان سے حضورؐ کے قبل از دعویٰ کے حالات دریافت کئے تھے۔

یہاں اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حضورؐ کا یہ فرمانا کہ تم میرے حالات سے واقف ہو۔ یعنی جانتے ہو کہ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں پھر ایسا کلام کیسے بنا سکتا ہوں؟ درست نہیں کیونکہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ پلے تھے اور وہ پڑھے ہوئے تھے۔ آپ تجارتی کاروبار کرتے تھے اور قرآن میں بھی لکھا ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) حضرت علیؓ اور آپؐ کی عمر میں تیس برس کا فرق ہے اور حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کی پرورش نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ آپؐ کے گھر میں پلے تھے اور ان کا تعلیم پانا آپ کے شوق کا نتیجہ تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کے چچا نے بھی آپؐ کو پڑھایا ہوگا۔ (۲) تجارتی کام تو سارا عرب کرتا تھا مگر وہ لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ دوسرے حضرت خدیجہؓ نے ایک پڑھے لکھے غلام میسرہ کو آنحضرت کے ساتھ کر دیا تھا۔ (۳) اقرأ کے معنے پڑھنے کے ہی نہیں بلکہ دوسرے کی بات کو دہرانے کے بھی ہیں۔ اور حضرت جبرائیل نے جب اقرأ کہا تو کوئی تحریر پیش نہیں کی تھی۔ اس لیے مراد یہی تھا کہ جو میں کہتا ہوں اسے دہراؤ۔ (۴) اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خواندہ تھے تو کیسے ممکن تھا کہ جو لوگ ان کو لکھتے پڑھتے دیکھتے تھے وہ صرف لفظ امی کے استعمال سے دھوکا کھا جائیں۔ دراصل اُمّی کے معنے ماں سے نسبت رکھنے والے یعنی نوزائیدہ بچے کے ہیں اور اسی وجہ سے پاکیزہ کے بھی ہیں۔ انہی معنوں میں آنحضرتؐ کو اُمّی کہا گیا ہے ورنہ یہود عربوں کو امّی (یعنی ان پڑھ) حقارت سے کہتے تھے۔ اسی لیے ان معنوں میں یہ لفظ آنحضرت صلعم کے متعلق آہی کیسے سکتا تھا (۵) کہا جاتا ہے کہ

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ○

اور یہ (لوگ) اللہ (تعالیٰ) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان دیتی ہے اور نہ نفع پہنچاتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبود) اللہ کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ تو انہیں (کہہ دے) کیا تم اللہ (تعالیٰ) کو وہ (بات) بتاتے ہو جسکے متعلق نہ آسمانوں میں (پائے جانیکا) اسے علم ہے اور نہ (ہی) زمین میں (کہیں اسکے وجود کا کوئی پتہ) وہ پاک ہے اور انکے شریک ٹھہرانے سے وہ بالاتر ہے۔ (۱۹)

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○

اور تمام لوگ ایک ہی گروہ (بنے ہوئے) تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف (پیدا) کر لیا اور جو بات تیرے رب کی طرف سے پہلے (بصورت وعدہ) آچکی ہے اگر وہ مانع نہ ہوتی تو جس امر میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اس کے متعلق انکے درمیان کبھی کا فیصلہ صادر کیا جا چکا ہوتا۔ (۲۰)

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ○

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اتارا گیا۔ اسلیے تو (انہیں) کہہ کہ اس (غیب) کی بات کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اسلیے تم اس کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ (۲۱)

ـــــ آنحضرت کا قلم دوات طلب کرنا ثابت ہے مگر اس سے بھی آپکا خواندہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آپ قلم دوات کاتب کے لئے منگواتے تھے۔

۱۸ یہاں بتایا ہے کہ دو قسم کے لوگوں کو ضرور سزا ملتی ہے (۱) جو خود کلام بنا کر اسے خدا کی طرف منسوب کریں (۲) جو خدا کی طرف سے کلام لانیوالے کا مقابلہ کریں۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ایسے لوگ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے (یہ نہیں کہ ان کو کوئی جماعت نہیں ملتی) قرآن میں اکثر افتراء کے ذکر میں کذب کو بطور قید لایا گیا ہے۔ یہ اسلیے کہ اگر کذب صحیح ہو مثلاً کوئی کہے کہ مجھے خدا نے محمد رسول اللہ کی سچائی کی اطلاع دی ہے اب گو حضورؐ واقعی سچے ہیں مگر اسے خدا نے نہ کہا ہو) تو اسے مندرجہ بالا سزا نہیں ملے گی۔ بلکہ عام جھوٹ کی سزا ملے گی۔

۱۹ اَتُنَبِّئُوْنَ میں بتایا کہ کوئی شریک ہوتا تو اس کا اعلان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونا چاہیے تھا مگر اس نے تو اعلان کیا نہیں تم بتلاتے پھرتے ہو سبحانہٗ وہ اس سے پاک ہے کہ انسان کو اپنے وصل کے لیے پیدا کر کے پھر خود اس مقصد کی راہ میں روڑے اٹکائے۔

۲۰ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے یہ مراد ہے کہ (۱) ہم نے ابتداءً سب کو ایک راہ پر چلایا تھا یعنی سب کی فطرت میں ہدایت کا مادہ رکھا تھا (۲) لوگ ہمیشہ انبیاء کے ذریعہ ایک طریق پر قائم کئے جاتے ہیں مگر پھر اختلاف کر بیٹھتے ہیں (۳) لوگ ہمیشہ ایک (مخالفت کی) ہی راہ اختیار کرتے ہیں اگر ہمارا یہ وعدہ نہ ہوتا کہ ہمارا رحم ہر چیز پر غالب رہیگا تو اس جرم کی وجہ سے ان کا فیصلہ کر دیتے۔

۲۱ یہ سورۃ شروع ہی تلک اٰیٰت الکتاب سے ہوئی ہے پھر بھی کفار کا یہ مطالبہ بتاتا ہے کہ آیت ہر کسی کو نظر نہیں آتی اس کے لیے خشیت اللہ کی آنکھ چاہئے۔ جب بغیر تشریح کے کفار کی طرف سے آیت کا مطالبہ ہو تو مطلب عذاب ہوتا ہے۔ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ میں بتایا

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا ۚ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ٥

اور جب لوگوں کو کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی ہو ہم کسی (قدر اپنی) رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو جھٹ ہمارے نشانوں کے متعلق ان کی طرف سے کوئی (نہ کوئی مخالفانہ) تدبیر ہونے لگتی ہے۔ تو (انہیں) کہہ کہ (اس کے مقابل پر) اللہ کی تدبیر اس سے کہیں (زیادہ جلد کارگر ہوا کرتی) ہے اور (تم جو تدابیر بھی کرتے ہو ہمارے فرستادے اسے لکھتے رہتے ہیں۔ (۲۲)

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتّٰىٓ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ أُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥

وہ (خدائے کریم) وہی ہے کہ جو تمہیں (توفیق دیکر) خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ یہانتک کہ جب تم (لوگ) کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ عمدہ ہوا کے ذریعہ سے ان (لوگوں) کو (بھی) لیکر چل رہی ہوتی ہیں اور وہ ان پر اترا رہے ہوتے ہیں تو ان پر ایک (تند) تیز ہوا آجاتی ہے اور ہر طرف سے موج (پر موج) ان پر (چڑھی) آتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (اب) وہ ہلاکت (کے منہ) میں آگئے ہیں تو (ایسے وقت میں) وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے لیے (اپنی) اطاعت کو خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں (اور یہ) دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دی تو ہم ضرور ہی (تیرے) شکرگذاروں (کے زمرہ) میں داخل ہو جائیں گے۔ (۲۳)

——— کہ پیشگوئیوں میں وقت کی تعیین ضروری نہیں ہوتی۔ انّی معکم مّن المنتظرین یعنی عذاب میں دیر ہونے سے گھبرانا تو مجھے چاہیئے۔ جو ظلموں کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ مگر گھبرا تم رہے ہو۔

۲۲ؐ پہلے بتلایا تھا کہ ہمارا رحم ہر چیز پر غالب ہے۔ اس لئے ہم رحم ہی کرتے ہیں پھر گو لوگ عذاب مانگیں تو بھی ہم فوراً عذاب نہیں بھیجتے۔ انتظار کرتے ہیں۔ اب بتلایا کہ ہم عذاب بھیجتے بھی ہیں تو وقفوں سے۔ تا جنہوں نے سمجھنا ہو، سمجھ جائیں۔ اس لئے یہ اعتراض نہ کرو کہ عذاب کیوں نہیں آتا۔ کیونکہ عذاب تو آچکا ہے۔ اب جو وقفہ ہے یہ خدا کی سنّت کے مطابق ہے۔ یہاں رحمت کو خدا تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ضرّاء کو نہیں کیونکہ تکالیف انسانی اعمال کے نتیجہ میں آتی ہیں۔

إِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا۔ یعنی ہم ان پر احسان کرتے ہیں (مثلاً مال دیتے ہیں) مگر وہ الٹا اسے ہمارے خلاف استعمال کرنے لگتے ہیں۔

۲۳ؐ اس آیت میں بتلایا کہ ایک طرف سزا اور فضل کا سلسلہ برابر چلتا ہے۔ دوسری طرف آرام پہنچنے پر شرارت اور سزا ملنے پر ناقص رجوع بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر لوگ یہ خیال نہیں کرتے۔ کہ جیسے نرم ہوا کبھی سخت ہو کر موجب ہلاکت ہو جاتی ہے یہی حال فضلوں کا ہو سکتا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر جب وہ انہیں (اس سے) نجات دے کر خشکی پر پہنچاتا ہے تو جھٹ وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں (اے لوگو!) تمہاری بغاوت تو اپنی جانوں کے خلاف ہے۔ اس ورلی زندگی کے عارضی سامان (سے فائدہ اٹھالو) پھر ہماری طرف تمہاری واپسی ہوگی۔ تب (جو کچھ کہ) تم کرتے رہے ہوگے۔ ہم (۲۴) اس سے تمہیں آگاہ کریں گے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۲۵)

اس ورلی زندگی کی حالت تو اس پانی کی طرح ہے جسے ہم نے بادل سے برسایا پھر اس کے ساتھ زمین کی (روئیدگی جسے آدمی اور (نیز) چارپائے کھاتے ہیں مل کر یکجان ہوگئی یہاں تک کہ جب زمین نے (اسکے ذریعہ سے) اپنی کمال درجہ کی زینت کو پالیا اور خوبصورت ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ (اب) وہ اس پر قابو یافتہ ہیں تو اس پر دن کو یا رات کو (عذاب کے متعلق) ہمارا حکم آگیا اور ہم نے اسے ایسا کر دیا کہ گویا وہ ایک کٹا ہوا کھیت ہے گویا کل (یہاں کچھ تھا ہی نہیں غرض جو لوگ سوچ سے کام لیتے ہیں ان کیلئے ہم اسی طرح اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۶)

اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے پسند کرتا ہے (اسے) ایک سیدھی راہ پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔

---

۲۴ یہاں بتلایا ہے کہ احکام شریعت چٹی نہیں ہیں وہ تو انسان کے فائدہ کے لیے ہیں پس جو اُن سے بچتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے۔ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ میں یہی اشارہ ہے کہ شریعت رحمت ہے لعنت نہیں مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں بتایا کہ احکام شریعت توڑ کر بعض لوگ دنیوی ترقی کر لیتے ہیں مگر یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیمار بد پرہیزی میں لطف محسوس کرتا ہے مگر بعد میں نقصان اٹھاتا ہے فرمایا دنیوی اعمال تو متاع یعنی زادِ راہ ہیں انہیں آخرت میں استعمال کرنے کی بجائے دنیا میں ضائع کردو تو نقصان لازمی ہے۔

۲۵ فرمایا سبزیاں تو پانی سے اگتی ہیں جو آسمان سے آتا ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کے اگانے پر قادر ہیں حالانکہ وہ ان کو تباہی سے بھی نہیں بچا سکتے۔ اسی طرح جب کلام الٰہی نازل ہوتا ہے تو دنیا میں تغیر ہونے لگتا ہے اور علوم پھیل جاتے ہیں مگر جب لوگ سمجھنے لگتے ہیں انّھم قٰدرون علیھا تو عذاب آجاتا ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو گذشتہ حالات کے تسلسل کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

۲۶ سلام کے ایک معنے اطاعت کے بھی ہیں اور جنت کے بھی جنت خدا کا بھی نام ہے۔ اسلیے مطلب یہ ہوا کہ اُسے فرمانبرداری کے مقام پر کھڑا کر دیتا ہے جنت دیتا ہی اور اپنی لقا نصیب فرماتا ہی یھدی من یشآء الی صراط مستقیم یعنی جسے چاہتا ہے جلد

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نیکوکاری اختیار کی بہترین انجام ہوگا اور (اس پر مزید انعامات بھی) اور ان کے چہروں پر نہ غبار چھائیگا اور نہ ذلت (کے آثار ہوں گے) یہ لوگ جنت (میں رہنے) والے ہیں۔ وہ اس میں رہا کریں گے۔ (۲۷)

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

اور جنہوں نے بدیاں کی ہوں گی (ان کے لئے) بدی کا بدلہ اسی کے برابر ہوگا اور انہیں ذلت پہنچے گی اور کوئی بھی انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچانیوالا نہیں ہوگا (اور ان کی حالت ایسی ہوگی) گویا ان کے مونہوں پر رات کے کئی (کٹی) تاریک حصے ڈالدیئے گئے ہیں یہ لوگ آگ (میں رہنے) والے ہیں وہ اس میں رہا کریں گے۔ (۲۸)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○

اور (اے لوگو! اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ان سب کو جمع کرینگے پھر جنہوں نے شرک کیا ہوگا، انہیں ہم کہیں گے (کہ) پرے ہٹ کر اپنی جگہ پر کھڑے رہو تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے خدائی کے حصہ دار بھی) پھر ہم ان میں آپس میں (کبھی) جدائی ڈال دینگے۔ اور ان کے (بنائے ہوئے خدا کے) شریک (انہیں) کہیں گے (کہ) تم ہماری عبادت (ذرہ) ہرگز نہیں کرتے تھے۔ (۲۹)

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○

پس تمہارے درمیان اور ہمارے درمیان (خود) اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے ہم تمہاری پرستش سے یقیناً یقیناً بے خبر تھے۔ (۳۰)

ــــــ سے جلد کامیاب کر دیتا ہے کیونکہ سیدھا راستہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔

۲۷ الْحُسْنٰى: ان کا انجام نیک ہوگا۔ ان میں چستی و ہوشیاری پیدا کر دی جائیگی۔ وَزِيَادَةٌ یعنی خود خدا ان کو مل جائے گا۔

۲۸ یہاں بتایا ہے کہ (۱) بدی کی سزا بدی سے زیادہ نہیں ملتی (۲) الٰہی قانون توڑنے والے اعلیٰ ہمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ (۳) ایسی حالت سے وہ خود تو اٹھ نہیں سکتے اور چونکہ خدا تعالےٰ کو ناراض کر لیتے ہیں۔ بیرونی مدد سے بھی محروم ہو جاتے ہیں (۴) ظلم چھپا نہیں رہتا۔ بلکہ چہروں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

۲۹ اگلی آیت سے ثابت ہے کہ یہاں وہ شرکاء مراد ہیں جنہیں ان کے علم کے بغیر بھی لوگوں نے شریک ٹھہرا لیا ہے اپنے تئیں شریک ٹھہرانے والوں کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ خود مشرک ہیں۔ ان کے معبود کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ یعنی گو بظاہر کرتے تھے۔ مگر وہ دراصل نفس پرستی تھی۔ مَكَانَكُمْ کے حکم کے بعد فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ فرما کر بتایا کہ پہلے مشرکوں کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کا موقعہ دیا جائیگا۔ جب وہ بے دلیل رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو جنہیں معبود بنایا جاتا ہے۔ بری قرار دے کر الگ کر دیگا۔

۳۰ یہ آیت وفات مسیح بھی ثابت کرتی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح قیامت کے دن ان لوگوں کے اعمال سے ناواقف ہونگے جو ان کو شریک [illegible]

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

(تب) وہاں ہر ایک شخص جو کچھ اس نے (اپنے لیے) بویا ہوگا اس کا امتحان کریگا اور انہیں ان کے سچے مالک (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹا کر لایا جائیگا۔ اور جو کچھ وہ (اپنے پاس سے) گھڑتے تھے (سب) انہیں بھول جائے گا۔ (۳۱)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

تو انہیں کہہ (کہ) بتاؤ آسمان اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے۔ یا (یہ کہ) کانوں اور آنکھوں پر کون قابو رکھتا ہے۔ اور کون ایک مردہ (چیز) میں سے زندہ (چیز) نکالتا۔ اور زندہ (چیز) میں سے مردہ (چیز) نکالتا ہے اور کون (اس) تمام امر کا انتظام کرتا ہے۔ اس پر وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ (تعالیٰ کرتا ہی) تب انہیں کہہ کہ کیا وجہ ہے کہ پھر بھی تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟ (۳۲)

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

پس وہ اللہ (تعالیٰ ہی کی ہستی) ہے جو ایسا کرتی ہے اور وہی تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے پھر کس طرح تم اور اور طرف پھیرے جا رہے ہو۔ (۳۳)

ع

---

۳۱ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اشیاء کی حقیقت بالکل اور بعض کی پورے طور پر اگلے جہان ہی میں کھلے گی۔ ضَلَّ عَنْهُمْ ۔ یعنی (۱) جب ان کو اپنا قصور معلوم ہو جائے گا تو وہ اپنے اعمال بھلانے کی کوشش کرینگے (۲) ان اعمال کا ان کو فائدہ نہیں ہوگا۔

۳۲ یہاں بتلایا کہ جیسے پانی بغیر زمین میں طاقت ہونے کے یا زمین بغیر پانی کے کچھ اگا نہیں سکتی اسی طرح خالی عقل روحانی ہدایت کے لیے ناکافی ہے الہام کی بارش کا ساتھ ہونا ضروری ہے پھر فرمایا کہ جب آنکھوں اور کانوں کا خالق بھی خدا ہی ہے اور ہدایت دینا بھی اسی کا کام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کان اور آنکھیں تو پیدا کرے لیکن جو کام ان سے لینا ہے اس کا انتظام نہ کرے پھر جاننا چاہیئے کہ جب بظاہر مردہ چیزوں سے زندگی نکلتی رہتی ہے (جیسے کھاد سے کھیتی نکلتی ہے) تو مردہ دلوں سے روحانی زندگی کا چشمہ پھوٹنا کیوں ممکن نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے کیسے فوراً عذاب بھیج کر سب کو تباہ کر دے۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ جب کام کو چلانا خدا کے ذمہ ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ خود اس مشین کو تباہ کر دے جسے اس نے چلایا ہے۔ رزق حیات کا ذریعہ ہے کان اور آنکھ عقل اور احساس کا حیات و ممات قوت عملیہ پر دلالت کرتے ہیں اور عقل کے لیے تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے اسلیے ان کے ذکر میں اشارہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ حیات، احساس قوت عملیہ اور اعمال کیلئے نظام پیدا کرے اور پھر انسان کو چھوڑ کر الگ ہو جائے۔ نیز یہ کہ جب شروع سے یہ کام خدا تعالیٰ کر رہا ہے۔ تو اب ان میں سے کسی کو معبودانِ باطلہ کی طرف منسوب کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۳۳ رب کی صفت الحق بیان کر کے بتلایا کہ بعض رب ناقص ربوبیت کرنے والے ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی ربوبیت کامل ہوتی ہے اس لئے اس طرح درجہ بدرجہ ترقی دینے والے رب کو چھوڑ کر دوسروں کو اختیار کرنا گویا ہلاکت کی طرف جانا ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اس طرح جن لوگوں نے فسق اختیار کیا ہے ان پر تیرے (۳۴) رب کا فرمودہ پورا ہوا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

تو انہیں کہہ کہ کیا تمہارے (قرار دادہ) شریکوں میں سے کوئی (بھی ایسا) ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہو (اور) پھر اس پیدائش کو دُہراتا ہو۔ تو انہیں کہہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو پہلی بار پیدا کرتا ہے (۳۵) اور پھر اس پیدائش کو دہراتا ہے پھر تمہیں کس طرف پھرایا جا رہا ہے

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝

تو ان سے یہ بھی کہہ کہ کیا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو حق کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہو (اور) وہ تو اس سوال کا کیا جواب دینگے۔ تو خود ہی ان سے کہہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو حق کیطرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے پس کیا وہ خدا جو حق کیطرف رہنمائی کرتا ہے اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسکے احکام کی پیروی کیجائے یا وہ (فرضی خدا) جو کہ سوائے اس صورت کے کہ اسے (ہدایت کا) رستہ دکھایا جائے خود بھی (۳۶) راہ نہیں پاتا۔ پھر تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور ان میں سے اکثر (اپنے) وہم کے سوا (اور کسی چیز کی) پیروی نہیں کرتے۔ حالانکہ وہم حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دیتا۔ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ یقیناً (۳۷) خوب جانتا ہے۔

---

۳۴ یہاں عام قاعدہ بیان فرمایا کہ جو بھی اطاعت سے نکلے گا۔ وہ بدی میں ترقی کرے گا۔ یہ نہیں، کہ خدا تعالیٰ بعض کو ترقی سے محروم کر دیتا ہے۔

۳۵ فرمایا خلق کا ثبوت اعادہ سے ملتا ہے ورنہ ہر کوئی خالقیت کا دعویٰ کر سکتا ہے اعادہ میں اوّل خود ہی امتحان ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ ازلی قانون کو بھی بتاتا ہے یہاں یہ اشارہ ہے کہ جب خدا نے ہی شروع میں پیدا کیا اور وہی پیدائش کا اعادہ کر رہا ہے کوئی اور نہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک دفعہ ہدایت دیکر بعد میں آنے والوں کو اس سے محروم کر دے۔

۳۶ یعنی جب ایک ہدایت نامہ بھی معبودان باطلہ کی طرف سے نہیں آیا اور اس کا جھوٹے طور پر بھی عذر نہیں کیا گیا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آنے کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ من یھدی الی الحق سے انبیاء بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

۳۷ ظن کے معنے شک۔ غالب اور یقین کے ہیں۔ یہاں شک کے معنوں میں آیا ہے۔ کیونکہ دلائل پر مبنی غالب گمان حق سے ٹکرایا نہیں کرتا یہاں بتلایا ہے کہ اکثر لوگ بدنیت نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے اوہام کا شکار ہوتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

اور اس قرآن کا اللہ تعالیٰ کے سوا (کسی اور) کی طرف سے جھوٹے طور پر بنا لیا جانا (ممکن ہی) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ (تو) اس کلام الٰہی کی تصدیق (کرتا) ہے جو اس کے سامنے موجود ہے اور کتاب (الٰہی) کی تفصیل بیان کرتا ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے۔ (۳۸) (اور یہ) تمام جہانوں کے رب کی طرف سے (نازل شدہ) ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے، تو انہیں کہہ کہ اگر تم (اس بیان میں) سچے ہو تو اس جیسی کوئی ایک (ہی) سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کو بھی (۳۹) بلانے کی تمہیں طاقت ہو اپنی مدد کے لیے بلا لو۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۞

(مگر ان کا یہ خیال درست نہیں) بلکہ حقیقت میں انہوں نے (ایک) ایسی چیز کو جھٹلا دیا ہے جس کا انہوں نے پورا علم حاصل ہی نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی ابھی اس کی حقیقت ان پر ظاہر ہوئی تھی جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا پھر (۴۰) دیکھ کہ ان ظالموں کا کیا انجام ہوا تھا۔

۳۸؎ پہلے بتلایا جا رہا تھا۔ کہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے کلام بھیجے اور یہ کہ اور کسی میں ایسا کرنے کی طاقت نہیں۔ یہاں قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے پانچ ثبوت دیئے۔ (۱) ھٰذا کے لفظ سے بتلایا کہ ایسے مضامین والا قرآن خدا کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا یعنی اس میں ایسے علوم اور امور غیبیہ ہیں جو صرف خدا کو معلوم ہیں (۲) پہلے انبیاء کے کلام میں قرآن کے متعلق پیشگوئیاں ہیں اور یہ ان کی تصدیق کرتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن پہلی کتب کو انسانی دستبرد سے پاک قرار دیتا ہے بلکہ یہ ہے کہ ان میں جو پیشگوئیاں قرآن کے متعلق ہیں اگر اسے نہ مانا جائے تو وہ بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہیں (۳) قرآن پہلی کتب کی تفصیل کرتا ہے۔ پہلی کتب توحید، صفات باری، وحی، نبوت، حیات بعد الموت۔ امور اخلاق وغیرہ کسی مسئلہ کو بھی واضح نہیں کرتیں۔ قرآن ہی سے انہیں حل کرنا پڑتا ہے (۴) اس میں شک کی گنجائش نہیں یعنی اپنے دعویٰ کے دلائل ساتھ ساتھ دیتا ہے بعض جگہ صرف عقلی دلیل کافی نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ضروری ہوتا ہے قرآن یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اس کے پیرو الہام الٰہی پائیں گے اور پھر عملاً ایسا کر کے بھی دکھا دیتا ہے (۵) یہ رب العالمین کی طرف سے ہے یعنی اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی صفت رب العالمین ظاہر ہوتی ہے اور اس میں تمام زمانوں اور تمام اقوام کا خیال رکھا گیا ہے۔

۳۹؎ فرمایا اگر ان خوبیوں والا کلام افترا ہو سکتا ہے تو کیوں تم بھی ایسا کلام نہیں بنا لیتے۔ فاتوا بسورۃ مثلہ میں سارا قرآن مراد نہیں بلکہ ادنیٰ کہ آیت مراد اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ مندرجہ بالا خوبیاں کوئی ایک سورۃ یعنی علامت ہی کسی انسانی کلام میں دکھا دو۔

۴۰؎ یعنی جب وہ بات سمجھتے نہیں تو اسے غلط قرار دے دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہونے کی دلیل نہیں ولما یاتہم تاویلہ

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور تیرا (۴۱) رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْۗـــــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو (انہیں) کہہ کہ میرا کیا خود میرے لیے (مفید یا مضر) ہوگا۔ اور تمہارا کیا تمہارے لیے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری (الذمہ) ہو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے میں (۴۲) بری (الذمہ) ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور ان لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف (ہر وقت) کان رکھتے ہیں۔ تو پھر کیا تو ایسے بہروں کو اگرچہ وہ (۴۳) عقل سے کام ہی نہ لیتے ہوں (اپنی بات) سنوا لے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تیری طرف (نظریں گاڑ کر دیکھتے) رہتے ہیں تو پھر کیا تو ان اندھوں کی اگرچہ وہ بصیرت بھی نہ رکھتے (۴۴) ہوں راہنمائی کر لے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَـيْــــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کی شان یقیناً ایسی ہے کہ وہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ (۴۵) لیکن لوگ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کرتے ہیں۔

—— یعنی ابھی وعید پورے نہیں ہوئے۔ اگر وہ ثابت شدہ حقائق سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور بعض خاص امور کو اہمیت دیتے ہیں۔ تو پھر ان کی حقیقت کے اظہار تک انتظار بھی کرنا چاہیئے۔ یاد رہے یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ علم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ حاصل نہیں ہوا۔ یعنی حصول کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

۴۱ ڈھیل دینے کی وجہ بتائی کہ ان میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں چنانچہ خالدؓ بن ولید۔ عمروؓ بن عاص اور عکرمہؓ جیسے بطل اسلام اسی ڈھیل کا ثمرہ ہیں۔

۴۲ پہلی آیت میں جو اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْن فرمایا تھا۔ اس کی طرف اشارہ ہے فرماتا ہے بے شک اختلاف ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ زبردستی اپنی بات منوانے کی کوشش کرنے لگو کیونکہ جب اختلاف ہے تو ایک کا عمل دوسرے کی بدنامی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اپنی جماعت کے افراد پر ایک حد تک جبر جائز ہے۔

۴۳ مخالفین کے انکار کی وجہ بتلائی کہ وہ بات سمجھنے کیلئے نہیں اعتراض کرنے کے لیے سنتے ہیں گویا ان کی حالت بیوقوف بہرہ کی سی ہے جسے اشارۃً بھی سمجھایا نہیں جا سکتا۔

۴۴ جیسے اوپر بہرہ قرار دے کر عقل کی نفی کی تھی۔ یہاں لَا یُبْصِرُوْن کہکر بصیرت کی نفی کی ہے۔ بصارت کی نفی اندھے کے لفظ میں آ چکی ہے

۴۵ فرمایا ہم جنہوں نے نبی بھیجا ہے انہیں ہدایت کا موقعہ دے رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان پر ظلم ہو مگر یہ خود اپنے پر ظلم کر کے عذاب کے طالب ہوتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

اور جس دن وہ انہیں ایسی حالت میں جمع کرے گا کہ وہ محسوس (کرتے ہونگے) کہ گویا وہ دن کی ایک ساعت کے سوا دنیا میں نہیں رہے تھے اس دن وہ ایک دوسرے کی حالت کو معلوم کرلینگے (یاد رکھو) کہ جن لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے حضور پیش ہونے کے وعدہ کو جھٹلایا اور وہ ہدایت کو قبول کرنیوالے نہیں تھے انہوں نے نقصان ہی اٹھایا (۴۶)

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور جس عذاب کے بھیجنے کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں اگر ہم اس کا کوئی حصہ تیرے سامنے بھیجکر تجھے دکھا دیں تو تو بھی انکا انجام دیکھ لیگا اور اگر ہم اس گھڑی سے پہلے تجھے وفات دیدیں تو تجھے مابعدالموت اسکی حقیقت معلوم ہوجائیگی کیونکہ بہرحال انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے پھر یہ بات بھی تو ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں ... (۴۷)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور ہر ایک قوم کے لئے ایک نہ ایک رسول کا آنا ضروری ہوتا ہے پس جب ان کا رسول آتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ (۴۸)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں (کہ) اگر تم لوگ سچے ہو تو یہ موعود عذاب کب آئے گا۔ (۴۹)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

تو انہیں کہہ کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سوا خود اپنے حق میں بھی نہ کسی نقصان پر قابو رکھتا ہوں اور نہ کسی نفع پر ہاں یہ درست ہے کہ ہر ایک قوم کے مستوجب عذاب قرار پانے کیلئے ایک میعاد مقرر ہوتی ہے اور جب وہ آجاتی ہے تو اس سے وہ نہ کوئی گھڑی بھر اس سے پیچھے رہ کر اس سے بچ سکتے ہیں ... (۵۰)

ٹ کذبوا بلقاء اللہ میں بتایا کہ وہ خوف رکھتے پھر بھی لقاء کی یاد سے ڈرتے اور محبت رکھتے تو بھی اطاعت میں ترقی کرتے تنزل کی وجہ یہی ہے کہ نہ خوف رکھتے تھے نہ امید۔ ساعۃ من النہار۔ نہار کام کا وقت ہوتا ہے چونکہ کفار اس کا اکثر حصہ غفلت میں گزار دیتے ہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ دن کا قلیل حصہ دنیا میں رہے یتعارفون بینھم یعنی ایک دوسرے کی حقیقت سے آگاہ ہوجائینگے۔

ٹ نعدھم تک ایک جملہ ہے او نتوفینک دوسرا۔ نعدھم میں وعیدی پیشگوئیاں مراد ہیں کیونکہ کفار سے انعامات کا وعدہ نہیں تھا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) پیشگوئیاں مشروط بھی ہوتی ہیں کیونکہ فرماتا ہے ہم ایسا کرینگے یا ایسا (۲) الٰہی سنت ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ بعض دفعہ وعیدی پیشگوئیاں ٹلا بھی دیتا ہے گو اصولی وعدے اور وعید ٹلا نہیں کرتے۔

ٹ یہاں یہ بتلایا ہے کہ کوئی امت بغیر رسول کے نہیں ہوئی یہ نہیں کہ امت میں ایک ہی رسول آتا ہے یعنی نہ ہر نبی کے وجود پر نہ کہ تعداد پر قضی بینھم بالقسط میں یہ اشارہ ہے کہ جو قابل ہو انبیاء کی جماعت میں شامل کرلیا جاتا ہے دوسرا الگ کردیا جاتا ہے

ٹ ۴۹ اوپر عذاب میں ڈھیل کی وجوہ بیان ہوئی ہیں پھر بھی کافر عذاب کے مطالبہ سے ٹلتے نہیں۔

ٹ ۵۰ یہ اور ایسی دوسری آیات وضاحت سے ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کا مقصد قیام توحید ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے برابر

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

تو انہیں کہہ کہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اگر اس کا عذاب رات کو دفعتًہ یا دن کو تمہارے دیکھتے دیکھتے تم پر آجائے تو مجرم لوگ اس سے کیونکر (۵۱) بھاگ سکیں گے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

کیا پھر بعد میں یعنی جب وہ آجائیگا تو اس وقت تم اس پر ایمان لاؤ گے اسکا کچھ فائدہ (۵۲) نہیں ہوگا اسوقت تو تم سے کہا جائیگا کیا اب تم ایمان لاتے ہو حالانکہ اسکے فوری طلب گار تھے

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

پھر جن لوگوں نے ظلم کیا ہوگا۔ انہیں کہا جائیگا کہ اب تم قائم رہنے والا عذاب پاؤ۔ تمہیں بدلہ میں اس کے سوا جو تم ہی کماتے تھے (۵۳) کچھ نہیں دیا جاتا۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

اور وہ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب سچ مچ واقع ہوگا تو انہیں کہہ کہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ وہ یقینًا واقع ہونیوالا ہے (۵۴) اور تم ایسا کرنے سے خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور اگر ایسا ہوتا کہ جو کچھ زمین میں پایا جاتا ہے وہ سب کا سب ہر ایسے شخص کا ہوتا جس نے ظلم کیا ہے تو وہ ضرور اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو عذاب سے چھڑاتا۔ اور جب وہ اس عذاب کو دیکھینگے تو وہ اپنی شرمندگی کو چھپائیں گے اور انکے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائیگا۔ (۵۵) اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

——— کسی اور کو کھڑا نہیں کرتا۔ فرمایا کہہ دے کہ میں تو اپنے نفس کے نفع و نقصان پر بھی قادر نہیں پھر عذاب از خود کیسے لا سکتا ہوں لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ سے کفر کی امت مراد ہے اور بتایا ہے کہ گو مجھ میں طاقت نہیں مگر خدا تعالیٰ میں ہے اس لئے تم اپنے کردار کی وجہ سے مورد عذاب ہو گے۔

۵۱ یعنی یہ بحث نہ کرو کہ عذاب آج آتا ہے یا کل یہ دیکھو کہ تم اسکے مستحق ہو یا نہیں اگر ہو تو عذاب ضرور آئیگا اور آج یا کل میں فرق نہیں پڑیگا۔ بیاتًا او نهارًا میں اہل مکہ کی تباہی کی طرف اشارہ تھا ان پر بدر کے موقع پر دن کے وقت اور جنگ احزاب کے موقع پر رات کو عذاب آیا۔

۵۲ یعنی نشان تو فائدہ کیلئے ہوتا ہے تم جو عذاب مانگتے ہو کیا اس وقت ایمان لاؤ گے اس وقت کا ایمان فائدہ نہیں دیتا۔

۵۳ خلد کے معنے ہمیشہ کے بھی ہیں عذاب خلد کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی ہٹے گا نہیں بلکہ یہ کہ جب آئیگا تو اسے رد نہ کیا جا سکے گا جیسے صاحب خانہ کو نہیں کہہ سکتے کہ تمہارے لیے یہاں گنجائش نہیں۔ (خلد کے بعد بالمکان آئے تو اس کے معنے ہیں فلاں مکان میں ٹھہرا)

۵۴ ربی کے لفظ سے بتایا کہ خدا تعالیٰ مجھے آہستہ آہستہ ترقی دے رہا ہے اور تمہارا زور توڑ رہا ہے اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ تم ایک دن ضرور تباہ ہو جاؤ گے۔

۵۵ یہاں بتلایا ہے کہ الٰہی سزا کے مقابلہ پر کسی کا تکبر کرنا باقی نہیں رہتا۔ یعنی اس سے ظاہر ہی نہیں بلکہ دل بھی مرعوب

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

سنو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پایا جاتا ہے وہ سب کا سب یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سنو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے۔ مگر ان میں سے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔ (۵۶)

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ (۵۷)

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یقیناً ایک ایسی کتاب (جو سراسر نصیحت ہے) اور (جو) ہر اس بیماری کیلئے جو سینوں میں (پائی) (جاتی ہو شفا کا سامان ہے) اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت (بن کر) آئی ہے۔ (۵۸)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۗ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

تو ان سے کہہ (کہ یہ سب) کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے وابستہ ہے پس اسی پر انہیں خوشی منانا چاہیئے۔ جو مال وہ جمع کر رہے ہیں اس سے یہ نعمت کہیں (زیادہ بہتر) ہے۔ (۵۹)

—— ہو جاتے ہیں اور انسان ہر قیمت پر اس سے بچنا چاہتا ہے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ مخالفین دین کا کوئی بلند مقصد نہیں ہوتا جبھی تکالیف آنے پر وہ ہر چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

۵۶؎ یہاں بتایا ہے کہ مخالفین تو ذرا سی تکلیف پر اپنا مقصد چھوڑ دیتے ہیں مگر انبیاء چونکہ اس خدا کی طرف سے آتے ہیں جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے اس لیے وہ کسی قیمت پر اپنا مقصد نہیں چھوڑتے۔

۵۷؎ اس میں اشارہ ہے کہ جب زندگی اور موت خدا ہی کے ہاتھ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے مقابلہ پر دشمنوں ہی کو موت دے گا۔

۵۸؎ یہاں بتلایا ہے کہ نبی کریم صلعم کی کامیابی کا راز فوجوں اور مال میں نہیں بلکہ قرآن کے کمالات میں ہے کیونکہ (۱) یہ موعظہ ہے یعنی اس میں لوگوں کے فائدہ کی باتیں ہیں جو اخلاص سے پُر ہیں۔ دل کو نرم کرتی اور کامیابی کے گُر بتاتی ہیں اور وہ بھی دل کو موہ لینے کے طریق پر (۲) اس میں دلی شبہات کے لیے شفا ہے (۳) وہ شبہات ہی دور نہیں کرتا بلکہ علمی ایمان کو ہدایت دے کر مشاہدہ کی صورت میں بدل دیتا ہے۔ (۴) مادی ترقیات پر نگاہ رکھنے والوں کیلئے اس کے ساتھ خدا کے خاص فضل بھی وابستہ ہیں۔ لما فی الصدور۔ تجربہ کاروں کا مشاہدہ ہے کہ روح کا دل سے گہرا تعلق ہے گو اس کا علم مادیات سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر غذا کا اثر خون کے ذریعہ دماغ پر بھی پڑتا ہے اس لحاظ سے بھی دل خیالات کا ایک منبع ہے۔ اسی لیے طیبات کے استعمال کا حکم ہے۔

۵۹؎ فرمایا یہ مندرجہ بالا انعام صرف فضل الٰہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ هُوَ خَيْرٌ کا اشارہ فضلوں کے علاوہ قرآن کریم کی طرف بھی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن تمہارے اموال سے بہت بڑھ کر ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ٥

(قرآن سے) کہہ کہ کیا تم نے اس بات کو بھی کبھی سوچ کر دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارا پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرا دیا۔[۶۰] (قرآن سے) کہہ (کہ) کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو۔ (۶۰)

وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ٥ ع

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کے دن کے متعلق کیا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر یقیناً بہت ہی بڑے انعام کرنے والا ہے مگر ان میں سے اکثر (لوگ) شکر نہیں کرتے۔ (۶۱)

وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ٥

اور تو نہ (کبھی) کسی کام میں (مشغول) ہوتا ہے۔ اور نہ تو اس (کتاب) میں سے کوئی حصہ قرآن پڑھتا ہے اور (اے لوگو) نہ ہی تم (لوگ) کوئی (اور) کام کرتے ہو مگر اس حال میں کہ جب تم اس میں تیزی سے مشغول ہوتے ہو تو ہم تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور زمین یا آسمان میں کوئی (ایک) ذرہ بھر چیز (بھی) (تیرے رب کی) نظر سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی (کوئی اور ذرہ سے) چھوٹی چیز ہے اور نہ ہی اس سے کوئی بڑی چیز ہے جو (ہر) ایک حقیقت کو روشن کر دینے والی ایک کتاب میں (مذکور) اور (موجود) نہ ہو۔ (۶۲)

[۶۰] قرآن نے شبہات کو دور کرنے کی ایک مثال دی ہے کہ خوراک انسان کی پہلی ضرورت ہے اس کے متعلق کسی اور مذہب نے رہنمائی نہیں کی لوگوں نے جسے چاہا حرام یا حلال بنا لیا۔ حالانکہ طبی اخلاقی یا روحانی نقائص پیدا کرنے کی وجہ سے کسی چیز کو حرام قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ باتیں خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ اسلام کسی بھی مفید چیز سے نہیں روکتا۔ پھر مخالفت کی کیا وجہ ہے۔

[۶۱] یہاں ان کے مذہب کے خلاف عقل ہونے کی دوسری دلیل دی کہ جب گناہگار فطرت عذاب سے کانپتی ہے تو اس کا انکار ہی کر دیتی ہے حالانکہ انکار اس کو سزا سے بچا نہیں سکتا۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ قیامت تو ترقیات کے لیے ہے اس کا مقصد دکھ دینا نہیں۔ جیسے امتحان کا مقصد پاس کرنا ہوتا ہے نہ کہ فیل کرنا۔

[۶۲] پہلے حصہ آیت میں حضرت نبی کریم صلعم اور مؤمنین مخاطب ہیں اور ولا تعملون میں مخالف۔ علیکم شہودًا کہہ کر بتایا کہ صرف عمل اور ظاہری ایمان کافی نہیں صحت نیت بھی ضروری ہے۔ چونکہ بعض چیزیں

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

سنو جو لوگ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھنے والے ہیں ان پر نہ کوئی خوف مستولی ہوگا اور نہ وہ غمگین رہتے ہیں۔ (۶۳)
(یعنی وہ لوگ) جو ایمان لائے اور تقوےٰ کو ہمیشہ لازم حال رکھتے تھے۔ (۶۴)

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ان کیلئے اس ورلی زندگی میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت پانے کا انعام مقرر ہے اور بعد والی زندگی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کی فرمودہ باتوں میں (قطعاً) کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی وہ کامیابی ہے جو بڑی عظیم الشان کامیابی کہلا سکتی ہے۔ (۶۵)

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور چاہیئے کہ ان لوگوں کی کوئی مخالفانہ بات تمہیں غمگین نہ کرنے پائے کیونکہ غلبہ بکلی اللہ تعالیٰ کا ہی حصہ ہے اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (۶۶)

ـــــــــ بڑی ہو کر بھی آنکھ اور کان کے ادراک سے نکل جاتی ہیں اس لئے ولا اصغر کے ساتھ ولا اکبر بھی فرمایا۔

۶۴-۶۳ ۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر کوئی خوف آتا ہی نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچیگا کیونکہ خوف علیٰ نفسی کے معنے ہیں۔ میں ڈرا کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ اولیاء کو ان غلطیوں کے صدمہ سے بھی بچاتا ہے جو وہ اعلیٰ مقام کے حصول سے پہلے کرچکے ہوں۔ انبیاء کے لیے خوف وحزن کا لفظ ان کی ذات کے لیے نہیں دوسروں کے لیے ہے جو بڑی نگاہ ہو۔ اسمیں اولیاء کی صفت بتلائی ہے کہ وہ ایمان میں کامل اور تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں حدیث کی رُو سے اولیاء کی تین قسمیں ہیں (۱) جو دوزخ کے ڈر سے نیک کام کرتے ہیں (۲) جو جنت کی امید پر کرتے ہیں (۳) جو محض للہ نیک کام کرتے ہیں۔ ان کے درجات بالترتیب ایک دوسرے سے بڑے ہیں۔ اولیاء کی ایک صفت حدیث میں یہ بھی بیان ہوئی ہے۔ کہ وہ صرف خدا تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

۶۵ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۔ کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ (۱) اس سے مراد رؤیائے صالحہ ہے جو مومن خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے۔ ایک روایت میں ہے وہ نبوت کا چھیالیسواں یا سترواں حصہ ہے۔ یاد رہے مبشرات کا لفظ عام ہے اور اس آیت میں سب قسم کے الہاموں کی خبر ہے ان میں سے جو قسم صحابہؓ سے متعلق تھی وہ آنحضرتؐ نے بیان فرمادی۔
لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ یعنی یہ قدیم قانون ہے اور آئندہ بھی اسے نہ بدلنے کا فیصلہ ہے۔

۶۶ ۔ یہ حزن نبی کریم صلعم کا اپنی ذات کیلئے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراضات کی وجہ سے تھا۔ فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○

سنو جو فرد مخلوق بھی آسمانوں کے اندر پایا جاتا ہے اور جو بھی زمین میں موجود ہے ہر ایک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اور چیزوں کو پکارتے ہیں وہ در اصل شرکاء کی پیروی نہیں کرتے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ اپنے وہم کے سوا کسی چیز کی بھی پیروی نہیں کرتے اور وہ صرف تخمینوں اور ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں۔ (۶۷)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

وہ لاشریک ہستی وہ ذات پاک ہے جس نے تمہارے لیے رات کو اس لیے تاریک بنایا ہے کہ تم اس میں آرام پاؤ۔ اور بالمقابل دن کو کام کاج کیلئے روشن بنایا جو لوگ حق بات کو سنتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کیلئے اس نظام میں یقیناً کئی ایک نشان ہیں۔ (۶۸)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

اور وہ تو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لیے اولاد اختیار کی ہے اس کی تسبیح کرو وہ نہایت ہی بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں پایا جاتا ہے اور جو کچھ زمین میں موجود ہے سب اسی کا ہے اس دعویٰ کا تمہارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں ہے پھر کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جس کی بابت تم کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ (۶۹)

غم نہ کھا کیونکہ عزت تو ہماری ملک ہے للّٰہ کے لام سے یہ ثابت ہی گویا یہاں نبی کریم صلعم کی خدا تعالےٰ کے لیے غیرت و محبت اور خدا تعالیٰ کی حضورؐ سے محبت و شفقت کا بیان ہے۔

ؔ۷۶ آنحضرتؐ کو تسلی دی کہ جب زمین و آسمان اللہ تعالےٰ کی ملک ہیں تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے ان کو ہدایت بھی دے سکتا ہے سزا بھی اور ان کے مشرکانہ عقائد کی تو حقیقت ہی کچھ نہیں آج نہیں تو کل مٹ جائیں گے۔

ؔ۷۸ یعنی جیسے رات انسان کی جسمانی قوتوں کو پھر نشو و نما دینے کے لیے بنائی گئی ہے اسی طرح قوموں میں جمود و جہالت کی حالت ان کے قومی اخلاق کو پھر درست کرنے کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور دن ان حاصل شدہ قوتوں کے استعمال کے لیے ہوتا ہے۔ آخر میں یسمعون فرما کر بتایا ہے کہ دن چڑھ چکا ہے پھر بھی تم دیکھتے نہیں تو کم از کم سن ہی لو۔

ؔ۷۹ اوپر بتلایا تھا کہ کفار کی تباہی تو خود ان کی تعلیم کی وجہ سے آجائے گی۔ اب ان کے عقیدۂ شرک کا رد فرماتا ہے۔ فرمایا (۱) خدا تعالیٰ سبحان ہے۔ عیوب سے پاک ہے گر ولد کا ماننا اسے شہوت، موت، وغیرہ عیوب میں ملوث کرتا ہے (۲) وہ غنی ہے کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ (۳) زمین و آسمان کا سب کچھ اسی کا ہے۔ (۴) تمہارے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝

قرآن سے کہہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوتے۔ (۷۰)

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

ان کا حصہ دنیا میں صرف چند روز کے لیے کچھ سامان ہے پھر ہماری طرف انہیں لوٹنا ہوگا۔ پھر اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے چلے جاتے ہیں ہم انہیں سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ (۷۱)

ع ۷

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝

اور تو انہیں نوح کا حال بھی سنا کیونکہ اس نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم اگر تمہیں میرا خدا داد مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے نشانوں کے ذریعہ سے میرا تمہیں تمہارا فرض یاد دلانا ناگوار گزرتا ہے تو (یاد رکھو کہ) میرا توکل (تو) اللہ پر ہے (پس) تم پختہ ارادہ کر لو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کر لو پھر (یہ بھی دیکھ لو کہ) تمہاری تدبیر کا کوئی پہلو تمہارے لیے مشتبہ نہ رہے، پھر اسے مجھ پر نافذ کر دو اور مجھے (کوئی موقع اور) مہلت نہ دو۔ (۷۲)

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

پھر (بھی) اگر تم پھر جاؤ تو (اس میں میرا کوئی نقصان نہیں بلکہ تمہارا) ہی ہے کیونکہ میں نے تم سے اس کی بابت کوئی اجر نہیں مانگا۔ میرا اجر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر نہیں ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کے کامل فرمانبرداروں میں سے بنوں۔ (۷۳)

---

۷۰ یعنی گو ان کو دنیوی متاع ملے گا۔ لَا يُفْلِحُوْنَ وہ اپنے مقصد میں دنیا میں بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور آخرت میں تو عذاب پائیں گے ہی۔

۷۲ عقلی بحث کے بعد مندرجہ ذیل آیات میں واقعات کو پیش کر کے بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا معاملہ تین طرح پر ہوتا ہے (۱) یا وہ نبی کے ذریعہ مخالف قوم کو بالکل تباہ کر دیتا ہے جیسے نوحؑ کے وقت میں کیا۔ (۲) یا بعض کو بچا لیتا ہے اور بعض کو ہلاک کر دیتا ہے جیسے موسیٰؑ کے وقت میں کیا (۳) یا سب کو بچا لیتا ہے جیسے یونسؑ کے وقت میں کیا۔ ان واقعات کے بیان سے کفار کو تحریص دلائی کہ تم کیوں یونسؑ کی سی قوم نہیں بنتے۔ ان واقعات کی ترتیب بیان کے مطابق نبی کریم صلعم مکہ میں نوحؑ، مدینہ میں موسیٰؑ اور دوبارہ ورود مکہ پر مثیل یونسؑ ثابت ہوئے اس سے ثبوت ملتا ہے کہ قرآنی واقعات بطور پیشگوئی بیان ہوئے تھے نہ کہ بطور قصہ۔ اس آیت میں کامل تدبیر کے پانچ طریق بتلائے ہیں۔ (۱) مشورہ کر کے ایک رائے پر قائم ہو جانا (۲) اپنے ہمخیالوں کو ایک نظام کے ماتحت لے آنا (۳) تفصیلی تجویز سوچ لینا۔ (۴) بغیر انتشار کے طاقت کو ایک ہی وقت میں خرچ کرنا (۵) حملہ کے بعد دشمن کو سانس لینے کا موقع نہ دینا۔ انبیا کو الٰہی وعدوں پر ایسا کامل یقین ہوتا ہے کہ دشمن کو غیرت ... دلا دلا سکتے ہیں جو انہیں حاصل ہیں۔

۷۳ وامرت ان اکون من المسلمین۔ انبیا جس چیز کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں سب سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

مگر پھر بھی انہوں نے اسے جھٹلایا تب ہم نے اسے اور نیز انہیں جو کشتی میں اس کے ساتھ سوار تھے بچا لیا اور انہیں ہم نے جانشین بنا دیا اور جن لوگوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا۔ سو دیکھ کہ جن لوگوں کو (اس عذاب سے) آگاہ کر دیا گیا تھا (۷۴) ان کا انجام کیسا ہوا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

پھر اس کے بعد ہم نے اور بھی کئی رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے اور وہ ان کے پاس روشن نشانات لے کر آئے۔ تو وہ لوگ اس سبب کہ اس سے پہلے کہ اس (صداقت) کو جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ بنے۔ ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر اسی طرح (۷۵) سے مہر لگایا کرتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

پھر ان کے بعد ہم نے موسےٰ اور ہارون کو اپنے نشان دیکر فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر اختیار کیا۔ اور وہ پہلے ہی سے ایک مجرم (۷۶) قوم تھے۔

——— یوں تو ورثہ کے ایمان والے بھی بعض قربانیاں کر لیتے ہیں مگر ایک ہی وقت میں حکومت کا اور پھر عبادت الٰہی کا خیال کبھی دل میں جمع نہیں ہو سکتے یہ باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ انبیاء کی خواہش حصول حکومت کی نہیں ہوتی۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ میں نوحؑ کی زبانی بتایا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا۔ اور پیشگوئی کے مطابق ایسا ہونا ضروری ہے پھر بھی تم پر مالی ذمہ داری نہیں ڈالوں گا۔

۷۴ فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین میں بتایا کہ جن کو متنبہ کر دیا گیا ہو ان کی سزا اور جنہیں متنبہ نہ کیا گیا ہو ان کی سزا میں فرق ہوتا ہے۔

۷۵ فرمایا کہ چونکہ وہ ایک دفعہ انکار کر چکے ہوتے ہیں۔ بعد میں اپنے اعمال و اقوال کی پیچ کی وجہ سے (سمجھ آنے پر بھی) ایمان نہیں لاتے۔ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی ہم جو کہا کرتے ہیں کہ ہم نے دلوں پر مُہر کر دی اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ چونکہ وہ ضد کرتے ہیں۔ ہم ہدایت نہیں دیتے۔

۷۶ انبیاء کا انکار اس لئے ہوتا ہے۔ کہ لوگ ان کے اس دعویٰ کو بڑا خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ بندوں سے کلام کرتا ہے۔ یا (۲) اپنے آپ کو اس سے بالا سمجھتے ہیں

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۔ چونکہ وہ پہلے ہی سے مجرم تھے۔ اس لئے انکار کیا یا یہ کہ انکار کی وجہ سے مجرم ہو گئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یقیناً (۷۷) یقیناً ایک تعلقات کو کاٹ دینے والا فریب ہے۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝

(اس پر موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا تم حق کی نسبت (ایسا) کہتے ہو اور وہ) (بھی اس وقت جبکہ وہ تمہارے پاس آگیا ہے کیا یہ فریب ہو سکتا ہے) (۷۸) حالانکہ فریب دینے والے کامیاب نہیں ہوتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

انہوں نے کہا کیا تو اس لیے ہمارے پاس آیا ہے کہ جس بات پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اس سے ہمیں ہٹا دے اور تم (دونوں) کو ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے اور ہم (تو) تم (۷۹) پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝

اور فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم میرے پاس (ملک بھر سے) ہر ایک (۸۰) کامل واقفیت رکھنے والے ساحر کو لے آؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝

پس جب ساحر (لوگ) آئے تو موسیٰ نے انہیں کہا کہ جو کچھ (۸۱) تمہیں ڈالنا ہے ڈالو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اس پر جب انہوں نے جو کچھ ڈالنا تھا ڈال دیا۔ تو موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم (لوگوں) نے پیش کیا ہے (یہ) پورا پورا فریب ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً یقیناً اسے مٹا دیگا۔ (۸۲) اللہ تعالیٰ فساد کرنیوالوں کی کارروائی کو درست ہرگز نہیں (کیا) کرتا۔

---

۷۷ فریب کے لفظ سے مذہبی لوگوں کو بھڑکاتے ہیں کہ یہ مذہب کو بگاڑ دے گا اور مبین کے لفظ سے سیاسی لوگوں کو اکساتے ہیں کہ یہ قوم میں تفرقہ ڈالنے والا ہے۔

۷۸ اَسِحْرٌ هٰذَا۔ یعنی یہ تو جھوٹ کا سر کچلنے والی کتاب ہے۔ یہ سحر کس طرح ہو سکتی ہے وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ یعنی ساحر تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے مگر میں ہو رہا ہوں تم مجھے فریبی کیسے کہہ سکتے ہو۔

۷۹ سِحْرٌ مُّبِيْنٌ میں جو دو اعتراض بتلائے گئے ہیں یہاں ان کی تشریح کر دی گئی ہے کفار کہتے ہیں کہ تم ہمارا مذہب خراب کرنا چاہتے ہو۔ دوسرے بڑائی حاصل کرنے کے لیے ہم میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو۔

۸۰ ایک غلطی سے دوسری کا ارتکاب ہوتا ہے۔ خدا کے نبی کو ساحر کہا تو خود بھی علمی تحقیق کی بجائے ساحروں کی تلاش کرنی پڑی۔

۸۱ یہ مطلب نہیں کہ موسیٰ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ وہ تو اسے لغو جانتے تھے۔ یہاں اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ میں اظہار استغناء ہے کہ جو تم کر سکتے ہو کر لو۔

۸۲ حضرت موسیٰؑ نے اصولی جواب دیا کہ جب فریب حق کے مقابلہ پر آتا ہے تو شکست کھاتا ہے میں چونکہ سچا ہوں تمہارا ہارنا یقینی ہے۔

ع ۱۳

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ؏

اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق کو قائم کرتا ہے گو مجرم (۸۳) (لوگ بھلا) اس بات کو ناپسند کریں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰىٓ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

پھر بھی ہوا یہ کہ اس کی قوم ہی کے چند بچوں کے کسی نے بھی فرعون (کے ڈر) سے اور (نیز) اپنی قوم کے بڑے لوگوں کے خوف سے کہ وہ (خود ہی یا دوسروں کے ذریعہ سے انہیں کسی مصیبت میں (نہ) ڈال دے موسیٰ کی فرمانبرداری نہ اختیار کی اور فرعون یقیناً (۸۴) یقیناً زمین میں جبر و دستی کرنیوالا تھا اور یقیناً یقیناً وہ حد سے بڑھ جانیوالوں میں سے تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا ۔ کہا اے میری قوم اگر یہ بات (درست) ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اگر اس (۸۵) (کے ساتھ) ساتھ اس کے سچے فرمانبردار (بھی) ہو تو اسی پر بھروسہ کرو۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اس پر انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے (۸۶) رب ہمیں (ان) ظالم لوگوں کیلئے (فتنہ کا موجب) نہ بنا۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں (کے ظلم) سے (۸۷) بچالے۔

---

۵۳ یہاں بتلایا کہ خدا تعالیٰ اپنے حکم سے اشاعت دین کرتا ہے نہ کہ فریب سے اس میں یہ اخلاقی نکتہ ہے کہ مقصد درست ہو تو بھی ذرائع حصول جائز ہونے چاہئیں۔ کلمات میں انذار اور بشارتیں دونوں شامل ہیں۔

۵۴ یہ جو فرمایا کہ فرعون کے ڈر کی وجہ سے دوسرے لوگ ایمان نہ لائے اس سے پتہ لگتا ہے کہ انبیاء کے زمانہ میں کئی لوگوں کے دل تو مان لیتے ہیں۔ مگر وہ ڈر کی وجہ سے ظاہر میں ایمان نہیں لاتے۔ ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سے ظاہر ہے کہ موسیٰ کی قوم کا ایک حصہ آپ پر ایمان لایا تھا باقی حصہ صرف سیاسی رنگ میں ساتھ مل گیا تھا۔ مٹلائھم کی ضمیر حکومت کے بڑے لوگوں کی طرف جاتی ہے خواہ وہ اسرائیلی ہوں یا فرعونی۔

۵۵ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ "قومی کام" کی اصطلاح کی بجائے دینی کام کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیئے تاکہ خدا تعالیٰ بھی یاد رہے اور انسان قوم پرستی کے تنگ دائرہ سے بھی آزاد رہے۔ اسلام کا لفظ جب ایمان کے مقابل پر آئے تو اس کا مطلب ظاہری اطاعت اور ایمان کا مطلب قلبی اطاعت ہوتا ہے فرمایا اگر تم قلبی ایمان رکھتے ہو اور عملاً اس کے ثمرات دیکھنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ پر توکل کرو اور اپنے کام اس کے سپرد کردو یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ مومن کیلئے قلبی ایمان کے بعد عملی تغیر ہونا چاہیئے۔ گو کمزور پہلے عمل کرتے ہیں پھر اس سے آہستہ آہستہ ان کا دل قوی ہو جاتا ہے جیسے حجرات آیت ۱۵ میں فرمایا لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

۵۶-۵۷ یعنی ہم ایسے کام نہ کریں جس سے ظالموں کو دین پر حملہ کا موقعہ ملے یا جن سے ہم خود ظالم بن جائیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم مصر میں چند مکانوں کو (جگہ) اپنی قوم کے رہنے کے لیے اختیار کرو اور تم سب لوگ اپنے گھر آمنے سامنے بناؤ اور ان میں عمدگی سے نماز ادا کرو اور یہ وحی بھی کی کہ اے موسیٰ تو مومنوں کو کامیابی کی بشارت دے۔ (۸۸)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○

اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کو اس ورلی زندگی میں زینت (کے سامان) اور اموال دے رکھے ہیں اے ہمارے رب لیکن اس کے نتیجہ میں وہ اوروں کو بھی تیری راہ سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ اے ہمارے رب انکے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کی زمین پر حملہ آور ہو اور وہ عذاب الیم کے دیکھنے کے دن تک ایمان سے محروم ہو رہے ہیں۔ (۸۹)

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے پس تم دونوں ثابت قدمی دکھاؤ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کی راہ کی پیروی ہرگز نہ کرو۔ (۹۰)

---

۸۸ وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً میں بتایا کہ (۱) اکٹھے ہو کر رہو بوقت ضرورت ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ کیونکہ آمنے سامنے گھر بنانے کی یہی غرض ہوتی ہے (۲) قبلہ کے معنے جہت کے بھی ہیں یعنی ایک ہی طرف یا ایک ہی نظام کے ماتحت رہو (۳) قبلہ کے معنے نوع کے بھی ہیں یعنی ایک ہی قسم کے مکان ہوں اس میں یہ اشارہ ہے کہ ساری قوم کا معیار بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اقیموا الصلوٰۃ کہکر دعاؤں میں استقلال کی تعلیم دی یہاں ترقی کے ستا گر بتائے ہیں۔ اجتماع، اتحاد، تعاون، نظام، بڑے چھوٹے میں ارتباط، دعا، استقلال، ایک نگران کیلئے اسکے علاوہ بکثرت بشارتیں دے دیکر قوم کا دل بڑھاؤ۔

۸۹ لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ کا لام علت پر نہیں نتیجہ پر دلالت کرتا ہے جو لوگ بغیر سزا ہدایت نہ پا سکتے ہوں ان کے لیے سزا ایک رحمت ہے اس لیے یہ گمراہی کی بد دعا نہیں ہدایت کی دعا ہے۔ دل پر حملہ کرنے کے معنے اولاد کی طرف سے تکلیف ہے کیونکہ حملہ کا لفظ اولاد کے مقابلہ پر آیا ہے یہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ (۱) اولاد ایمان لے آئی (۲) اولاد کو تکلیف پہنچے۔ پہلے حصہ آیت میں لفظ زینۃ جو اولاد کا قائم مقام ہے مال سے پہلے لایا گیا ہے کیونکہ وہ بڑا انعام ہے مگر دوسرے حصہ میں اموال کی تباہی کا ذکر پہلے ہے کیونکہ وہاں سزا کا ذکر ہے اور یہ چھوٹی سزا ہے۔

۹۰ فاستقیما میں بتایا کہ دشمن اصل مقصد سے دور لے جانے کی کوشش کرے گا۔ مگر تم بحثوں میں نہ پڑنا اور اس پر قائم رہنا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ
بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ
الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ
وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے (پار) گزارا تو فرعون اور
اس کی فوجوں نے سرکشی اور ظلم کی (راہ) سے ان کا پیچھا کیا۔
حتیٰ کہ جب غرق ہونے (کی آفت) نے اسے آ پکڑا۔ تو اس نے
کہا میں ایمان لاتا ہوں جس (مقتدر ہستی) پر بنی اسرائیل ایمان
لائے ہیں اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اور میں (بھی)
(۹۱) فرمانبرداری اختیار کرنیوالوں میں سے (ہوتا) ہوں۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ
كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

کیا اب (تو) ایمان لاتا ہے (حالانکہ پہلے تو نے نافرمانی کی۔ اور
(۹۲) تو مفسدوں میں سے تھا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ
لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا
لَغٰفِلُوْنَ ۝ ع

پس اب ہم تیرے بدن (کے بقا) کے ذریعہ سے تجھے (ایک جزوی)
نجات دیتے ہیں تاکہ جو لوگ تیرے پیچھے آنیوالے ہیں ان کیلئے
تو ایک نشان ہو۔ اور لوگوں میں سے بہت سے افراد ہمارے
(۹۳) نشانوں سے یقیناً یقیناً بے خبر ہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ
صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور ہم نے یقیناً یقیناً بنی اسرائیل کو (ظاہری اور باطنی ہر قسم
کی خوبی والی جگہ دی اور (ہر قسم کی پسندیدہ چیزیں (بھی) انہیں
دی تھیں پھر اس وقت تک کہ ان کے پاس (صحیح) علم آ گیا انہوں
نے کسی امر میں اختلاف نہ کیا۔ تیرا رب ان کے درمیان اس
(امر کے) بارہ میں جس میں وہ اب اختلاف کر رہے ہیں یقیناً
(۹۴) قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔

---

۹۱ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ بادشاہِ وقت کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اگر وہ دین میں مداخلت کرے تو ہجرت
کر جائیں اگر وہ ہجرت سے بھی روکے یا پیچھے آ کر تنگ کرے تو اس وقت اس کا مقابلہ جائز ہوگا۔ بغیاً وّ
عدوًا کہہ کر بتایا کہ نہ قانونی حق رہا تھا نہ اخلاقی۔

۹۲ یعنی ثواب محنت و قربانی کے بدلہ میں ملتا ہے جب حق بالکل کھل جائے تب ایمان فائدہ نہیں دیتا۔

۹۳ چونکہ فرعون اس وقت ایمان لایا جب اس کا ایمان بے جان ڈھانچہ تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے بھی
صرف اس کے جسم کو بچا لیا۔ اس بات کا علم صرف قرآن کریم نے دیا ہے۔ آج تین ہزار سال بعد فرعون کی لاش
مل گئی ہے اور قاہرہ میں موجود ہے یہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ
چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی سبق ملتا ہے کہ نیکی میں جلدی کرنی چاہیئے۔

۹۴ طیّبٰت میں سب سے مقدم کلامِ الٰہی ہے پھر دوسری چیزیں ہیں۔ اختلاف حضرت نبی کریم صلعم کے متعلق پیشگوئیوں
میں تھا کہ پہلے تو کفار انہیں مانتے تھے لیکن اس کے مصداق کے ظہور پر منکر ہو گئے۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

پھر اگر تو اس (کلام) کی وجہ سے جو ہم نے تیری طرف نازل کیا ہے کسی شک (و شبہ) میں (مبتلا) ہے تو تو ان لوگوں سے جو تجھ سے پہلے اس کتاب کو پڑھ رہے ہیں دریافت کر یقیناً یقیناً (ایک) کامل صداقت تیرے رب کی طرف سے تیری طرف آئی ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ بن۔ (۹۵)

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اور تو ان (لوگوں) میں سے ہرگز نہ بن جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نشانوں کو جھٹلا دیا ہے ورنہ تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۹۶)

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

جن لوگوں پر تیرے رب کی طرف سے ہلاکت کی بات واجب ہو چکی ہے وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ (۹۷)

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

جب تک کہ دردناک عذاب (نہ) دیکھ لیں گو ان کے پاس تمام (قسم کے) نشانات آچکے ہیں۔ (۹۸)

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝

اور یونس کی قوم کے سوا کیوں کوئی (اور) ایسی بستی نہ ہوئی جو (سب کی سب) ایمان لاتی۔ تو اس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا جب (یعنی یونس کی قوم کے لوگ) ایمان لائے تو ہم نے ان پر سے اس ورلی زندگی میں (بھی) رسوائی کا عذاب دور کر دیا۔ اور (۹۹) انہیں ایک وقت تک (ہر طرح کا) سامان عطا کیا۔

---

۹۵ دوسری جگہ فرمایا ہے قل ھٰذہٖ سبیلی ادعوا الی اللّٰہِ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی (یوسف ۱۲/۱۰۹) اس لیے فی شکٍ نبی کریم صلعم کے متعلق نہیں ہو سکتا اس سے اختلاف کرنے والے مراد ہیں فرمایا اے معترض اگر تجھے اس کلام میں شک پیدا ہوتا ہے تو جو اس سے فائدہ اٹھا چکے ہیں ان سے اس کے متعلق پوچھ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خالی کتاب کافی نہیں ہوتی معلم کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۹۶ اس جگہ کلمہ سے مراد انذار ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو انذار سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۹۷-۹۸ یعنی جو سچائی سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کی نظروں میں دھوکا ہوتا ہے

۹۹ یونس کی قوم اخلاص سے تائب ہوئی تو ان سے عذاب کا جو وعدہ تھا ٹل گیا۔ اسی طرح حضرت نبی کریم صلعم کی قوم بھی فتح مکہ کے موقع پر خلوصِ دل سے تائب ہوئی اور عذاب سے بچ گئی۔ یونسؑ کو قرآن میں ذوالنون اور صاحب الحوت بھی کہا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ یونس بن متی سے افضل ہے یہ قول اس لیے تھا کہ (۱) نبی کریم صلعم پر اس وقت تک اپنی فضیلت ظاہر نہ ہوئی تھی ورنہ بعد میں حضورؐ نے انا سید ولد آدم فرمایا۔ دوسرے یہاں جزوی فضیلت مراد تھی جو یونسؑ کی

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝

اور اگر اللہ ہدایت کے معاملہ میں اپنی اسی مشیت کو نافذ کرتا تو جو اور جس قدر لوگ زمین پر موجود ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے پس جب خدا تعالیٰ بھی مجبور نہیں کرتا تو کیا تو لوگوں کو اتنا مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں۔ (۱۰۰)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اذن کے سوا کسی طور پر ایمان لانا کسی شخص کے اختیار میں نہیں اور وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنا غضب ان ہی لوگوں پر نازل کرتا ہے جو عقل رکھتے ہوئے اس سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰۱)

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

تو انہیں کہہ کہ پھر جبر کیوں (تم) آسمانوں اور زمین میں کیا ہو رہا ہے اور نصرت الٰہی کے نشانات اور عذاب سے متنبہ کرنے والے ان لوگوں کو جو ضد سے ایمان نہیں لاتے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتے۔ (۱۰۲)

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ ١٠٣

پھر کیا جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے ایام کے نمونہ کے سوا وہ کسی اور چیز کا انتظار کر رہے ہیں تو ان سے کہہ کہ اچھا (اگر وہی نمونہ دیکھنا ہے تو پھر تم لوگ اچھی انتظار کرو میں بھی) یقیناً تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں۔ (۱۰۳)

——— ہماری قوم کے تائب ہو جانے سے ظاہر ہوتی۔ اور حضرت نبی کریم صلعم نے نہ چاہا کہ اپنی قوم کا انجام دیکھنے سے قبل ان پر اپنے آپ کو یا اپنی قوم کو اس معاملہ میں فضیلت دیں بائیبل کی رو سے یونس کو نینوا جا کر اس کے خلاف پیشگوئی کرنے کا حکم تھا مگر وہ ڈر سے کہ نینوا والے توبہ کر کے عذاب سے بچ جائیں گے اس لئے وہ بجائے نینوا کے یافا چلے گئے۔ مگر قرآن کی رو سے نبی سے یہ ممکن نہیں ورنہ وہ انبیاء کی پیروی کا حکم نہ دیتا۔ (دیکھیں نساء $\frac{4}{65}$ اور انعام $\frac{6}{91}$)

۱۰۰ پچھلی آیت میں اس خواہش کا اظہار تھا کہ لوگ ایمان لے آئیں۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا تعالیٰ قادر ہے تو سب کو مومن کیوں نہیں بنا دیتا۔ اس کے جواب میں فرمایا اگر خدا تعالیٰ جبر کرے تو پھر سب کو ہدایت دیگا نہ کہ کسی ایک قوم کو مگر اس نے یہ معاملہ انسان کے دل پر چھوڑا ہوا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جبر اسلام

۱۰۱ اسکے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) یقین اذنِ الٰہی ہی سے یعنی اسکے مقرر کردہ قوانین ہی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ زبانی اقرار (۲) اسلیے جبر بے معنی ہے (۲) بغیر اسکے کہ ہم الٰہی رضا کے حصول کا طریق بتلائیں ایمان پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے شریعت کا بھیجنا جبر نہیں۔

۱۰۲ یعنی گو کفار فائدہ نہیں اٹھاتے۔ مگر ہمارے نبی کی تائید میں زمین و آسمان سے نشان ظاہر ہو رہے ہیں پھر جبر کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۱۰۳ یعنی ضد کے نتیجہ میں عذاب کا آنا ضروری ہے ان کے خود مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

پھر جب وہ عذاب آجائیگا تو اس وقت ہم اپنے رسولوں کو (اور جو لوگ ان پر ایمان لائے ہیں انکو بچا لینگے اسی طرح ہمارے ذمہ خود اپنا قائم کیا ہوا) ایک حق ہے کہ ہم مومنوں کو ضرور بچا لیا کرتے ہیں۔ (۱۰۴)

ع ۱۰

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

تو کہہ کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ میں ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن (معبودوں) کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔ بلکہ میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہوں۔ جو تم کو وفات دے گا۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانیوالوں میں سے بنوں (۱۰۵)

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اور اس فرمان کے پہنچانے کا بھی حکم دیا ہے کہ (اے مخاطب) تو ہر کجی سے پاک ہوتے ہوئے اپنی توجہ کو ہمیشہ کیواسطے دین کے لیے (وقف) کر دے اور تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ بن۔ (۱۰۶)

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

اور تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی (چیز) کو جو تجھے نہ (کوئی) نفع پہنچاتی ہے اور نہ (کوئی) نقصان پہنچاتی ہے نہ پکار اور اگر تو نے (ایسا) کیا تو اس صورت میں تو یقیناً ظالموں میں سے ہوگا۔ (۱۰۷)

۱۰۴؎ یہاں ذکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا کہ ہر نبی سب نبیوں کا قائم مقام ہوتا ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ آئندہ بھی رسول آئیں گے۔ اور ہوں گے بھی امتی، کیونکہ حقاً علینا ننج المؤمنین کا لفظ رسولوں کی جگہ آیا ہے۔

۱۰۵؎ توفی کا لفظ جب اس کا فاعل اللہ تعالے ہو اور مفعول ذی روح ہو تو قبض روح کے سوا اور کوئی معنے نہیں رکھتا۔ مومن اسے کہتے ہیں جو امن دینے والا ہو۔ فرمایا۔ شک تو معبودانِ باطلہ کی پرستش پر ہو سکتا ہے۔ میں تو خدا تعالےٰ کی پرستش کرتا ہوں۔ پھر شک کیسا؟ دراصل یہ انکار دلوں کے زنگ کی وجہ سے ہے اس لئے خدا تم کو ہلاک کرنے والا ہے پھر ہی تم سمجھوگے

۱۰۶؎ چونکہ حنیف کے مقابلہ پر مشرک کا لفظ ہے اس کے معنے ہیں کسی غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کر یہ نہیں کہ توں کو نہ پوج یہاں شرک کی باریک راہوں سے ہوشیار کیا ہے۔

۱۰۷؎ یعنی خدا کے سوا جو بھی ہے وہ بالذات نفع و ضرر کا مالک نہیں پس کسی اور پر توکل نہ کر یہاں ظالم سے مراد مشرک ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ
فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ
وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے۔ تو اس کے سوا کوئی بھی اسے دور کرنے والا نہیں (ہو سکتا)۔ اور اگر وہ تیرے لیے کوئی بہتری چاہے تو اس کے فضل کو کوئی رد کرنے والا بھی (قطعًا) نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اسے (وہ) یعنی اپنا فضل پہنچا دیتا ہے (اور) وہ بہت ہی بخشنے والا
(۱۰۸) (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝
وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ
حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ
خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

تو ان سے کہہ کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے۔ پس اب جو کوئی اس کی بتائی ہوئی ہدایت کو اختیار کرے تو وہ اپنی جان ہی (کے فائدہ) کے لیے ہدایت کو اختیار کرتا ہے اور جو اس (راہ) سے بھٹک جائے تو اس کا بھٹکنا بھی
(۱۰۹) اسکی (جان) پر ہی (ایک) وبال ہوگا۔ اور میں کوئی تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔
اور جو کچھ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ تو اس کی پیروی کر اور صبر سے کام لے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ (صادر) کر دے
(۱۱۰) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے ؏

---

۱۰۸ یہاں بتایا ہے کہ ایسے خیر و شر قانونِ قدرت کے ماتحت آتے ہیں ان میں خاص ارادہ الٰہی نہیں ہوتا۔ ایک خیر و شر شرعی ہوتے ہیں ان کا لانا یا ٹلانا خاص ارادہ الٰہی پر منحصر ہے۔ انسانی تدبیر کا اس میں دخل نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا معاملہ چونکہ تقدیر کا ہے اس لیے ان کی کامیابی کو تدبیر انسانی روک نہیں سکتی۔

۱۰۹ یعنی میری حیثیت مبلغ کی ہے داروغہ کی نہیں۔ اس لیے تمہاری ہدایت یا گمراہی سے میرا نفع یا نقصان نہیں۔

۱۱۰ خیر الحاکمین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ الٰہی فیصلہ تیرے حق میں بہت اچھا صادر ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب وہ فیصلہ ہوا۔ وفود کے وفود آ کر آنحضرت کی غلامی میں داخل ہو گئے ؏

رکوعاتها ١٠	سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ	اٰياتها ١٢٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
میں اللہ تعالیٰ کا نام لیکر شروع کرتا ہوں) جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (۱)

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝
الرٰ (یہ) ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات کو محکم کیا گیا ہے اور نیز انہیں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ ایک حکیم اور خبیر ہستی کی طرف سے ہے۔ (۲)

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝
(جو) اس تعلیم پر مشتمل ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں اس کی طرف سے یقیناً یقیناً تمہارے لئے ہشیار کرنیوالا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۳)

نزول و ترتیب:- سورۃ یونس میں تین مضامین بیان ہوئے تھے (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو بالکل تباہ کر دیتا ہے۔ (۲) کسی کو بالکل چھوڑ دیتا ہے (۳) کسی کے ایک حصہ کو تباہ کرکے دوسرے کو بچا لیتا ہے یہاں اول الذکر کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

۲؎ احکمت اٰیٰتہٗ یعنی اس کتاب کی آیات پُر حکمت ہیں بدی سے روکنے والی اور نیکی کی طرف لے جانیوالی ہیں انسان کی پوشیدہ بدیوں سے آگاہ کرتی ہیں۔ اس میں کوئی نقص نہیں نہ ضرورت سے کچھ زائد ہے۔ فُصِّلَتْ سے دراصل متشابہ تعلیم مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران ۳/۸) یہاں محکم کے مقابلہ میں متشابہ رکھا ہے لیکن آیت زیر تفسیر میں متشابہ کی جگہ فصلت کا لفظ ہے اس لئے یہ متشابہ کے معنوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متشابہ دراصل تفصیلی تعلیم کا نام ہے اور اسی پر دشمن اعتراض کرتا ہے۔ ورنہ محکم یعنی اصولی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لیے چاہیئے کہ تفصیلی تعلیم کو اصولی تعلیم کے ماتحت لا کر دیکھا جائے من لدن حکیمٍ خبیرٍ۔ یعنی یہ تعلیم دینے والا ضروریات انسانی سے واقف ہے اور اس نے وہی تعلیم دی ہے جو مفید اور مناسب حال ہے۔ لفظ خبیر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ دل کے حالات جانتا ہے اور بداعمالی کی سزا کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ صفتِ حکیم کے ذکر سے یہ بھی بتایا کہ جن سزاؤں کا اس سورۃ میں ذکر ہے وہ حکمت کے ماتحت تھیں۔

۳؎ یعنی یہ تعلیم خود غرضی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ خدا تعالیٰ کی شکل سامنے رکھ کر اس کی صفات اپنانے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ دوسری جگہ آتا ہے (۱) وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (عنکبوت ۲۹/۱) (۲) قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ (حجرات ۴۹/۲)۔ انذار کے معنے ہشیار کرنے کے ہیں نہ کہ ڈرانے کے ڈرانے کو ترہیب یا تخویف کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ہشیار کرتا ہوں تا کہ نفع کے پہلوؤں کو بھول نہ جاؤ اور نقصان کے پہلو کو اختیار نہ کرو۔ و بشیرٌ اور ترقی کے سامان بھی ساتھ لایا ہوں۔

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

اور یہ کہ تم اپنے رب سے بخشش مانگو اور پھر اس کی طرف (سچا) رجوع کرو تو وہ تمہیں ایک مقررہ میعاد تک اچھی طرح سے سامان عطا کرے گا۔ اور نیز ہر ایک فضیلت والے شخص کو اپنا فضل عطا کرے گا۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں یقیناً تم پر ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں۔ (۴)

اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کو واپس لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر کامل طور پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۵)

سنو! وہ یقیناً اپنے سینوں کو اس لئے موڑتے رہتے ہیں کہ اس سے چھپے رہیں۔ سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تو) اس وقت بھی (جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اسے وہ جانتا ہوتا ہے وہ یقیناً سینوں (کی) باتوں کو بھی) خوب جانتا ہے۔ (۶)

ــــــه فرمایا اوپر جس مقصد کی تعلیم تھی اس میں دو کمیں ہوں تو غفران مانگو یعنی دعا کرو کہ اول جو پہلے گناہوں کا زنگ لگ چکا ہے خدا تعالیٰ اسے دور فرمائے دوسرے ان جذبات کو دبانے کی توفیق دے جو آگے زلوہیں

ــــــه ہوں اس کے بعد محبت الٰہی پیدا کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کا مقام استغفار کے بعد کا ہے۔ اس کے باوجود نادان کہتے ہیں کہ اسلامی توبہ گناہ کا راستہ کھولتی ہے۔ مَتَاعًا حَسَنًا سے دنیوی سامان اور يُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ سے دینی برکات مراد ہیں۔

ــــــه یعنی جب خدا تعالیٰ سزا اور انعام دونوں پر قادر ہے اور اس کی طرف تم نے جانا بھی ضرور ہے تو حصول انعام کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔

ــــــه یہاں ان روکوں کا ذکر ہے جو انسان خود خدا کی راہ میں پیدا کر لیتا ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ کفار اپنے دلی خیالات کو جو ایمان میں روک بنتے ہیں ظاہر نہیں کرتے۔ اس لئے ان کا ازالہ نہیں ہو سکتا دوسرے وہ چاہتے ہیں کہ ان کی حالت کبھی نہ بدلے۔ اس لئے بات سنتے ہی نہیں۔ اس کے باوجود یہ عذر کریں کہ ہم پر حجت پوری نہیں ہوئی۔ تو عالم الغیب اسے کیسے قبول کر سکتا ہے۔ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ خدا تعالیٰ ان کی قلبی کیفیات سے واقف ہے اور انہی کا اندازہ لگا کر اس نے رسول بھیجا ہے اسلئے اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور زمین میں ایسا کوئی بھی جاندار نہیں ہے کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہ اس کی قرارگاہ کو اور اس کی حفاظت کی جگہ کو جانتا ہے (یہ) سب کچھ ایک واضح کر دینے والی کتاب میں موجود ہے۔ (۷)

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور وہ وہ (ذات) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا ہے اور اس کا عرش پانی پر ہے تاکہ وہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ اچھا ہے اور یقینی امر ہے کہ اگر تو ان سے کہے کہ تم مرنے کے بعد یقیناً اٹھائے جاؤ گے تو جن لوگوں نے انکار کیا ہے وہ یقیناً یقیناً کہیں گے کہ یہ بات صرف ایک دھوکہ ہے۔ (۸)

؎ یہاں یہ اشارہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کے رزق کا انتظام کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اس نے اس اعلیٰ مخلوق کیلئے جو پیدائش کا منتہا ہے وہ رزق مہیا نہ کیا ہو جو اسے دوسروں پر فضیلت دیتا ہے یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ جسے مستقر یعنی عارضی رہائش کی جگہ اور مستودع یعنی مستقل رہائش کی جگہ دونوں کی ضروریات کا علم ہو وہی رزق کا صحیح انتظام کر سکتا ہے۔ ورنہ انسان یا صرف مستقر کا خیال رکھتا ہے اور جسم کو اس قدر پھلا دیتا ہے کہ اسکے اندر پڑی ہوئی روح بھی خراب ہو جاتی ہے یا صرف مستودع کا خیال رکھتا ہے اور سارا زور جسمانی تربیت پر ہی لگا دیتا ہے کیونکہ اسے مستقر کا علم نہیں کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْن یعنی اشیا آپ ہی آپ نہیں ہیں بلکہ انکی غایت اور منزل مقصود خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

؎ قرآن نے ماءً کو حیات کا منبع قرار دیا ہے اور عرش سے مراد صفات الٰہیہ ہیں (دیکھیں یونس ۳) اس لیے کان عرشہ علی الماء کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ظہور حیات کے ذریعہ سے جس کی آخری کڑی انسان ہے ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہی پیدائش کا مقصود ہے اور یہ اس کی روحانی طاقتوں کی وجہ سے ہے پھر اس کا خیال کیسے نہ رکھا جاتا۔ کان عرشہ علی الماء کے بعد لِیَبْلُوَکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کہہ کر بتایا ہے کہ ہم اپنی صفات کو اس لیے ظاہر کرتے ہیں کہ تم اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کرو یعنی ان صفات کی نقل کرو۔ یہاں ارتقاء کے متعلق اسلامی نظریہ بھی بیان ہوا ہے۔ فرماتا ہے حیوانات کی قابلیتوں کا مقابلہ کرنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ کون پیدائش حیات کا مقصد ہے، ہم نے سلسلہ حیات پر اپنا عرش رکھا ہے یعنی پیدائش کا اصل مقصد آخر میں ایسے وجود کو پیدا کرنا تھا جو حیات کا اعلیٰ سے اعلیٰ جلوہ دکھا سکے جس سے ظاہر ہے کہ حیات کی ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے آخر میں انسانی پیدائش کا دور آیا ہے وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ میں بتایا کہ وہ انسان کو پیدائش کا مقصود تو مان لیتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ بعث بعد الموت ہوگی حالانکہ یہ سارا نظام ظاہر کر رہا ہے کہ دنیا دار الابتلا ہے۔ اور اس کے لیے کوئی دار الجزاء بھی چاہیئے۔ کیونکہ امتحان کا ثمرہ عارضی ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۹)

اور یہ بھی قطعی امر ہے کہ اگر ہم اس عذاب کو ایک اندازہ کی ہوئی مدت تک ان سے پیچھے ہٹائے رکھیں تو وہ یقیناً یقیناً کہیں گے کہ کونسی بات اسے روک رہی ہے؟ سنو جس وقت وہ عذاب ان پر آئیگا تو ان سے ہٹایا نہیں جائیگا۔ اور جس عذاب پر وہ ہنسی کرتے تھے (۹) وہ انہیں گھیرے گا۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ

اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی قسم کی رحمت کا مزہ چکھائیں اور پھر اسے ہم اس سے ہٹالیں تو وہ یقیناً یقیناً اور پھر یقیناً نہایت (۱۰) نا امید اور نہایت ناسپاس ہو جاتا ہے۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ

اور اگر ہم کسی مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی ہو اسے کسی بڑی نعمت کا مزا چکھائیں تو وہ یقیناً کہنے لگتا ہے کہ یقیناً اب میری تکلیفیں مجھ سے دور ہو گئی ہیں یقیناً یقیناً وہ بہت ہی اترانے والا اور بہت ہی فخر کرنے والا ہے (۱۱)

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ

سوائے ان لوگوں کے جو صبر اختیار کریں اور نیک اور مناسب حال اعمال کریں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر (۱۲) مقدر ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَن يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ

پس کیا تو بزعم کفار شاید تو اس کلام کا جو تجھ پر وحی کیا جاتا ہے کچھ حصہ لوگوں کو پہنچانے کی بجائے چھوڑ دینے والا ہے اور تیرا سینہ اس کلام الٰہی سے اس بناء پر تنگ ہو رہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر کوئی خزانہ نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آیا۔ (حالانکہ تو صرف ہوشیار اور آگاہ کرنیوالا ہے۔ (۱۳) اور اللہ تعالے ہر بات کا کارساز ہے۔

ف یعنی جیسے ما بعد الموت کے متعلق دھوکہ خوردہ ہیں ویسے ہی دنیا کے عذابوں کے متعلق بھی ڈھیل کی وجہ سے ان کو دھوکا لگا ہوا ہے حالانکہ دار الابتلا ڈھیل کو چاہتا ہے۔ وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون میں بتایا کہ عذاب مانگنے سے ان کا اصل مقصد ہنسی کرنا ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہنسی انہیں عذاب کے فی الواقعہ قریب کر دے گی۔

ف۱۱ الہام سے دور پڑنے والا انسان تکلیف میں نا امیدی کو اور راحت میں غرور کو اپنے اوپر غالب کر لیتا ہے کیونکہ وہ اس ازلی قانون کو نہیں سمجھتا کہ دنیا دار الابتلاء ہے اور آزمائش کے لیے حالات بدلتے رہتے ہیں۔

ف۱۲ مومن ایسا نہیں ہوتا وہ غم آنے پر صبر کرتا ہے یعنی بہادری سے مقابلہ کرتا ہے مایوس نہیں ہوتا۔ اور خوشی کے وقت فخر کی بجائے نیک اعمال بجا لا کر تقویٰ میں اور بھی ترقی کر جاتا ہے۔

۱۳ لعل کبھی مخاطب کے طمع کے اظہار کے لیے آتا ہے کبھی مخاطب کے اور کبھی دوسرے لوگوں کے لَهُم مَّغْفِرَةٌ

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کتاب کو اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے تو انہیں کہہ کہ اگر تم اس بیان میں سچے ہو تو اس جیسی دس ستیں اپنے پاس سے گھڑی ہوئی (بنا) لاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوائے (جہاں) جس کو بھی اپنی مدد کیلئے لا سکو تم میں طاقت ہو بلا لو۔

بقیہ صفحہ ۳۶ :- وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ کا وعدہ سن کر کفار نے کہا کہ مومنوں کو تو یہ انعام پیچھے ملیگا پہلے تم جو سلسلہ کے بانی ہو اپنا حال دیکھو اللہ تعالیٰ نے بطور جواب تعریضاً فرمایا ہے کہ یہ ایسا بڑا اعتراض ہے کہ تو اس کے ڈر سے کچھ حصہ کلام چھپا لے گا۔ (یعنی یہ ان کا صرف وہم ہے کہ تو ایسا کرے گا) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دشمن ویسا چاہتا ہے مگر نذیر کا کام دیانتداری سے پیغام پہنچانا ہے اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ تو کچھ حصہ کلام چھپالے اگلی آیت کا چیلنج بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ جواب تعریضاً ہے ورنہ نبی کریم صلعم کا تو یہ مقام تھا کہ کفار کے لالچ دینے پر فرمایا۔ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کر کھڑا کر دیں پھر بھی میں اپنے کام کو ترک نہیں کر سکتا۔

ﷺ فرمایا تم کہتے ہو اس کے پاس خزانے نہیں ہمارے رسول کے پاس قرآن کریم ایک ایسی دولت ہے جس کا ساری دنیا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کر سکتی ہے تو تم جن حصوں کو بدلنے کے قابل سمجھتے ہو۔ انہی میں سے سب کی نہیں صرف دس آیات کی مثل پیش کر دو۔ بنی اسرائیل آیت $\frac{1}{89}$ میں سارے قرآن کی مثل کا مطالبہ ہے سورۂ ہود کی زیر تفسیر آیت میں دس آیات کا، بقرہ $\frac{۳}{۲۳}$ اور یونس $\frac{۴}{۳۹}$ میں ایک سورۃ کا اور سورۂ طور $\frac{۲}{۳۵}$ میں ایک سورۃ کی بھی شرط نہیں خواہ وہ ایک بات ہی بنا کر لے آئیں۔ نزول سور کی ترتیب سے ظاہر ہے کہ مطالبات میں فرق اس طرح نہیں کہ پہلے زیادہ سورتوں کا مطالبہ ہوا جب کفار اسے پورا نہ کر سکے ہوں تو مطالبہ کم کر دیا گیا ہو کیونکہ نزول کے لحاظ سے سورۃ طور سب سے پہلے کی ہے دوسرے اتنے مطالبات کی موجودگی میں یہ سوال ہے کہ اب کفار کے سامنے ان میں سے کونسا مطالبہ پیش کیا جاوے سو جاننا چاہیئے کہ جہاں بھی قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ ہے ساتھ ہی مال و دولت اور طاقت و قوت کا بھی ذکر آیا ہے۔ سوائے سورۂ بقرہ (مدنی) کے کہ اس میں سورۂ یونس (مکی) کے مطالبہ کو دوہرایا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو خزانہ قرار دیا ہے اور مخالفین کے مطالبہ خزانہ کے جواب میں اسے پیش کیا ہے۔ لولا انزل علیہ ملک کا بھی یہی جواب دیا ہے کہ اس پر تو کلام اُتر چکا ہے اور یہی ملائکہ کا کام ہے اور اس کلام کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت کے طور پر اس کا بے مثل ہونا پیش کیا ہے۔

جہاں زیادہ کلام کا مطالبہ ہے وہاں کفار کی طرف سے خزانوں یا ملک کے مطالبہ کے جواب میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور جہاں تھوڑے کلام کا مطالبہ ہے وہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا گیا ہے کہ کیا کفار خزانوں کے متولی ہیں اگر ایسا ہے تو اس خزانہ قرآن کے ایک حصہ کا ساہی بنا لائیں۔ ایسا اس لیئے

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

پس وگروہ تمہاری یہ بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ علوم کا خزانہ جو تم پر اتارا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے خاص علم پر مشتمل ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی ہستی بھی پرستش کے لائق نہیں پس (۱۵) کیا تم کامل فرمانبردار بنو گے یا نہیں۔

بقیہ صفحہ ۴۲۷ ۔ کہا گیا ہے کہ بعض پہلو قرآن کے بے مثل ہونے کے ایسے تھے جن کے متعلق کفار کو سوال کا بھی خیال نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے خود سوال اٹھا کر جواب دے دیا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت و لقد صرفنا فی ھذا القرآن من کل مثل میں بتایا تھا کہ قرآن سب انسانوں کے متعلق ہے اور اس میں ہر ضروری دینی مسئلہ پر سیر کن بحث کی گئی ہے گویا اس میں تکمیل کا دعدہ تھا۔ اس لئے وہاں سارے قرآن کی مثل کا مطالبہ کیا۔ آیت زیر تفسیر میں دس سورتوں کا مطالبہ اس لئے ہے کہ مخالف کو مقابلے کے کئی موقعے دیئے جائیں۔ سب سورتوں کے مقابلہ کا چیلنج اس لئے نہیں دیا کہ اس وقت اعتراض صرف بعض حصوں پر تھا۔ جیسا کہ وَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ سے ظاہر ہے۔ سورۂ یونس آیت ۳۹ کا مطالبہ پہلے دونوں مطالبوں سے اس لیے کم ہے کہ یہ اپنے ایک دعویٰ کے ثبوت کے لئے تھا نہ کہ کفار کے کئے اعتراض کی تردید میں۔ اس آیت سے پہلے دعویٰ تھا کہ سب تصرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اس کے ثبوت میں قرآن کی پانچ صفات کو پیش کیا اور بتلایا کہ اس میں ایسی تعلیم ہے جو انسان بنا ہی نہیں سکتا۔ پہلی کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ان کو مکمل کرتی ہے۔ یہ کلام محفوظ اور انسانی دست برد سے پاک ہے اس کی تعلیم تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لئے ہے اور فرمایا۔ اگر ایسا نہیں تو کوئی ایسی سورۃ پیش کرو جو ان باتوں میں قرآن کی ایک سورۃ یونس ہی کا مقابلہ کر سکے۔ سورۂ طور میں سب سے چھوٹا مطالبہ ہے اور صرف ایک مثال کا ہے یہ بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں ہے (طور ۵۲ تا ۱۲ ۹) سورۂ طور کی اس آیت میں کئی پیشگوئیاں تھیں۔ فرمایا اگر یہ کلام بناوٹی ہے تو اس قسم کی پیشگوئی خود کر دو یا پہلی الہامی کتب ہی سے دکھا دو۔ سورۂ بقرہ میں بھی ایک ہی سورۃ کا مطالبہ ہے اور اس میں بھی اپنے دعویٰ ہی کی مثل طلب کی گئی ہے۔ اور وہ دعویٰ یہ ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ کتاب اعلیٰ روحانی مدارج تک پہنچاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کے روحانی اثر کا مقابلہ کر لو۔ اور کوئی ایک ہی سورۃ لے آؤ جو روحانی تاثیرات میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب مختلف مطالبات ہیں جو سب ہی بیک وقت پیش کئے جا سکتے ہیں۔

ف۱۵ فرمایا ان کا قرآن کی مثل نہ لا سکنا ثابت کر دے گا کہ یہ کلام الٰہی علوم پر مشتمل ہے اور انسان از خود یہ علوم دریافت نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ خدا ایک ہے۔ وہ نہ اور خدا ہوں تو وہ اس چیلنج پر چپ کیوں رہیں۔ جمع مخاطب کی ضمیر کے استعمال سے بتایا ہے کہ یہ مطالبہ ہر زمانہ کے لیے ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝

(جو لوگ اس ورلی زندگی کے سامان اور اس کی زینت کو (اپنا) مقصود بنائیں گے۔ انہیں ہم ان کے اعمال (کے پھل) اسی زندگی میں پورے کے پورے دیدیں گے اور انہیں اس میں کم نہیں دیا جائے گا۔ (۱۶)

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ وہ (لوگ) ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ وہ اس ورلی زندگی کی خاطر کر رہے ہیں وہ سب ضائع ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اب کر رہے ہیں وہ بھی اکارت جائے گا۔ (۱۷)

أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پس کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہے اور اس کی صداقت کا ایک گواہ اس (یعنی خدا تعالیٰ) کی طرف سے آگے اس کی پیروی کرے گا اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی جو لوگوں کیلئے امام اور رحمت تھی وہ ایک جھوٹے مدعی جیسا ہو سکتا ہے؟ وہ (یعنی موسیٰ کے پیچھے پیرو) اس پر بھی ضرور ایمان لاتے ہیں اور ان مخالف گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے گا تو دوزخ کی آگ اس کے ٹھکانہ کی جگہ ہے پس اے مخاطب تو اس کے متعلق کسی قسم کے شک میں نہ پڑ۔ وہ یقیناً بالکل حق ہے (اور) تیرے رب کی طرف سے ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لایا کرتے۔ (۱۸)

---

۱۶ یعنی دنیا کا ملنا دینی حالت پر منحصر نہیں۔ صرف اصول طبعیات پر عمل سے دنیا مل سکتی ہے اس لئے اس کا ملنا خدا رسیدہ ہونے کی علامت نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ دوسرے نشان ساتھ ہوں اعمالھم فیھا میں یہ اشارہ ہے کہ جن اعمال میں دین کو شامل کر لیا گیا ہو مگر منشاء الٰہی کے مطابق نہ ہوں ان کا بدلہ نہیں ملتا۔

۱۷ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا چونکہ ان کے اعمال دنیا کے لیے تھے اور دنیا میں بدلہ مل گیا۔ اس لئے آخرت میں کام نہ آئیں گے۔

۱۸ مامور من اللہ کی صداقت کے تین دلائل ہوتے ہیں۔ (۱) اندرونی شہادت یعنی مدعی کی ذات میں اس کی سچائی کا ثبوت ہونا (۲) اس کی صداقت کے تازہ ثمرات جو اس کی تعلیم کو قابل عمل اور غیر منسوخ شدہ ثابت کریں اور اس پر عمل کی تحریک کریں۔ (۳) اس کے متعلق گزشتہ پیشگوئیاں۔

یہاں ان تینوں دلائل کو پیش کیا گیا ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ اول نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں دوسرے جب پہلے دلائل قصہ کی طرح ہو جائیں گے تو اس کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّھِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّھِمْ ۚ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝

اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ پر جھوٹ باندھے۔ ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور تمام گواہ کہیں گے (کہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔ سنو! ان ظالموں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ہے۔ (۱۹)

الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ؕ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝

جو اللہ تعالےٰ کی طرف پہنچنے کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے ہیں۔ اور اس کی کجی چاہتے ہیں اور یہی لوگ پیچھے آنیوالی (گھڑی) کے انکار سب سے بڑے منکر ہوتے ہیں۔ (۲۰)

اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَھُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ۝

یہ لوگ ملک میں (الٰہی سلسلوں کو) عاجز کر دینے والے نہیں ہوتے اور نہ ہی (اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر ان کے کوئی) دوست و مددگار ہوتے ہیں۔ ان کو دوہرا عذاب دیا جاتا ہے (دنیا) میں بھی اور آخرت میں بھی)۔ وہ کچھ بھی سن نہیں سکتے۔ اور نہ وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ (۲۱)

بقیہ صفحہ ۳۹ - خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک گواہ آجائیگا یہی زمانہ ہے جس میں خود مسلمانوں تک نے بعض حصص قرآن کو ناقابلِ عمل قرار دیا ہے دوسرے خود مسلمان نسخ آیات کے قائل ہو گئے ہیں تیسرے علوم جدیدہ کے ماہرین قرآن پر اعتراض کر رہے ہیں چونکہ شاہد کی ضرورت بھی ایسے ہی وقت میں ہوا کرتی ہے اس لیے اس کے دیر سے آنیکا جواب بھی اسی میں آگیا۔ خلفاء راشدین شاہد نہیں تھے۔ کیونکہ ان کا یہ دعویٰ ہی نہیں تھا اس جگہ خصوصیت سے مسیح موعود کا ذکر ہے) تیسرے گزشتہ نبیوں نے بھی اس کی خبر دی ہے جیسے موسیٰؑ کی کتاب ہے کہ وہ امام ہے یعنی لوگوں کو کھینچ کھینچ کر ادھر لاتی ہے اور رحمت ہے کیونکہ قرآن کا ماننا اس نے آسان کر دیا ہے۔ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ میں حضرت نبی کریم صلعم مخاطب نہیں ہیں۔ کیونکہ اوپر یہ ذکر آچکا ہے۔ کہ مندرجہ بالا دلائل سے بعض لوگ ایمان لا چکے ہیں پھر جس پر وہ دلائل اُترے ہیں وہ کیسے شک کر سکتا ہے۔

۱۹ یعنی جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والے سب سے زیادہ ظالم ہیں۔ اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اس لیے ان کی پہچان مشکل نہیں۔

۲۰ یعنی وہ لوگوں کو صرف ایمان لانے سے نہیں روکتے بلکہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کا حسن مخفی رہے۔

۲۱ وما کان لھم..... اولیاء یعنی خدا تو ان کا دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر اسکے غضب کی وجہ سے ان کے دوست بھی ان کے کام نہیں آسکتے۔ ضعف کے معنے دوگنا کے اور زیادتی کے ہیں (۱) یعنی انہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسوں کے متعلق گھاٹے میں رہیں گے اور جس (دعا) کیلئے وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے وہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہیگا (۲۲)

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ○

یہ اٹل بات ہے کہ آخرت میں وہی سب سے زیادہ گھاٹا پانے والے ہوں گے (۲۳)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

جو (لوگ) ایمان لائے اور انہوں نے نیک اور مناسب حال عمل کیئے اور اپنے رب کی طرف جھک گئے۔ وہ یقیناً بہشت (میں رہنے) والے ہیں۔ وہ اس میں رہا کریں گے۔ (۲۴)

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○

ان دونوں گروہوں کی حالت ایک اندھے اور بہرے اور ایک بینا اور خوب سننے والے کی حالت کی طرح ہے۔ کیا ان (دونوں) کی حالت برابر ہو سکتی ہے (تو) کیا پھر (بھی) تم نہیں سمجھتے۔ (۲۵)

ع ۲

—— اپنے گناہوں کا بھی اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ان کا بھی عذاب ملیگا۔ دوسرے چونکہ انہوں نے بدی کا بیج پھیلایا ہوگا۔ ان کا عذاب بڑھتا جائے گا۔ آخر میں فرمایا ان سے پہلے سچے اور جھوٹے نبی گذر چکے ہیں۔ مگر وہ نہ ان انبیاء کے انجام کو دیکھتے ہیں نہ ان کے حالات کو سنتے ہیں۔

۲۲ یعنی ان کا فریب خود انہی کے خلاف پڑے گا۔

۲۳ یعنی دنیا میں وہ انبیاء کو بھی کچھ تکلیف پہنچا لیتے ہیں۔ مگر آخرت میں صرف وہی گھاٹا پانے والے ہونگے۔

۲۴ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ کمالات روحانیہ کے لیے صرف ایمان اور اعمال صالحہ کافی نہیں۔ خدا تعالیٰ سے محبت اس پر اعتماد اور اس کی طرف رجوع بھی ضروری ہے۔

۲۵ یہاں کافر کو اندھا اور بہرا اور مومن کو بینا اور سننے والا قرار دیا ہے۔ کیونکہ بینا نور کو دیکھ لیتا ہے فوراً مقصود چیز تک پہنچ سکتا ہے اور اپنے اور پرائے میں فرق کر سکتا ہے۔ مگر اندھے کی حالت برعکس ہوتی ہے اسی طرح مومن خدائی نور یعنی کلام کو پہچان لیتا ہے، فوراً منزل کو پالیتا ہے، اور یہ نہیں کرتا کہ ایک سچائی کی تائید کے لیے دوسری کو جھٹلائے۔ پھر سننے والا دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس لئے مومن فائدہ اٹھا لیتا ہے مگر کافر محروم رہ جاتا ہے۔ اندھے اور بینا اور بہرے اور سننے والے کا مقابلہ کر کے بتایا ہے کہ الہام اور معجزات کا دروازہ کھلا ہے اور سمیع وہی ہے جو الہام کو سنتا ہے اور بصیر وہی ہے جو معجزات کو دیکھتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَـكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ

اور یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا جس پر اس نے انہیں کہا تھا کہ میں یقیناً تمہیں کھول کھول کر آگاہ اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (۲۶)

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ

(اس پیغام کے ساتھ) کہ تم اللہ (تعالیٰ) کے سوا کسی ہستی کی پرستش نہ کرو (میں) یقیناً تم پر ایک بڑی تکلیف دینے والے دن کے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں۔ (۲۷)

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰٮكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰٮكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ

اس پر ان بڑے لوگوں نے جنہوں نے اس کی قوم میں سے اس کا انکار کیا تھا اسے کہا کہ ہم تجھے اپنے جیسے ایک آدمی کے سوا (کچھ) نہیں سمجھتے اور نہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سوائے ان لوگوں کے جو سرسری نظر میں ہم میں سے حقیر نظر آتے ہیں کسی نے تیری پیروی (اختیار) کی ہو۔ اور ہم اپنے پر تمہاری (کسی قسم کی) کوئی فضیلت نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں، کہ تم جھوٹے ہو۔ (۲۸)

---

۲۶ اب مندرجہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں چند مثالیں دیتا ہے۔

(۱) سچا نبی **نذیرٌ مبین** ہوتا ہے۔ یعنی اس کی تعلیم مخفی نہیں ہوتی۔ دوسرے اس کا انذار دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ (۳) اور حقیقت حال سے آگاہ کرتا ہے کیونکہ اس وقت قوم فی الواقعہ خراب ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے بیان سے فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے ہرج نہیں ہوتا کیونکہ علاج ساتھ موجود ہوتا ہے مگر جھوٹوں کے انذار صرف مایوسی پیدا کرتے ہیں۔

۲۷ گو عذاب بھی الیم ہوتا ہے مگر جو دن الیم ہو اس کی یاد بعد کے لوگوں کے لیے بھی عبرت کا موجب ہوتی ہے اس لیے **عذاب یوم الیم** کہکر بتایا کہ وہ عذاب ہمیشہ یاد رہنے والا ہوگا۔

۲۸ کفار ہمیشہ نبی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کمال کی بنیاد علوم کسبیہ پر ہے لیکن تو ہمارے جیسا بشر ہے یعنی تیری ظاہری شکل ہم جیسی ہے اور تو ان علوم سے محروم ہے پھر تجھے خاص طاقتیں کیسے مل سکتی ہیں۔ اور اگر تیری عزت کسبی علوم سے نہیں موہبت سے ہے تو پھر باطنی طاقتوں کے ساتھ تیری ظاہری شکل میں بھی تغیر چاہیئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے باقی رہے تیرے مرید سو وہ ہم سے بھی گئے گذرے ہیں۔ بادی الرآی یعنی (۱) پہلی نظر میں تو وہ رذیل دکھائی دیتے ہیں باطن میں شاید اشراف ہوں۔ (۲) ان لوگوں نے بغیر غور کئے مانا ہے اور (۳) ماننا بھی صرف ظاہر میں ہے۔ **وما نریٰ لکم علینا من فضل** پھر مان بھی لیا جائے کہ تجھ میں کوئی پوشیدہ خوبی تھی تو ظاہری فضل (یعنی شان و شوکت) حاصل ہونی چاہیئے تھی مگر ایسا بھی نہیں اس لئے تو جھوٹا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ
عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ
عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ
لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝
وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ
اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝
وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ
اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اس نے کہا اے میری قوم ذرا بتاؤ تو سہی کہ اگر ثابت ہو جائے کہ میں اپنے دعویٰ کی بنا اپنے رب کی طرف سے عطا شدہ کسی کھلے نشان پر رکھتا ہوں اور اس نے اپنے حضور سے مجھے ایک بہت بڑی رحمت عطا کی ہے اور وہ تم پر مشتبہ رہی ہے تو تمہارا کیا حال ہوگا (۲۹) کیا ہم اس روشن نشان کو ماننا تم پر جبراً واجب کر دینگے اگرچہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اے میری قوم! میں اس کی بابت تم سے کوئی مال نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ملنے والا ہے۔ اور میں ان لوگوں کو جو مجھ پر ایمان لائے ہیں ہرگز نہیں دھتکار دونگا۔ وہ تو اپنے رب سے ملنے کا شرف پانیوالے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر (۳۰) بات یہ ہے کہ میں تمہیں ایسے لوگ خیال کرتا ہوں جو جہالت سے کام لیتے ہیں۔ اور اے میری قوم اگر میں ان کو رد کر دوں تو اللہ کی طرف سے آنیوالی اس فعل کی سزا سے مجھے بچانے کیلئے کون میری مدد کریگا پھر کیا تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرو گے۔

۲۹ یعنی فرض کرو جو تعلیم مجھے دی گئی ہے وہ سچی ہے تو پھر سوچو کہ تم بغیر غور و تحقیق کے کیسے سمجھ سکتے ہو۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ جو بغیر غور و تحقیق کے کسی امر کا انکار کرتا ہے وہ حق سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس آیت سے جبری تبلیغ کے عقیدہ کی تردید بھی ہوتی ہے۔

۳۰ حضرت نوحؑ نے اپنی صفائی پیش کی ہے کہ جھوٹی تعلیم تو کوئی کسی غرض کے لیے پیش کر سکتا ہے مگر میں تو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ اعتراض ہو کہ انبیاء ایک قسم کی حکومت چاہتے ہیں جو انہیں مریدوں پر حاصل ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم پر خود سب سے زیادہ عمل کرنے والے ہوتے ہیں اس لیے ان کے کام حاکمانہ نہیں کہلا سکتے۔ نوحؑ نے مریدوں کی یہ کہہ کر برات کی کہ میرے نزدیک امیر و غریب برابر ہیں اس لیے جو ایمان لا چکے ہیں ان کو غربت کی وجہ سے کیسے دھتکار دوں۔ اصل دولت تو ایمان کی ہے پھر یہ لوگ مجھ سے کچھ لے نہیں رہے صرف خدا کے طالب ہیں تو ان پر بدظنی کر کے کیوں یہ خیال کروں کہ ان کا ایمان صرف ظاہری ہے۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ یعنی مومنوں کی قربانیاں دیکھ کر بھی تمہارا یہ کہنا کہ ان کا ایمان ظاہری ہے اور یہ کہ ہمیں تم پر اخلاقی فضیلت حاصل نہیں تمہاری جہالت ہے انھم ملٰقوا ربھم میں بتایا کہ تم تو کہتے ہو ما نریٰ لکم علینا من فضل لیکن وہ واصل باللہ ہو رہے ہیں۔

۳۱ یعنی مجھے تم سے نہیں خدا سے غرض ہے پھر تمہارے لیے اس کو کیسے ناراض کر لوں۔ اور ایمان والوں کو نکال دوں۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میرے پاس ہیں۔ اور نہ یہ کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے متعلق جنہیں تمہاری آنکھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کبھی کوئی بھلائی نصیب نہیں کرے گا۔ جو کچھ ان کے نفوس میں ہے اسے اللہ ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس صورت میں (۳۲) میں یقیناً یقیناً ظالموں میں سے ہوں گا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ اے نوحؑ تو ہم سے خوب بحث کر چکا ہے اور تو ہم سے بہت دفعہ بحث کر چکا ہے۔ اب تو اگر راستبازوں میں سے ہے تو باتوں کو جانے دے اور جس عذاب کا تو ہمیں (۳۳) وعدہ دیتا ہے اسے ہم پر لے آ۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

اس نے کہا اسے صرف اگر اللہ ہی چاہیگا تو لائے گا اور تم (اسے اس کے) لانے سے ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔ (۳۴)

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور اگر میں (ذاتی طور پر) تم سے خلوص کا تعلق رکھنا چاہوں (بھی) تو میرا تم سے خلوص رکھنا تمہیں (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لیے) کوئی نفع نہیں پہنچائیگا اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہو کہ تمہیں ہلاک کرے وہ تمہارا رب ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۵)

---

۳۲ یعنی تم معترض ہو کہ میں بشر ہوں حالانکہ پیغامبر کے لیے مختلف الماہیت نہ ہونا ضروری ہے خدا یا ملک ہونے کا تو میں خود دعویدار نہیں۔ اتباع کے متعلق بتایا کہ آج وہ بے شک غریب ہیں مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ کل وہ خوشحال نہیں ہو جائیں گے۔ نیز انسان رذیل تو دل کی ناپاکی سے ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ان کے دل پاک ہیں اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ ناحق وعدہ کرنے والا بھی اور کسی پر بلا وجہ فتویٰ لگانے والا دونوں ظالم ہوتے ہیں۔

۳۳ کفار نے دلائل سے لاجواب ہو کر عذاب کا مطالبہ کر دیا حالانکہ وہ نوحؑ کے متبعین کی کامیابی کا لازمی نتیجہ تھا۔

۳۴ یہاں وعیدی پیشگوئیوں کے متعلق بتلایا ہے کہ (۱) ان کے اوقات عام طور پر مخفی رکھے جاتے ہیں (۲) اِنْ شَاۗءَ کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ ٹل بھی جاتی ہیں۔ (۳) اصولی فیصلہ کہ خدا کے خاص بندے غالب ہوں گے کسی صورت نہیں ٹلتا۔

۳۵ یعنی میرا اخلاص خدا تعالیٰ کی محبت سے بہرحال زیادہ نہیں ہے، اس لیے جب وہ ہلاک کرنا چاہے تو میری مرضی اس کے تابع ہے مگر اس پر بھی اعتراض نہیں کیونکہ وہ تمہارا رب ہے اسلیے جو تمہارے لیے بہتر ہے اسنے وہی فیصلہ کیا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ۝

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (عذاب وغیرہ) کو اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے؟ تو انہیں کہہ کہ اگر میں نے اسے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے تو میرا یہ خطرناک جرم ضرور مجھ پر ہی وبال لائیگا اور تمہارے جرموں کا وبال مجھ پر نہیں ہوگا کیونکہ جو خطرناک جرم تم کرتے ہو اس سے (۳۶) میں بری ہوں۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا تیری قوم میں سے (اب) کوئی اور شخص تجھ پر ایمان نہیں لائیگا۔ اس لئے جو (کچھ) وہ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے تو افسوس (۳۷) نہ کر۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ (۳۸)

اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے حکم کے مطابق کشتی بنا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا ہے انکے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کر۔ وہ ضرور ہی غرق کئے جائینگے۔

۳۶؎ نوحؑ سے کہلوایا کہ اگر میں مفتری ہوں تو خدا تعالےٰ مجھے خود پکڑ لے گا۔ تم کیوں فکر کرتے ہو تمہیں سوچنا چاہیئے۔ کہ جب میں ان تمام گناہوں سے بری ہوں۔ جن میں تم مبتلا ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں سب سے بڑے گناہ یعنی خدا پر افتراء کا مرتکب بنوں۔ ممکن ہے کہ یہاں جملہ معترضہ کے طور پر فرمایا ہو کہ اے نبی لوگ کہیں گے کہ پچھلی باتیں نوحؑ کی کہی ہوئی نہیں ہیں بلکہ تو نے بنا لی ہیں، تو کہدے کہ اگر میں مفتری ہوں تو اس کی سزا خدا سے پاؤں گا۔

۳۷؎ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ نوح علیہ السلام اس وقت تک اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی جس دعا کو بد دعا کہا جاتا ہے۔ اگر وہ بد دعا تھی پھر بھی حکم الٰہی کے ماتحت تھی۔ خدا تعالےٰ کے فیصلۂ عذاب کے بعد دعا اس لئے تھی کہ نبی الٰہی رحمت کو وسیع دیکھ کر وعید کے ٹلنے کی دعا کرتا رہتا ہے۔ جب نوحؑ نے دیکھا اب تاخیر مفاد دین کے خلاف ہے تو الٰہی فیصلہ کے اجرا کی درخواست کر دی۔

۳۸؎ عین کے معنے گھر کے لوگوں کے بھی ہیں۔ اور نبی کے تمام رشتے چونکہ روحانی ہوتے ہیں اس لیے اس میں متبعین سے مدد لینے کا حکم ہے۔ "بِأَعْيُنِنَا" سے یہ مراد نہیں کہ خدا تعالےٰ کے بھی گھر والے ہوتے ہیں بلکہ نبی کے سچے متبع چونکہ خدا تعالےٰ کے بھی پیارے ہو جاتے ہیں وہ ان کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے۔ عین کے معنے حفاظت کے بھی ہیں اس لیے مطلب یہ بھی ہے کہ ہماری حفاظت میں یہ کام کر۔ بِاَعیُنِنَا میں جسمانی کشتی کی طرف اشارہ ہے اور وَ وَحْيِنَا میں روحانی کشتی یعنی تقویٰ کی طرف۔ لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا سے پتہ لگتا ہے کہ نوحؑ کی بد دعا اپنی طرف سے نہیں تھی ورنہ ان کو دعاءِ خیر سے کیوں روکا جاتا۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۗ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۞

اور وہ کشتی بناتا تھا اور جب بھی اس کی قوم میں سے کوئی بڑے لوگوں کی جماعت اس کے پاس سے گزرتی تو اس پر ہنستی (جس پر) اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر آج تم لوگ ہم پر ہنستے ہو تو کل ہم بھی تم پر ہنسیں گے۔ جیسا کہ آج تم ہم پر ہنستے ہو۔ (۳۹)

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۞

پھر جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون فریق ہے جس پر ایسا عذاب آ رہا ہے۔ جو اسے رسوا کر دے گا۔ اور جس پر ڈیرا ڈال دینے والا عذاب نازل ہو رہا ہے۔ (۴۰)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۞

یہاں تک کہ جب ہمارا (عذاب کا) حکم آ جائے اور چشمے پھوٹ کر بہہ پڑیں تو اس وقت ہم فرمائیں گے کہ اس میں ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے ایک جوڑا یعنی دو مختلف فردوں کو اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے اس فرد کے جس کی ہلاکت کے متعلق اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہمارا قطعی فرمان جاری ہو چکا ہو اور نیز جو لوگ تجھ پر ایمان لائے ہیں انہیں اس میں سوار کر لے اور ان کے ساتھ رہائش اختیار کرتے ہوئے سوار (قلیل التعداد کے کوئی اس پر ایمان نہ لائے تھے)۔ (۴۱)

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

اور جب طوفان آ گیا تو ہمارے حکم سے اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا یا اس کا ٹھہرایا جانا اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے ہی ہوگا۔ میرا رب یقیناً یقیناً بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (۴۲)

---

۳۹ چونکہ دنیا اپنے مصائب کا علاج صرف عقل سے تجویز نہیں کر سکتی۔ اس لیے اللہ مامور بھیجتا ہے مگر لوگ ان کی باتوں پر ہنسی اڑاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ مامور تو آتے ہی ایسی باتیں بتانے کے لیے ہیں جو انسان خود معلوم نہیں کر سکتا۔

۴۰ عذابٌ یخزیہ میں بتایا کہ ان کے عذاب میں رسوائی کا پہلو بھی ہوگا۔ لوگوں کو ان پر رحم نہیں آئے گا۔

۴۱ فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (قمر ۱۳/۵) اور آیت ۴۵ یا ارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی سے ظاہر ہے کہ بادلوں کا پانی زمینی سوتوں کے پانی سے مل کر موجب عذاب ہوا تھا۔ من کل زوجین سے مراد وہی جانور ہیں جو نوح کے گھر میں تھے کیونکہ لفظ کل انہی افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو عرف عام میں اس کے نیچے آ سکیں نہ کل افراد دنیا پر جیسے ملکہ سبا کے متعلق آتا ہے اوتیت من کل شیء مگر وہاں کل کے معنی سب نہیں کیے جاتے۔ زوجین میں تقلیل پر زور دیا ہے کہ جوڑوں سے زیادہ نہ ہوں اس سے بھی ظاہر ہے کہ حکم صرف ضروری اشیاء کا تھا۔

۴۲ بعض قراءتوں میں مُجْرِيهَا وَمُرْسِيهَا آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جو اس کا چلانے والا اور ٹھہرانے والا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور وہ ایک پہاڑوں کی طرح اونچی موج میں انہیں لے جا رہی تھی اور اسی اثنا میں نوحؑ نے اپنے بیٹے کو ورا آنحالیکہ وہ اس سے علیحدہ ایک دور جانب میں تھا۔ پکار کر کہا اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔ (۴۲)

قَالَ سَاٰوِيْ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

اس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ پر جا ٹھہرونگا اور پناہ لوں گا جو اس پانی سے مجھے بچا لیگا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کے حکم سے آج کوئی بھی کسی کو بچانیوالا نہیں ہو سکتا سوائے اسکے جس پر وہ آپ رحم کر دے اور اسی اثنا میں پانی کی لہر ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ غرق کئے جانیوالوں میں شامل ہو گیا۔ (۴۳)

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور زمین سے بھی کہدیا گیا کہ اے زمین تو اب اپنے پانی کو نگل جا اور آسمان سے بھی کہ اے آسمان تو اب تو برسنے سے رک جا اور پانی کو جذب کر دیا گیا اور یہ معاملہ ختم کر دیا گیا۔ اور وہ کشتی جودی پر جا کر ٹھہر گئی۔ اور کہہ دیا گیا کہ ان ظالم لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔ (۴۵)

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

اور نوحؑ نے اس وقت اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا یقیناً میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بھی یقیناً نہایت سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بڑھکر بہتر اور درست فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۴۶)

---

۴۳ بیٹے کے متعلق بعض نے اختلاف کیا ہے مگر جب قرآن نے اسے نوحؑ کا بیٹا قرار دیا ہے اور کوئی قرینہ اس کے خلاف نہیں تو ضرور وہ ایسا رشتہ دار تھا جس کے لئے بیٹے کا لفظ بولنا چاہیئے۔

۴۴ بیٹے کے یہ کہنے سے کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوحؑ کی جائے رہائش پہاڑی وادی میں تھی ایسی جگہ میں پانی کا چڑھ آنا خلافِ عقل نہیں۔

۴۵ بُعْدًا قریب ہونے کے مخالف معنی دیتا ہے۔ اور انسان کے لئے آئے تو اس کے معنی ہلاکت ہو جانے کے بھی ہوتے ہیں۔

۴۶ حضرت نوحؑ نے اجتہادی غلطی کھائی اور سمجھا کہ اہل سے مراد تمام اہل خانہ ہیں۔ اس لیے الٰہی عہد کا واسطہ دے کر دعا کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ بیٹا غرق ہو جائے پھر بھی (میں یہی سمجھوں گا کہ) تیرے وعدے سچے ہیں کیونکہ تو احکم الحاکمین ہے۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○

فرمایا اے نوحؑ! وہ تیرے اہل میں سے ہرگز نہیں اور تمہاری کا یہ دعا یقیناً ایک نادرست اور بے محل کام ہے پس جس چیز کی بھلائی یا برائی کا تجھے کچھ علم نہیں وہ مجھ سے مت مانگ۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں (تا) کہ تو کہیں جہالت دکھانیوالوں میں سے نہ بنے۔ (۴۷)

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(نوحؑ نے کہا) اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے آئندہ کوئی ایسی چیز مانگوں جس کی بھلائی یا برائی کا مجھے کچھ علم نہ ہو اور اگر تو میری یہ غلطی مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہو جاؤنگا۔ (۴۸)

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

(اس پر اسے کہا گیا کہ) اے نوحؑ! تو ہماری طرف سے عطا شدہ سلامتی اور طرح طرح کی برکات کے ساتھ جو تجھ پر اور جو لوگ کہ تیرے ساتھ ہیں ان میں سے کئی جماعتوں پر نازل کیجاتی ہیں اتر جا اور بعض جماعتیں ایسی بھی ہیں جنہیں ہم ضرور دنیا کا عارضی سامان عطا کرینگے مگر پھر ان پر ہماری (۴۹)

---

۴۶ یہاں بتایا کہ تیرا حقیقی اہل وہی ہے جو مومن ہو۔ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ سے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دعا بے محل ہے اور یہ بھی کہ بیٹے کے اعمال بے محل اور تقوی سے خالی تھے ان تکون من الجٰهلین میں یہ اشارہ ہے کہ پیشگوئیاں کئی معنی رکھتی ہیں جن کی حقیقت وقت پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے آئندہ تجھے پیشگوئیوں کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینا چاہیے۔ فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم میں بتایا کہ انسان نہیں جانتا کہ جو وہ مانگ رہا ہے اس کے لیے بہتر ہے یا نہیں اس لئے دعا یہ ہونی چاہیے کہ اگر یہ بہتر ہے تو مل جائے ورنہ اس سے دل پھر جائے نبی کریم صلعم کی دعا استخارہ اسی حکمت پر مبنی ہے یہ مطلب بھی ہے کہ ایسی چیزوں کے متعلق دعا نہیں کرنی چاہیے جن کا سمجھنا انسانی احاطہ علم سے باہر ہو اس کا ثبوت کہ نوحؑ سے فی الواقعہ خدا تعالے کا وعدہ تھا یہ ہے کہ نوحؑ کے سوال کے جواب میں اس نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا کب وعدہ تھا بلکہ یہ فرمایا کہ تیرا بیٹا حقیقی اہل نہیں تھا دوسرے حکم الا من سَبَقَ عليه القولُ (آیت ۴۱) میں ایک استثناء فرمایا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں ایک وعدہ تھا۔

۴۷ نوحؑ نے حکم ملنے پر صرف اپنے قول سے رجوع نہیں کیا بلکہ آئندہ بھی ایسی غلطیوں سے بچنے کی دعا کی۔ نوحؑ نے پیشگوئی سمجھنے میں اجتہادی غلطی کھائی تھی جو گناہ نہیں بشری کمزوری ہے اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء کا استغفار بشری کمزوریوں سے بچنے کے لیے ہوتا ہے۔

۴۸ اس آیت سے ظاہر ہے کہ نوحؑ کے علاوہ دوسروں کی بلکہ ان پر ایمان لانیوالوں کی نسلیں بھی چلیں لیکن پیدائش باب کے مطابق صرف نوحؑ کی نسل چلی۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ ؕ فَاصْبِرْ ۛ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۠﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

یہ (ذکر) بیانِ غیب کی (اہم) خبروں میں سے ہے جنہیں ہم تجھ پر وحی کے ذریعہ سے نازل کرتے ہیں نہ تو ان کو اس سے پہلے جانتا تھا اور نہ تیری قوم (ہی) جانتی تھی۔ پس تو صبر سے کام لے (اچھا) انجام یقیناً تقویٰ اختیار کرنے والوں کا (ہی) ہوتا ہے۔ (۴۹)

اور عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہود کو (رسول بنا کر) بھیجا اس نے (یہ حکم پاکر) انہیں کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں ہے (اس کے شریک مقرر کرنے میں) تم محض افترا کرنے والے ہو۔ (۵۰)

ع ۴

۵۰؎ ان واقعات کو اخبار غیبیہ قرار دے کر بتایا کہ ان کا بیان آئندہ کے لیے بطور پیشگوئی ہے۔ اور حضرت نوحؑ کے مشابہ واقعات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آنے والے ہیں جبھی فرمایا تو صبر کر انجام متقیوں کا ہی اچھا ہوگا یعنی تیری قوم کا بھی ایک حصہ تباہ ہوگا اور تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے نئی نسل چلے گی۔ واقعہ نوحؑ کے مشابہ واقعات پر مبنی روایات دنیا کے ہر حصہ عظم میں ملتی ہیں (دیکھو انسائیکلوپیڈیا ببلکا) اور روایات کا اس قدر اتفاق کہ بعض جگہ ناموں تک کا مل جانا بتاتا ہے کہ ایسا واقعہ ہوا ضرور ہے مگر یہ درست نہیں کہ طوفانِ نوحؑ سب دنیا پر آیا تھا نہ یہ درست ہے کہ یہ قصے مختلف واقعات کے متعلق ہیں بلکہ واقعہ ایک ہی ہے لیکن حضرت نوحؑ چونکہ دورِ تہذیب کے انسانِ اوّل ہیں ان کی اور ان کے ساتھیوں کی اولاد جب دنیا میں پھیلی تو یہ قصہ بھی پھیل گیا۔

۵۱؎ یعنی شرک کی تائید میں کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی نہیں ہے یہاں یوروپین محققین نے اعتراض کیا ہے کہ عاد کوئی قبیلہ نہیں۔ کیونکہ کتبوں میں ان کا نام نہیں ملتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عاد مجموعہ قبائل کا نام ہے کسی ایک قبیلہ کا نام نہیں۔ یونان کے جغرافیوں میں ایک قبیلہ کا نام ADRAMITAI لکھا ہے یونانی نام کا پچھلا حرف اسم پر دلالت کرتا ہے اصل نام "ادرم" ہے اور چونکہ یونانی میں عین نہیں ہے اسے بھی الف لکھا گیا ہے اس لیے "ادرم" اصل میں عدرم ہے جو عادِ ارم سے بگڑا ہوا ہے اس سے مراد حضر موت نہیں کیونکہ وہ شہر کا نام ہے اور یہ قبیلہ کا دوسرے حضر موت کو یونانی میں ——— ADRAMOTITAI لکھتے ہیں۔

قرآن کی رُو سے (۱) عاد کا ایک قبیلہ ارم تھا وہ اونچی عمارتیں بناتے تھے اور ان کی زبردست حکومت تھی (الفجر ۸۹/۹) (۲) وہ قومِ نوح کے خلفاء بعد ہوئے تھے (اعراف ۷/۶۹) (۳) وہ MONUMENT بناتے تھے (شعرا ۲۶/۱۲۹) (۴) ان کی تاریخ پوشیدہ ہو گئی ہے (احقاف ۴۶/۲۶) (۵) ان کا مقام احقاف تھا (احقاف ۴۶/۲۲) (۶) ان کی تباہی آندھی سے ہوئی جس سے ان کے مکان زیر خاک ہو گئے تھے۔ اس آیت سے خیال پڑتا ہے کہ ابھی زیر خاک ان کے آثار باقی ہیں۔ جبھی فرمایا فتری القوم فیہا صرعٰی۔ (الحاقۃ ۶۹/۷)

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

اے میری قوم اس کام کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگونگا۔ میرا اجر اس ہستی کے سوا جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور کسی کے ذمہ نہیں ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے (۵۲) کام نہیں لوگے (اور باوجود اس کے ایمان نہیں لاؤ گے)۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ
تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ
عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً
اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
مُجْرِمِيْنَ ○

اور اے میری قوم تم اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف کامل رجوع اختیار کرو۔ ایسا کروگے تو (وہ تم پر خوب برسنے والا بادل بھیجے گا اور تمہاری موجودہ قوت کے ساتھ (مزید قوت شامل کرکے) تمہیں قوت میں (اور بھی) بڑھائے گا۔ اور تم جرم کی راہ اختیار (۵۳) کرتے ہوئے میری طرف پیٹھ نہ پھیرو۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ
وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا
عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ○

انہوں نے کہا اے ہود تو ہمارے پاس (اپنے دعویٰ کا) کوئی روشن ثبوت نہیں لایا اور ہم (محض) تیرے کہہ دینے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے نہیں ہیں اور نہ (ہی) (۵۴) ہم تیرا کہا ماننے والے ہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ
اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ
اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ
بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○

(تیرے متعلق) ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھ پر کوئی آفت ڈال دی ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو (اس بات کا) گواہ ٹھہراتا ہوں۔ اور تم (بھی) گواہ رہو۔ کہ جس کو تم (اللہ) (۵۵) کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بیزار ہوں۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا
ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○

(یعنی اس خدا کے سوا دوسرے معبودوں سے) پس اس لیے تم سب (۵۶) (اکٹھے ہو کر) میرا مقابلہ کرو اور مجھے مہلت (بھی) نہ دو

---

۵۲ اس آیت میں بندوں سے استغنا اور خدا کے حضور عجز اور اس پر توکل کا اظہار ہے فطرنی کہکر بتایا کہ خدا سے مانگنا عزت نفس کے خلاف نہیں کیونکہ وہ خالق ہے۔

۵۳ اس آیت میں بتایا ہے کہ نبی کی پیروی سے قوموں کی ظاہری حالت بھی اچھی ہوجاتی ہے جبھی فرمایا قوت پر اور قوت ملے گی۔

۵۴ حضرت ہودؑ کے اخلاص پر انہوں نے شک کیا۔ اور سمجھا ہم پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ حیرت ہے مشرک انبیاء سے دلائل طلب کرتے ہیں حالانکہ خود ان کا عقیدہ ایسا ہے کہ اس کی ایک بھی دلیل نہیں۔

۵۵-۵۶ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ میں بتایا کہ تم نے عقلی دلائل سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لیے اب میں خدا تعالے کی عملی شہادت پیش کرتا ہوں اور اس سے دعا کرتا ہوں کہ سچ اور جھوٹ میں فیصلہ کردے۔ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ تم کہتے ہو بتوں نے میرا دماغ خراب کردیا ہے میں تمہارے بتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ اس لیے میرے خلاف جو ان سے ہوسکتا ہے کرلیں۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي
وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا
هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ
رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ
مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَ
يَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ
رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝
وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ
غَلِيظٍ ۝

میں نے یقیناً اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے بھروسہ
کیا ہے (۵۷) زمین پر کوئی بھی چلنے والا (جاندار) ایسا نہیں کہ وہ
اس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے نہ ہو میرا رب یقیناً سیدھی راہ پر کھڑا
(اور اپنی طرف آنیوالوں کی حفاظت کر رہا ہے۔)

پھر اگر تم میری طرف سے پیٹھ پھیر لو تو (اس میں میرا کوئی نقصان نہیں
کیونکہ) جو بات دیکر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا
دی ہوئی ہے) اور (اگر تم ایسا کروگے) تو میرا رب تمہارے سوا کسی اور قوم کو
(پہلوں) کا جانشین بنا دیگا۔ اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا
سکو گے (۵۸) میرا رب یقیناً ہر چیز کا محافظ ہے۔

اور جب ہمارا عذاب کا حکم آگیا تو اس وقت ہم نے ہود کو
اور جو لوگ اس کے ساتھ ہو کر اس پر ایمان لائے تھے ان کو
اس (عذاب سے) اپنی (خاص) رحمت کے ذریعہ سے نجات دی۔ اور ایک
(۵۹) سخت عذاب سے ہم نے انہیں بچا لیا۔

---

۵۷ عرب اظہارِ حکومت کے لیے مفتوحین کے بال کھینچا کرتے تھے۔ یا بطور احسان بال کاٹ کر چھوڑ
دیتے تھے۔
آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ میں یہی اشارہ ہے کہ ہر ایک خدا کے ماتحت اور اس کے زیر احسان ہے۔ رَبِّی
وربکم میں بتایا کہ میرا تعلق تو اس سے ہے جو تمہارا بھی رب ہے پھر مجھے تمہارا کیا ڈر۔ اِنَّ رَبِّی عَلٰی
صراطٍ مُّستقیم یعنی (۱) خدا اُسی کو مل سکتا ہے۔ جو سیدھے راستہ پر ہے (۲) تم مجھے مارنا چاہتے ہو
جیسا کہ لا تنظرون میں اشارہ ہے لیکن خدا تعالےٰ قریب سے قریب راہ سے میری مدد کو آ رہا ہے۔
۵۸ یعنی میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ اس لئے میرا فرض ادا ہو چکا۔ اب تمہارے نہ ماننے سے نقصان
یا پیغام بھیجنے والے کا ہو سکتا ہے یا تمہارا۔ مگر اس نے تمہارے ہی فائدہ کے لیے پیغام بھیجا تھا
اس لئے نقصان بھی تمہارا ہی ہوگا۔
۵۹ انبیاء کے زمانہ میں عذاب چونکہ اتمام حجت کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے عام وقتوں کے
برعکس اس زمانہ میں مومنوں کی خاص حفاظت کی جاتی ہے
عذابِ غلیظ میں یہ اشارہ ہے کہ کافر اس سے بچ نہیں سکیں گے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝

اور یہ (مغرور لوگ عاد کی قوم کے لوگ) تھے۔ انہوں نے (دیدہ و دانستہ) اپنے رب کے نشانوں کا انکار کر دیا۔ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش (اور حق کے دشمن شخص) کے حکم کی پیروی کی۔ (۶۰)

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

اور اس دُنیا میں (بھی) لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے۔ اور قیامت کے دن (بھی) لگا دی جائے گی۔ سنو! عاد نے یقیناً اپنے رب (کے احسانوں) کی ناشکری کی تھی۔ سنو! عاد یعنی قوم ہود کے لئے (قربِ الٰہی سے) دُوری ہے۔ (۶۱)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝

اور ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح کو (بھیجا) تھا۔ اس نے (انہیں) کہا۔ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں ہے اسی نے تمہیں زمین سے اٹھایا اور (بلندی بخشی) اور اس میں تمہیں آباد کیا۔ اس لئے تم اس سے بخشش طلب کرو۔ اور اس کی طرف کامل رجوع اختیار کرو میرا رب یقیناً قریب ہے، (اور دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔ (۶۲)

---

۶۰ تلک میں عاد کی برائی کی طرف اشارہ ہے جس کے باوجود وہ ہلاک ہوئے۔

۶۱ لعنت کا لفظ جب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنے دور کرنے کے ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے۔ لا تنبیہہ کے لئے ہے یعنی سنو سنو عاد نے اپنے رب کا انکار کر دیا۔ (حالانکہ شرفا محسن کے ممنون ہوا کرتے ہیں)

۶۲ چونکہ موسیٰ۔ ہارون۔ یونس۔ زکریا وغیرہ عربی نام بغیر ترجمہ کے قرآن میں درج ہیں اس لئے "صالح" کو بھی کسی زبان کا ترجمہ نہیں سمجھنا چاہیئے اور چونکہ یہ لفظ عربی ہے اس لیے ثمود عرب تھے اور چونکہ ثمود عاد کے اور عاد قوم نوحؑ کے قائم مقام تھے۔ اس لیے نوح کا عرب ہونا بھی اس سے ثابت ہے تاریخ سے نوحؑ کا مقام عراق ثابت ہے اور وہاں شروع میں عربوں کی حکومت تھی۔ جب نسل انسانی کا آغاز عرب سے ہوا تو ظاہر ہے کہ عربی ہی ام الالسنہ ہے۔ ھُوَ انشاکم من الارض کا یہ مطلب نہیں کہ زمین سے پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ ایسی پیدائش آدم کے بعد نہیں ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہیں ادنیٰ حالت سے اُٹھایا ہے اور چونکہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی رہتی ہے اس لئے جس نے خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کیا۔ خود بخود اپنی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔ قریب میں یہ اشارہ ہے۔ کہ وہ چاہے تو جلد سزا دے سکتا ہے اور مجیب میں یہ کہ وہ دنیا کے کاموں میں دخل دیتا ہے اور دعائیں سنتا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

انہوں نے کہا اے صالح اس سے پہلے تُو تو ہمارے درمیان (آئندہ کے لیے) امید کی جگہ سمجھا جاتا تھا (اب) کیا تو باوجود اس عقل و دانش کے ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ایسی چیز کی عبادت کریں جس کی ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جس بات کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اس کے متعلق ہم ایک بےچین کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ (۶۳)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝

اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں فی الواقع اپنے دعویٰ کی بنا اپنے رب کی طرف سے (عطا شدہ) کسی روشن ثبوت پر رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے ایک خاص رحمت عطا کی ہے تو باوجود اس کے اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ تعالیٰ کے مقابل پر کون میری مدد کریگا پھر (اس وقت) تو تم مجھے سوائے تباہی میں ڈالنے کے (اور) کسی بات میں نہیں بڑھاؤ گے۔ (۶۴)

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝

اور اے میری قوم! یہ اونٹنی (وہ ہے) جسے اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے لئے (میری سچائی کا) ایک نشان بنایا ہے اس لئے تم اسے آزاد (پھرتی) رہنے دو کہ اللہ کی زمین میں (چل پھر کر) کھاتی (پیتی) اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تمہیں ایک جلد آنیوالا عذاب پکڑ لے گا۔ (۶۵)

---

۶۳ چونکہ شروع میں نہ تفصیلی تعلیم ہوتی ہے نہ پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں اس لیے سُنّت اللہ یہی ہے کہ انبیاء کی قبل از دعوے زندگی کو صداقت کی دلیل بنا دیتا ہے اور ان پر قوم کو امیدیں ہوتی ہیں۔ بیماری سے منہ کا مزہ بگڑ جاتا ہے۔ چونکہ منکروں کے دل خراب ہو گئے تھے جو تعلیم شکوک کے دور کرنے کے لیے آئی تھی۔ اسی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ شبہات پیدا کرتی ہے۔

۶۴ یعنی غور کرو اگر میں فی الواقعہ خدا کی طرف سے ہوں تو اسے چھوڑ کر تمہاری لیڈری میرے کس کام آسکتی ہے۔

۶۵ پہلے زمانہ میں بادشاہ اظہار طاقت کے لیے جانور چھوڑ دیتے تھے۔ اگر کوئی انہیں کچھ کہے، تو وہ سزا پاتا تھا۔ اسی طرح لوطؑ نے اپنی اونٹنی یہ کہہ کر چھوڑ دی کہ اس کو نقصان پہنچانے والا خدائی گرفت میں آئے گا۔

فی الارض کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اونٹنی افتادہ زمین میں چھوڑی گئی تھی۔ سواری روکنے سے مطلب سوار کو روکنا بھی ہوتا ہے اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صالح علیہ السلام نے کہا ہو کہ اس طرح میری تبلیغ میں روک نہ ڈالو۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

اس پر انہوں نے (تلوار سے) اس کی ٹانگیں کاٹ دیں جس پر (صالح نے) ان سے کہا تم تین روز کی مہلت میں اپنے گھروں میں اپنے حاصل شدہ سامانوں سے فائدہ اٹھا لو یہ وعدہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔ (۶۶)

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝

پھر جب ہمارا (عذاب کا) حکم آیا تو ہم نے صالح کو اور اس کے ساتھ جو لوگ اس پر ایمان لائے تھے انہیں بھی اپنی خاص (رحمت کے) ذریعہ سے (اپنے حکم کے نتیجہ سے) اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا۔ یقیناً تیرا رب ہی (۶۷) تمام تر قوت والا اور غلبہ والا ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝

اور جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا تھا انہیں اس عذاب نے پکڑ لیا اور وہ اپنے (اپنے) گھروں میں زمین سے لگے ہوئے ہو گئے۔ (۶۸)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع

گویا انہوں نے ان میں زندگی نہیں گذاری تھی سنو! ثمود نے اپنے رب کے (احسانوں) کی ناشکری کی تھی سنو! (۶۹) ثمود کے لیے (قرب الٰہی) سے دوری ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝

اور ہمارے فرستادے یقیناً یقیناً ابراہیم کے پاس خوشخبری لائے (اور) کہا (ہماری طرف سے آپ کو) سلام ہو اس نے کہا (تمہارے لئے ہمیشہ) سلامتی ہو پھر (اُس نے) (ایک بھنے ہوئے بچھڑے کے لانے میں (کچھ بھی) دیر نہ لگائی۔ (۷۰)

۶۶-۶۷ من خزي يومئذٍ میں بتایا کہ اس عذاب میں خاص پہلو رسوائی کے بھی تھے۔

۶۸ اس عذاب کے لیے رجفہ۔ صیحۃ۔ صاعقۃ اور طاغیہ کے الفاظ قرآن میں استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ صیحۃ۔ صاعقۃ اور طاغیہ کے معنے عذاب کے بھی ہیں اور رجفہ یعنی زلزلہ اس کا ایک ذریعہ ہے۔

۶۹ چونکہ عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ دو قومیں تھیں اس لئے ان کے متعلق تخصیص کے لیے بعداً لقوم عاد کے الفاظ لائے گئے تھے مگر ثمود چونکہ ایک ہی قوم تھی۔ یہاں ساتھ صالح کا لفظ نہیں لگایا گیا۔ (اس نوٹ میں ثمود کی تاریخ کا حصہ چھوڑ دیا گیا ہے اس کے لیے دیکھیں تفسیر کبیر جلد سوم ص ۲۱۸-۲۲۰)

۷۰ یہاں ابراہیمؑ کا ذکر لوطؑ کا ذکر چھیڑنے کے لئے ہے کیونکہ وہ ابراہیمؑ کے متبع نبی تھے ورنہ اس سورۃ میں اصل ذکر انہی قوموں کا ہے جو بالکل تباہ کر دی گئی تھیں۔ ابراہیمؑ کا صدمہ کم کرنے کے لیے ساتھ ہی ایک نیک نسل کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ رسل انسان تھے گو نیکی کی وجہ سے بعض نے ان کو مَلَک کہا ہے جیسے یوسف علیہ السلام کے متعلق بھی ملک کا لفظ استعمال ہوا ہے (دیو سف ۱۲) یہ بشارت براہِ راست

فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝

پس جب اس نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس (کھانے) تک نہیں پہنچتے۔ تو اس نے سمجھا کہ میں نے انہیں نہیں پہچانا اور ان کے رکنے کی وجہ سے خطرہ محسوس کیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو خوف نہ کر ہمیں (تو) لوط کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ (۷۱)

اور اس کی بیوی بھی پاس ہی کھڑی تھی وہ گھبرائی۔ تب ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی (پیدائش کی) بشارت دی۔ (۷۲)

______ اس لئے نہیں دی گئی کہ سنت اللہ یہی ہے کہ المؤمن یبلٰی ویبلٰی

لہ ۔ دوسرے اس میں یہ حکمت ہے کہ وہ لوگ چونکہ مقامی تھے اس لئے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو جو باہر سے آئے ہوئے تھے محفوظ مقام کا پتہ دے سکتے تھے۔ دراصل ان رسل کے ذریعہ وقت انذار کی خبر دی گئی تھی۔ ورنہ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ (ق $\frac{۵۰}{۱۵}$) سے ظاہر ہے کہ انذار پہلے ہو چکا تھا۔ بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا يَمْتَرُوْنَ (الحجر $\frac{۱۵}{۶۴}$) میں بھی خبر لانیوالے مقر ہیں کہ جو خبر آپ دے چکے ہیں اور جس کے متعلق یہ شک میں ہیں ہم اس کا وقت بتانے آئے ہیں۔ سلامًا جملہ فعلیہ ہے اور سلامٌ اپنے محذوف کے ساتھ جملہ اسمیہ بنتا ہے جو جملہ فعلیہ سے معنوں میں قوی ہوتا ہے۔ سلٰمًا کے جواب میں سلامٌ بتاتا ہے کہ جو کوئی دعا کرے اس سے بہتر دعا اس کے لیے کرنی چاہیے۔ یہاں مہمان نوازی کا بھی ایک سبق ہے کہ بغیر مہمان سے پوچھے کہ کھانا کھائیں گے یا نہیں جو موجود ہو پیش کر دیا جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو خاص خوبیاں حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہوئیں ان میں سے ایک مہمان نوازی بھی تھی۔

لے خوف اس لیے تھا کہ شاید مہمان نوازی میں کمی رہ گئی ہے۔ جو وہ کھانا نہیں کھاتے "پہچانا نہیں" اس لیے کہا کہ جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو اس وقت پتہ لگا کہ وہ معمولی مہمان نہیں بلکہ خاص مقصد کے لیے آئے ہیں ورنہ بیابان میں اس کے بغیر گذارہ نہیں۔ اس میں ان کے فرشتہ نہ ہونے کا ثبوت بھی ہے کیونکہ انہوں نے کھانا نہ کھانے کی وجہ یہ نہیں بتلائی کہ ہم فرشتے ہیں کھانا کھایا ہی نہیں کرتے۔

لے ابراہیمؑ کی اہلیہ جب لوگوں پر عذاب کی خبر سے غمگین ہوئیں تو اللہ تعالےٰ نے ان کو اسحاقؑ کے ساتھ یعقوبؑ کی خبر بھی دی۔ یعنی ان کے بنی نوع پر رحم کی وجہ سے ترقی کرنے والی نسل کا وعدہ کیا۔ جب اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خبر بھی تھی تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ غلطی لگ ہی نہیں سکتی تھی کہ ذبح کا حکم اسحاقؑ کے متعلق ہے اس لئے وہ یقیناً ذبیح نہیں تھے۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰىٓ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝

اس نے کہا اے میری رسوائی کیا میں (بچہ) جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی (ہو چکی) ہوں اور یہ میرا خاوند بڑھاپے کی حالت میں ہے یہ (بات) یقیناً یقیناً ایک اچنبھی بات ہے۔ (۷۳)

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

انہوں نے کہا کیا تو اللہ تعالیٰ کی بات پر تعجب کرتی ہے اے اس گھر والو تم پر (تو) اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی ہر قسم کی برکات (نازل ہو رہی ہیں) (پس یہ کوئی اچنبھی بات نہیں) وہ یقیناً بہت ہی تعریف والا اور بزرگ شان والا ہے۔ (۷۴)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝

پس جب ابراہیمؑ سے گھبراہٹ دُور ہو گئی۔ اور اسے خوشخبری ملی تو (اس وقت) وہ لُوطؑ کی قوم کے متعلق ہمارے ساتھ بہت جھگڑتا تھا۔ (۷۵)

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝

ابراہیم یقیناً یقیناً بردبار دردمند دل رکھنے والا اور ہمارے حضور بار بار جھکنے والا تھا۔ (۷۶)

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

(اس پر ہم نے اسے کہا) اے ابراہیم تو اس (دعا) سے اپنا رُخ پھیر لے اب تو تیرے رب کا حکم یقیناً آ چکا ہے اور ان کی یقیناً یہ حالت ہے۔ کہ ان پر ہٹایا نہ جا سکنے والا عذاب آ رہا ہے۔ (۷۷)

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝

اور جب ہمارے فرستادے لُوطؑ کے پاس آئے۔ تو ان کی وجہ سے اسے غم ہوا اور وہ بے بس ہو گیا۔ اور کہا یہ دن (بہت) سخت (چڑھا) ہے۔ (۷۸)

۷۳؎ یہ تعجب نعمت کی عظمت کے اظہار کیلئے تھا نہ کہ اسے ناممکن سمجھنے کی وجہ سے جیسے حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ (الحجر ۵۷)

۷۴؎ یہاں بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے اور قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اس میں بیوی شامل ہے۔

۷۵؎ جب بشارت پا کر ابراہیمؑ کا غم ہلکا ہوا تو محبت الٰہی کا نظارہ دیکھ کر لُوطؑ کی قوم کے بارہ میں بھی درخواست شروع کر دی

۷۶؎ اوّاہ اسے کہتے ہیں جو خوف و محبت میں آہیں بھرنے والا ہو۔

۷۷؎ محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سوال سننے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے کرنے سے ہی روک دیا اور وجہ بھی بتلا دی کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔

۷۸؎ غم اس وجہ سے تھا کہ قوم لُوطؑ نے ان کو اجنبی لانے سے روکا ہوا تھا اسلئے مہمان دیکھ کر ان کو غم ہوا کہ شاید قوم ناراض ہو۔ یہاں لُوطؑ کی شانِ مہمان نوازی بتلائی گئی ہے ؎

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝

اور اس کی قوم (غصہ میں) اس کی طرف بھاگتی کانپتی ہوئی اس کے پاس آئی اور اس سے پہلے بھی وہ لوگ نہایت خطرناک بدیاں کیا کرتے تھے اس نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں تمہارے ہی گھروں میں بیاہی ہوئی ہیں وہ تمہارے اور تمہاری آبرو کے حق میں نہایت پاک دل اور پاک خیال ہیں۔ پس تم اللہ کا تقوٰی اختیار کرو اور میرے مہمانوں کی موجودگی میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں سے کوئی بھی سمجھدار آدمی (نہیں) (۷۹)

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝

انہوں نے کہا تو یقیناً یقیناً معلوم کر چکا ہوا ہے کہ تیری لڑکیوں کے متعلق ہمیں کوئی بھی حق حاصل نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہم چاہتے ہیں۔ اسے تو یقیناً یقیناً جانتا ہے۔ (۸۰)

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝

اس نے کہا کہ کاش مجھے تمہارے مقابلہ میں کسی قسم کی قوۃ حاصل ہوتی (تو میں تم کو تمہاری بدی سے روکتا نہیں تو) بہتر علاج یہ ہے کہ میں ایک قوی ذریعہ حفاظت یعنی خدا کی پناہ (لوں) (۸۱)

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝

انہوں نے یعنی مہمانوں نے کہا اے لوط ہم یقیناً تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔ وہ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچیں گے۔ ان کی تباہی کا وقت آچکا ہے اسلئے تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر تیزی سے یہاں سے چلے جاؤ اور تم میں سے کوئی فرد بھی ادھر ادھر نہ دیکھے اس طرح تم محفوظ رہو گے سوائے تیری بیوی کے کہ جو عذاب ان پر آیا ہوا ہے وہ اس پر بھی یقیناً آنے والا ہے ان کا مقررہ وقت (آمدہ) صبح ہے۔ اور کیا صبح قریب نہیں ہے۔ (۸۲)

---

۷۹ لوطؑ کی بستی والوں کے ہمسایوں سے اچھے تعلقات نہ تھے اس لئے وہ ان سے خائف رہتے تھے۔ اور اجنبیوں کو وہاں آنے سے روکتے تھے حضرت لوطؑ اس خیال سے کہ وہ لٹ نہ جائیں ان رسولوں کو گھر لے آئے اس پر انکی بستی کے لوگ غصہ ہوئے مگر خوش بھی ہوئے کہ بدلہ لینے کا موقع ملا لوطؑ ان لوگوں کے آنے پر ڈرے کہ مہمانوں کی بے عزتی نہ کریں اور انکی تسلی کے لئے کہا کہ میری بیٹیاں یہاں بیاہی ہوئی ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اس شہر کے خلاف سازش کروں۔ لوگوں کا یہ خیال کہ وہ لوگ ان رسولوں سے بدکاری کی غرض سے آئے تھے غلط ہے کیونکہ ایسا ہوتا تو وہ ان کے آنے سے خفا نہ ہوتے۔

۸۰ چونکہ لوطؑ کی تجویز کہ میرا بدلہ لڑکیوں کو سزا دیکر لے سکتے ہو یرغمال کا رنگ رکھتی تھی اور یرغمال میں لڑکے ہی رکھے جاتے تھے۔ ان لوگوں نے اس کا انکار کیا۔ ان کا کہنا کہ لڑکیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں بتاتا ہے کہ انکی نیت بدکاری کی نہیں تھی ورنہ ایسے شہوت پرستوں کے لیے حق ناحق کیسا۔

۸۱-۸۲ نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ رکن شدید سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور اسکی پناہ لینے کا یہ مطلب ہے کہ جب تم کسی صورت نہیں سمجھتے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

پھر جب ہمارا عذاب کا حکم آیا تو ہم نے (اس بستی) اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا۔ اور اس پر پتھروں کی یعنی تہ بہ تہ رکھی ہوئی، (۸۳) کنکروں والی سخت شدہ مٹی کی بارش برسائی۔ جو تیرے رب کی تقدیر میں ان کے لیے ہی نشاندار اور نامزد کیے (۸۴) ہوئے تھے۔ اور ان محمد رسول اللہ کے زمانہ کے ظالموں سے بھی یہ عذاب دور نہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو نبی بنا کر بھیجا۔ اس نے انہیں کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں اور ماپ اور تول کو کم نہ کیا کرو میں اس وقت یقیناً تمہیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور (علاوہ ازیں) میں یقیناً تمہاری نسبت ایک تباہ کن دن کے عذاب سے ڈر (۸۵) رہا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

اور اے میری قوم تم ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور فسادی بن کر زمین میں خرابی مت (۸۶) پھیلاؤ۔

——— تو پھر میں فیصلہ کے لیے اسے پکارتا ہوں یعنی عذاب مانگتا ہوں۔ لوطؑ کا یہ منشا معلوم کر کے مہمانوں نے عذاب کی خبر سنا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ لوطؑ اور آپؑ کے اہل بچائے جائیں گے۔

۸۳-۸۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ تباہی زلزلہ سے آئی تھی۔ کیونکہ زلزلہ سے زمین اُلٹ بھی جاتی ہے سِجِّيْلٍ۔ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً میں بتایا کہ ازل سے ان پتھروں کے لیے یہی مقدر تھا۔ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ یعنی یہ خبر بطور قصہ نہیں بطور پیشگوئی کے ہے اور ظالموں پر ایسا ہی عذاب آنیوالا ہے بائیبل نے لوطؑ کو لڑاکا مگر قرآن نے نیک لکھا ہے۔ بائیبل نے آنے والوں میں سے ایک کو خدا اور دو کو فرشتے کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے کھانا کھایا قرآن نے ان کو خدا یا فرشتے نہیں کہا پھر بھی ان کے کھانا کھانے کا انکار کیا ہے۔ بائیبل کی رُو سے لوطؑ نے لڑکیوں کو بدکاری کے لیے پیش کیا تھا قرآن کے نزدیک بطور ضمانت پیش کیا تھا کس کا بیان سچا ہے یہ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔

۸۵-۸۶ سے اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ یعنی تنگی کا موجب فقر ہو پھر بھی برا ہے مگر آسودہ حالوں کے لیے اور بھی بُرا ہے۔ عذاب یوم محیط۔ یعنی اس دن کا عذاب بالکل تباہ کر دینے والا ہوگا۔ حضرت شعیبؑ مدین قوم کی طرف آئے تھے۔ مدین حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام ہے۔ ان کی اولاد بھی ان کے نام کی مناسبت سے مدین ہی کہلائی۔ ان کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین ہے جو خلیج عقبہ کے پاس

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

اگر تم سچے مومن ہو تو یقین جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے پاس باقی چھوڑا ہوا مال ہی تمہارے لئے بہتر اور مبارک ہے اور میں تم پر کوئی محافظ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (۸۷)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝

انہوں نے کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ جس چیز کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے ہیں اسے ہم چھوڑ دیں یا اس بات کو ترک کر دیں کہ اپنے مالوں کے متعلق ہم جو چاہیں کریں تو تو یقیناً بڑا ہی عقل مند اور سمجھدار آدمی ہے۔ (۸۸)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ

اس نے کہا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو سہی اگر ثابت ہوا کہ میں اپنے دعویٰ کی بنا اپنے رب کی طرف سے عطا شدہ کسی روشن دلیل پر رکھتا ہوں اور اس نے اپنے حضور سے مجھے اچھا اور پسندیدہ رزق دیا ہے تو کل خدا کے حضور تم کیا جواب دو گے؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکوں اس سے تم رک جاؤ اور خود میں تمہارے خلاف ایسی بات کا قصد کروں میں تو سوائے اس حد تک اصلاح کے جس کی مجھ

—— عرب کی جانب سمندر کے قریب چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے موسیٰؑ واقعہ قتل کے بعد بھی اور بنی اسرائیل کو لے کر بھی وہاں ٹھہرے تھے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس جگہ ہجرت فرمائی اس کا نام مدینہ ہے اور یوں آنحضرتؐ کو موسیٰؑ سے ایک مماثلت ہے۔ حضرت شعیبؑ موسیٰؑ کے خسر نہیں تھے موسیٰؑ کی بعثت شعیبؑ کی قوم کی تباہی کے بعد ہوئی تھی (ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا اعراف ع ۱۳) اس نوٹ میں تاریخی تفاصیل چھوڑ دی گئی ہیں (دیکھیں تفسیر کبیر جلد سوم ۲۳۴-۲۳۸)

ڪ بَقِيَّتُ اللّٰهِ یعنی جو مال خدا کی اجازت کے ماتحت ملا ہو یا جو قابلیتیں ترقی کے لیے اس نے دی ہوں ان کا استعمال ٹھگی کے کاموں سے بہتر ہے وما انا علیکم بحفیظ یعنی اگر میری نصیحت نہ مانو گے تو میری وجہ سے تم عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ باوجود دشمنی کے ان کے چال چلن کی وجہ سے لوگ انہیں خیر و برکت کا موجب سمجھتے ہیں۔

ڪ یعنی نماز پڑھ پڑھ کر تمہاری عقل ماری گئی ہے کیا ہم سب کام چھوڑ کر تمہاری طرح صرف نمازیں ہی پڑھتے رہیں۔ حضرت شعیبؑ نے انہیں دوسروں سے مال لینے سے روکا مگر وہ کہتے ہیں ہم اپنے اموال کے متعلق جو چاہیں کریں۔ گویا ان کو اپنے اور دوسرے کے مال میں تمیز نہیں رہی۔

إِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

طاقت جو کچھ نہیں چاہتا۔ اور میرا توفیق پانا اللہ تعالیٰ ہی کے فضل اور رحم سے وابستہ ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں بار بار جھکتا ہوں (۸۹)

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ أَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ أَوْ قَوْمَ هُوْدٍ أَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝

اور اے میری قوم دیکھنا کہیں تمہاری مجھ سے دشمنی تمہیں یہ بات حاصل نہ کرا دے کہ تم پر ویسی ہی مصیبت آئے جیسی کہ نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر مصیبت آئی تھی۔ اور لوط کی قوم (تو) تم سے کچھ ایسی (بڑی) دور کے زمانے کی بھی نہیں ہے۔ (۹۰)

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

اور تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو (اور) پھر اس طرف کامل رجوع اختیار کرو۔ میرا رب یقیناً بار بار رحم کرنے والا (اور) بہت ہی محبت کرنیوالا ہے۔ (۹۱)

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۚ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝

انہوں نے کہا اے شعیب جو کچھ تو کہتا ہے اس میں سے بہت سا حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور ہم تجھے اپنے درمیان یقیناً یقیناً ایک کمزور آدمی سمجھتے ہیں اور اگر تیرا گروہ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ اور تو بذاتِ خود ہماری نظر میں کوئی قابلِ عزت وجود نہیں ہے۔ (۹۲)

قَالَ يٰقَوْمِ أَرَهْطِيْٓ أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۚ إِنَّ رَبِّيْ

اس نے کہا اے میری قوم کیا میرا گروہ اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہاری نظر میں زیادہ قابلِ عزت ہے۔ اور اسے تم نے بھلاتے ہوئے بالکل پیٹھ کے پیچھے کیا ہوا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو

---

۸۹ حضرت شعیب نے جواب دیا کہ ناز نہیں خدا تعالیٰ مجھے یہ حکم دیتا ہے اور ساتھ بیّنات یعنی دلائل بھی دیتا ہے کیا پھر بھی تمہیں نصیحت نہ کروں۔ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَآ أَنْهٰكُمْ عَنْهُ۔ یعنی جب میں خود اس تعلیم پر عمل کرتا ہوں تو کم از کم میری نیک نیتی ثابت ہے۔ باقی إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ۔ میں نصیحت اصلاح کی غرض سے کرتا ہوں۔ حکومت کرنے کے لیے نہیں۔ وما توفیقی إلا باللہ۔ رہے نتائج تو ان کا نکالنا خدا کے اختیار میں ہے۔

۹۰ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہود، صالح، ابراہیم اور لوط علیہم السلام کے بعد گزرے ہیں لیکن حضرت موسیٰ سے پہلے کیونکہ ان کا ذکر نہیں ہے حالانکہ وہ مدین میں آ کر رہے تھے۔

۹۱ جب انسان بدی سے نیکی کی طرف آتا ہے تو پہلے محاسبہ نفس کر کے اپنی غلطیاں پکڑتا ہے پھر نادم ہوتا ہے انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کیلئے خدا تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا ہے پھر استغفار کرتا ہے یعنی گذشتہ گناہوں سے بچنے کی دعا کرتا ہے اسکے بعد توبہ کرتا ہی ہے اسلامی توبہ ہے اور اس سے گناہ کا دروازہ کھلتا نہیں بند ہوتا ہے۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞

(۹۳) میرے رب نے یقیناً اس کو اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۞

اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر (اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنی جگہ) پر یقیناً کام کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے اور تم بھی (اپنے اور میرے انجام کا) انتظار کرو میں بھی (۹۴) یقیناً تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۞

اور جب ہمارا عذاب کا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اسکے ساتھ یگانگت اختیار کرتے ہوئے اس پر ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے اس عذاب سے بچا لیا۔ اور جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تھا انہیں اس عذاب نے پکڑ لیا۔ اور وہ اپنے اپنے گھروں (۹۵) میں زمین سے لپٹے ہوئے ہو گئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۞

گویا وہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین کے لیے بھی (خدا کی جناب سے) دوری ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ثمود (خدا کی جناب) (۹۶) سے دور ہو گئے تھے۔

ع ۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞

اور ہم نے موسیٰ کو یقیناً یقیناً اپنے ہر قسم کے نشان اور روشن (۹۷) دلیل دے کر بھیجا تھا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۞

(ہم نے اسے) فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کی طرف بھیجا تھا تو انہوں نے ہمارے حکم کے خلاف فرعون کے حکم کی پیروی (۹۸) کی اور فرعون کا حکم ہرگز درست نہ تھا۔

۹۲-۹۳ نبی کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ جو کام خدا کی طرف منسوب ہونا چاہیے تھا وہ ان کی قوم کی طرف منسوب ہو اور اس کے اظہار میں قوم کی ناراضگی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ ہمارے نبی کریم صلعم نے بھی بارہا اپنے بلند مقام کے مطابق خدا تعالیٰ کے لیے غیرت کے نمونے دکھائے ہیں۔

۹۴ اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ۔ یعنی مصائب تو مجھ پر ٹوٹ رہے ہیں جب میں صبر کر رہا ہوں تو تم کیوں گھبراتے ہو اور الٰہی فیصلہ کا انتظار نہیں کرتے۔

۹۵-۹۶ صیحۃ سے مراد عام عذاب بھی ہو سکتا ہے اور زلزلہ بھی۔

۹۷-۹۸ رومیوں سے پہلے مختلف خاندانوں کے بادشاہ جنہوں نے وادی النیل اور سکندریہ میں حکومت کی ہے فرعون کہلاتے تھے یہ فرعون بھی بنی اسرائیل کی طرح غیر ملکی تھا اس لیے وہ ان کی کثرت اولاد سے ڈرتا تھا کہ کہیں ملک کے اصل باشندوں کے ساتھ مل کر اسے وہاں سے نکال نہ دیں۔ (موسیٰؑ کے تفصیلی واقعات اور

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ○

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے (آگے) چلے گا اور ان کو دوزخ کی آگ میں جا اتارے گا اور وہ ان کے اترنے کا گھاٹ بہت ہی برا ہے۔ (۹۹)

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ○

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے۔ اور قیامت کے دن بھی لگا دی جائے گی، یہ عطا جو انہیں دی جانیوالی ہے، بہت ہی بری ہے۔ (۱۰۰)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ○

یہ تباہ شدہ بستیوں کی خبروں میں سے ایک حصہ ہے۔ ہم اسے تیرے پاس بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض بستیاں ابھی تک (موجود) کھڑی ہیں اور بعض کٹی پڑی ہیں۔ (۱۰۱)

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○

اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر کیا۔ پھر جب تیرے رب کا عذاب کا حکم آگیا تو ان کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا کرتے تھے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور سوائے تباہی میں ڈالنے کے انہوں نے (کسی بات میں) انہیں نہ بڑھایا۔ (۱۰۲)

ــــــ بائیبل و قرآن کے اختلافات کے متعلق ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۲۶۴)

۹۹ اَوْرَدَ کا لفظ پانی پر وارد کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہاں آگ کے لئے استعمال میں یہ اشارہ ہے کہ چونکہ ان کی کوششیں روحانی وجسمانی ذریعہ حیات یعنی پانی کے حصول کی بجائے اسے بند کرنے پر خرچ ہوتی تھیں ان کو ایسی چیز دی جائے گی جو حیات کو تباہ کرنے والی ہوگی۔ مگر گو وہ داخل آگ میں ہوں گے یہ داخلہ ایسا ہی ہوگا جیسا یہاں پانی پر ہوتا ہے یعنی یہی ان کے علاج اور حیات کا موجب بن جائیگا۔

۱۰۰ لعنت کے معنے دوری کے ہیں یعنی اس دنیا میں بھی وہ خدا سے دور رہے اور اگلے جہان میں بھی دور ہی رہیں گے۔

۱۰۱ القرٰی سے مراد بستیاں بھی ہیں اور اہل القرٰی بھی جیسے وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا (یوسف ۱۲/۸۳) سے ظاہر ہے یہاں بتایا ہے کہ ان میں سے بعض کے نشان موجود ہیں اور بعض کے آثار کا بھی پتہ نہیں لگتا گو ممکن ہے کچھ موجود ہوں کیونکہ حصید کے معنے درانتی سے کٹے ہوئے کے ہیں اور اس صورت میں جڑیں باقی رہ جاتی ہیں۔

۱۰۲ یہاں اس قسم کی تقدیر سے انکار کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ بلاوجہ ایک قوم کو ترقی دیتا اور دوسری کو تباہ کر دیتا ہے اور بتایا ہے کہ سزا و (جزا) اعمال کے نتیجہ میں ہوتی ہے فما اغنت عنھم الھتھم

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ

اور تیرے رب کی گرفت جب وہ بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم پر ظلم کر رہی ہوں پکڑتا ہے اسی طرح پر اتمام حجت کے بعد ہوا کرتی ہے اس کی گرفت یقیناً دردناک اور سخت ہوتی ہے۔ (۱۰۰)

جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو اس کے لیے خدا تعالیٰ کی اس گرفت میں یقیناً یقیناً ایک عبرت انگیز نشان پایا جاتا ہے یہ ایک ایسا دن آنیوالا ہے جس کے لئے لوگوں کو جمع کیا جائیگا۔ اور یہ آمنے سامنے ہونے کا دن ہوگا۔ (۱۰۴)

اور ہم اسے صرف ایک گنی ہوئی میعاد تک پیچھے ڈال رہے ہیں۔ (۱۰۵)

ـــــــــ یعنی آگ بھی کچھ فائدہ دے جاتی ہے۔ مگر ان کے بُت کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے۔ ان کو خدا بنانا عجیب حماقت ہے لمّا جاء امر ربّک۔ جب خدا تعالےٰ پول کھولتا ہے پھر پتہ لگتا ہے کہ معبودانِ باطلہ میں کوئی طاقت نہیں۔ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ سے پتہ لگتا ہے کہ بُت ضرر پہنچا سکتے ہیں مگر اس سے مراد غیر ارادی ضرر ہے جس میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۱۰۳ یہاں مندرجہ بالا واقعات کے بیان کی غرض تبلا کر دشمنانِ اسلام کو ہوشیار کیا ہے کہ عبرت حاصل کریں نیز بتایا ہے کہ ظلم (جس سے یہاں شرک مراد ہے) کے نتیجہ میں آنیوالا عذاب بہت زیادہ تباہ کن ہوتا ہے۔

۱۰۴ یہاں آیت سے مراد قیامت کا ثبوت نہیں بلکہ اس کا موجب نصیحت بنناہے۔ اور ظاہر ہے کہ قیامت سے نصیحت وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اُخروی عذاب پر ایمان رکھتے ہوں۔ مَجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ اس دن کے لیے لوگ جمع کیے جائیں گے۔ یعنی وہ دن خود مقصود ہے اور وہ اجتماع بالارادہ اور خاص مقصد کے ماتحت ہوگا اور مقصد یہ ہے کہ اس دن ہر چیز کی حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ چونکہ ہر انسان کے افعال میں پہلے، یا موجود یا آنے والے لوگوں کا دخل ہوتا ہے اس لئے جزا سزا کے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ پس اعمال کی حقیقت کے اظہار کے لیے اور لوگوں کو تسلی دلانے کے لیے کہ مختلف لوگوں کی سزا و جزا میں جو بظاہر غیر واجب تفاوت نظر آتا ہے ایسا کیوں ہے ضروری ہے کہ ایسا اجتماع ہو۔

۱۰۵ اجل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اپنے دائرہ کے اندر آگے پیچھے ہو سکتی ہے اس سے باہر نہیں نکل سکتی جیسے انسانی عمر کا دائرہ ہے۔ دوسرے وہ اجل ہے جو اٹل ہے وہ دنیا کی تباہی سے متعلق ہے۔

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

جس وقت وہ آئیگی کوئی شخص اس خدائے برتر کے اذن کے سوا کلام نہیں کریگا پھران میں سے بعض بدبخت ثابت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔ (۱۰۶)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝

پس جو بدبخت ثابت ہونگے وہ آگ میں داخل ہونگے انہیں کسی وقت لمبے سانس نکل رہے ہونگے اور کسی وقت ہچکی کی حالت کے سانس۔ (۱۰۷)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝

درانحالیکہ وہ اس میں رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں سوائے اس عرصہ کے کہ جو تیرا رب چاہے۔ تیرا رب جو چاہتا ہے یقیناً اسے کر کے رہتا ہے۔ (۱۰۸)

۱۰۶؎ اِلَّا بِاِذْنِهٖ چونکہ لوگوں کو علم ہوگا کہ عالم الغیب کے سامنے عذاب بے معنی ہے وہ بولیں گے نہیں مگر خدا رحیم خود ان کو ایسی باتیں تبلا کر پیش کرنیکا حکم دیگا جو ان کے لیے نفع بخش ہو سکتی ہیں۔

۱۰۷؎ گدھے کی آواز کے پہلے حصہ کو زفیرؔ اور پچھلے کو زھیق کہتے ہیں اس میں منکرین کو گدھے سے تشبیہہ دی ہے کیونکہ انکار یا علوم سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ہوتا ہے یا سچائی کو پہچان کر پھر خوف کھانے کی وجہ سے۔ اور گدھا بزدل بھی ہوتا ہے۔ (المدثر $\frac{۷۴}{۵۱-۵۲}$) اور علوم اسے فائدہ بھی نہیں دیتے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ دوزخ میں آواز دوزخیوں کی ہوگی۔

۱۰۸؎ ہندوؤں کے نزدیک دوزخ و جنت دونوں محدود ہیں یہود کے نزدیک غیروں کے لیے جنت بالکل نہیں اور یہود کے لیے دوزخ قریباً حرام ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک دوزخ و جنت دونوں غیر منقطع ہیں اور اسلام کی رو سے دوزخ ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ اس کا پہلا ثبوت یہی آیت ہے کہ دوزخ کے لیے ماشآء کا لفظ آیا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ خدا جو ارادہ کرتا ہے ضرور پورا کرتا ہے۔ یعنی دوزخ ضرور منقطع ہو جائے گی (۲) آیت لابثین فیها احقاباً بھی اسے محدود وقت کے لیے ظاہر کرتی ہے۔ (۳) ہود $\frac{۱۱}{۱۲۰}$ میں بتایا کہ انسان رحم کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے رحم بہرحال غالب ہوگا۔ (۴) اعراف $\frac{۷}{۱۵۷}$ میں ہے رحمتی وسعت کل شیء (۵) آیت فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر $\frac{۹۰}{۳۰-۳۱}$) سے ظاہر ہے کہ جو عبد بن جائے گا وہ داخلِ جنت ہوگا۔ اور آیت وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سے ظاہر ہے کہ پیدائش انسانی کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ عبد بنے اس لیے ضرور ہے کہ ایک دن سب انسان عبد بن جائیں۔ اور جنت میں چلے جائیں (۶) آیت فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره۔ یعنی جس نے ذرہ کے برابر نیکی کی ہوگی۔ وہ بھی اسے ضرور دیکھے گا۔ پس بعد میں نجات کا ملنا ضروری ہے (۷) آیت فامه هاویه میں جہنم کو ماں قرار دیا ہے مگر ماں کے پیٹ میں بچہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ایک حدیث کے مطابق ایک دن دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

اور جو خوش نصیب ثابت ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں بجز (اس وقت) کے جو تیرا رب چاہے یہ (ایسی) عطا ہے جو کبھی کاٹی نہیں جائے گی۔ (۱۰۹)

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝

پس اے مخاطب جو عبادت یہ لوگ کرتے ہیں اس کے (باطل ہونے اور) برا پھل لانے کے متعلق تو کسی شک (و شبہ) میں نہ پڑ یہ اسی طرح کی عبادت کرتے ہیں جس طرح کی عبادت ان سے پہلے ان کے باپ دادے کرتے تھے اور ہم یقیناً یقیناً انہیں (بھی) ان کا حصہ پورا پورا دیں گے (جس میں سے ہرگز) کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ (۱۱۰)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

اور ہم نے اختلاف کے مٹانے کیلئے یقیناً موسیٰ کو بھی کتاب (تورات) دی تھی پھر کچھ مدت کے بعد اس کے متعلق بھی اختلاف کیا گیا اور اگر وہ رحمت کے وعدہ والی بات جو تیرے رب کی طرف سے پہلے سے ہو چکی ہوئی ہے نہ ہوتی تو انکے درمیان کبھی کا فیصلہ کیا جا چکا ہوتا اور اب تو وہ اس کتاب (یعنی قرآن) کے متعلق بھی ایک بے چین کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں (۱۱۱)

کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ (بخاری و مسلم)

ف۱۰۹ یہاں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا جملہ ادب کے لیے ہے کیونکہ آگے فرمایا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔

ف۱۱۰ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ یعنی ان کی سزا میں شک نہ کر (و) ان کے غیر اللہ کو معبود بنانے کے متعلق شک نہ کر۔ اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ ایک زمانہ میں توحید اتنی پھیل جائے گی کہ یہ سمجھنا مشکل ہو جائیگا کہ کوئی غیر اللہ کو بھی معبود بنا سکتا ہے۔ غلبہ اسلام کے دنوں میں مرکز اسلام میں رہنے والوں کا یہی حال تھا۔

ف۱۱۱ خاتمہ سورۃ پر پھر بتلایا ہے کہ کلام الٰہی ضرور نازل ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ کو جو کلام دیا گیا اس میں بھی ایک اور کتاب کی پیشگوئی تھی مگر لوگوں نے اس میں شبہات پیدا کر لیے۔ وہ فیصلہ جس کا یہاں ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان روحانی ترقی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ رحم کے سلوک کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس لیے سزا جلدی نہیں دی جاتی۔ تا لوگ ہدایت سے محروم نہ رہیں۔ (دیکھیں ذاریات ۵۱/۵۷ اور اعراف ۷/۱۵۷)

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ۔ رحم سے فائدہ اٹھانے کی بجائے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کتاب جھوٹی ہوگی جبھی اس کے انکار پر سزا نہیں ملی۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اور تیرا رب یقیناً یقیناً (ضرور) ان سب کو ان کے اعمال کے پھل پورے پورے دے گا۔ (گو ابھی تک نہیں دیئے) وہ جو کچھ کرتے ہیں اسے وہ یقیناً جانتا ہے۔ (۱۱۲)

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

پس اے رسول تو ان لوگوں کے سمیت جنہوں نے تیرے ساتھ ہو کر ہماری طرف سچا رجوع اختیار کیا ہے اس طرح پر جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے سیدھی راہ پر قائم رہ۔ اور اے مومنو! تم اس حکم کی حد سے نہ بڑھنا جو کچھ تم کرتے ہو وہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے۔ (۱۱۳)

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اور تم ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا ہے نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ کی لپٹ پہنچے گی اور اس وقت اللہ کے سوا تمہارے کوئی دوست و مددگار نہ ہوں گے۔ اور تمہیں (کسی) طرف سے بھی مدد نہیں ملے گی۔ (۱۱۴)

۱۱۲؎ فرمایا۔ لولا کلمة سبقت سے یہ نہ سمجھنا کہ ان کو سزا نہیں ملے گی۔ ہم ان کے اعمال سے واقف ہیں اس لیے ان کو سزا ضرور ملے گی۔ یہاں لمّا کا فعل محذوف ہے جو یہ ہے یُوَفّوا أعمالهم۔

۱۱۳؎ فرمایا فاستقم۔ ہمیشہ بغیر وقفہ خدا تعالیٰ کے احکام پر قائم رہو کما اُمرت اور استقامت اسی طرح ہو جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے مثلاً جب وہ نماز کا حکم دے نماز پڑھو۔ جب چھوڑنے کا حکم دے چھوڑ دو۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اور ساتھیوں کو بھی قائم رکھو۔ ومن تاب معک میں مومنوں کو آنحضرتؐ کے امر کے تابع رکھ کر بتایا کہ معیار عمل وہی ہے جو آپؐ کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا اور ابو علی صاحب عدی کے رؤیا میں دریافت کرنے پر کہ اس کی کس بات نے آپؐ کو بوڑھا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا فاستقم کما اُمرت نے۔ یہ اس لیے تھا کہ اس میں قیامت تک کے توبہ کرنے والوں کی تربیت کی ذمہ داری آپؐ پر ڈالی گئی تھی۔ اور یہی ذمہ داری آپؐ کے متبعین پر ڈالی گئی ہے۔ مگر ساری دنیا کی تربیت بغیر مکمل نظام کے نہیں ہو سکتی۔ آنحضرتؐ نے بھی جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنے کا حکم دے کر اشارہ فرمایا ہے کہ یہ آیت نظام جماعت سے تعلق رکھتی ہے۔ لَا تَطْغَوْا میں بتایا کہ قوم کی خبر نہ لینا ظلم ہے کیونکہ اس سے بدی پھر عود کر آتی ہے۔

۱۱۴؎ یعنی ہمارے مندرجہ بالا حکم کے ماتحت دوسروں کو نہیں سمجھاؤ گے تو وہ ظالم بن جائیں گے۔ اور پھر ان سے تعلق تم کو بھی ظالم بنا دے گا۔

لَا تَرْكَنُوْا میں بتایا کہ ظالم کے پاس کسی کام کے لیے جانا مستحق سزا نہیں بنا دیتا۔ بلکہ اس کے ظالمانہ افعال میں تسکین محسوس کرنا بناتا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ

اور اے مخاطب تو دن کی دونوں طرفوں اور نیز رات کے متعدد اوقات (مختلف اوقات) میں عمدگی سے نماز ادا کیا کر۔ نیکیاں یقیناً بدیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ (تعلیم) اللہ تعالیٰ کی سنتوں کو یاد رکھنے والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ (۱۱۵)

فَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور اس میں صبر و استقلال سے کام لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ہرگز ضائع نہیں کیا کرتا۔ (۱۱۶)

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

پھر تعجب ہے کہ کیوں ان قوموں میں سے جو تم سے پہلے زمانہ میں تھیں ایسے عقلمند لوگ نہ نکلے جو لوگوں کو ملک میں بگاڑ پیدا کرنے سے روکتے۔ سوائے چند ایک کے جنہیں ہم نے ان کے بدیوں سے رکنے اور روکنے کی وجہ سے بچا لیا۔ اور باقی لوگ جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تھا ان مال و متاع کے پیچھے پڑ گئے جس میں کہ انہیں سہولت بخشی گئی تھی اور مجرم ہو گئے۔ (۱۱۷)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝

اور تیرا رب ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کہ ملک کی آبادیوں کو باوجود اس کے کہ ان کے رہنے والے اصلاح کے کام کرنے والے ہوں ہلاک کر دے۔ (۱۱۸)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ

اور اگر تیرا رب اپنی ہی مشیت نافذ کرتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت بناتا۔ اور چونکہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ (۱۱۹)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

سوائے ان کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے اور اسی رحم کا (مورد بنانے) کے لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے اور تیرے رب کا یہ

۱۱۵؎ یہاں مذکورہ بالا ذمہ داریاں بجا لانے کے طریق بتائے ہیں کہ دعا کر کے نیک تغیر پیدا کیا جائے اور نیک نمونہ سے لوگوں کے دل فتح کئے جائیں۔ یہاں ذاتی ترقی کے لیے بھی گر بتائے ہیں ایک یہ کہ جس بدی کی عادت ہو اس کے بالمقابل نیکی کی عادت ڈالی جائے۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ گناہوں کے بد نتائج سے بچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے۔

۱۱۶؎ یعنی استقلال شرط ہے۔

۱۱۷؎ یعنی جب ہمیشہ سے یہ قانون ہے کہ خبر نہ رکھی جائے تو لوگ بگڑ جاتے ہیں۔ پھر کیوں عقلمندوں نے اپنی ذمہ داری نہ پہچانی۔

۱۱۸؎ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) بغیر جرم کے عذاب نہیں آتا۔ (۲) عذاب دور کرنے کا گر یہ ہے کہ قوم آپس میں صلح اور نیکی کا وعظ شروع کر دے۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

فرمودہ یقیناً پورا ہوگا کہ میں جہنم کو یقیناً اس سب جنوں اور انسانوں سے (۱۱۹) جو اختلاف کا موجب بنتے ہیں پُر کر دونگا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور ہم اپنے رسولوں کی خبروں میں سے اس سارے کے سارے کلام کو جس کے ذریعہ سے ہم تیرے دل کو ثبات بخشتے ہیں تیرے پاس بیان کرتے ہیں اور ان خبروں کے ضمن میں تیرے پاس کامل حق اور مومنوں کے لیے ایک تسلی بخش وعظ اور نصیحت (۱۲۰) آئی ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان نہیں لائے انہیں کہدے کہ تم اپنے درجہ کے مطابق (۱۲۱) کام کرتے جاؤ ہم بھی جیسا کہ دیکھتے ہو اپنے درجے کے مطابق کام کر رہے ہیں (۱۲۲) اور تم بھی انجام کا انتظار کرو ہم بھی یقیناً انتظار کر رہے ہیں۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے اور اسی کی طرف اس تمام معاملہ کو لوٹایا جائیگا۔ پس تو اس کی عبادت کر اور اس پر بھروسہ کر اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے تیرا رب ہرگز (۱۲۳) بے خبر نہیں۔

۱۱۹-۱۲۰ ولذلک خلقھم یعنی انسان کو رحم کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ اختلاف کیلئے۔ کیونکہ دوسری جگہ فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۵۷/۵۱) اسی طرح فرماتا ہے ورحمتی وسعت کل شیء (۱۵۷/۷)۔ وتمت کلمۃ ربک:۔ یعنی گو انسان رحم کے لیے پیدا کیا گیا ہے مگر متبعین شیطان کے حق میں پہلے اللہ کا وعدہ کہ لمن تبعک منھم لاملئن جہنم منکم اجمعین (۱۹/۷) پورا ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ انسان رحم کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے گو شیطان کی پیروی کرنے والوں کو پہلے داخل جہنم کیا جائیگا مگر آخر خدا کا وعدہ پورا ہوگا اور انہیں وہاں سے نکال کر داخل جنت کر دیا جائے گا۔

۱۲۱ نبی کریم صلعم کے دل کو اس طرح تسلی ہو سکتی تھی کہ مندرجہ بالا واقعات بطور پیشگوئی ہوتے اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ واقعات بطور پیشگوئی کے تھے بطور قصہ نہیں تھے۔

۱۲۲ یعنی جھگڑنا عبث ہے ہمارے اعمال کے نتائج خود بتا دینگے کہ کون حق پر ہے۔

۱۲۳ یعنی جب ہم جو مصائب کا شکار ہیں نہیں گھبراتے اور الٰہی فیصلہ کے منتظر ہیں تو تم کیوں انتظار نہیں کرتے۔

۱۲۴ یعنی ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا بظاہر ممکن نہیں مگر نتائج کا نکالنا اللہ کے اختیار میں ہے اس لیے یہ ضرور پوری ہوں گی۔ فاعبدہ میں بتلایا کہ خدا کا وعدہ ہو پھر بھی اس کے پورے ہونے کے لیے دعاؤں میں لگ جانا چاہیے تاکہ شامت اعمال اس میں التوا کا موجب نہ بنے۔

آیاتھا ۱۱۲	سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ (۱) میں اللہ تعالیٰ کا نام لیکر جو بیحد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے شروع کرتا ہوں

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ (۲) الٓرٰ یہ حقائق کو روشن کرنے والی کتاب کی آیات ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ اس اپنے مطالب کو خوب واضح کرنیوالے قرآن کو یقیناً ہم نے اتارا ہے (۳) تاکہ تم اس میں عقل اور تدبر سے کام لو۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ (۴) ہم تیرے پاس سر امر کو بہترین طور پر بیان کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اس قرآن کو تیری طرف حقائق پر مشتمل وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے اور اس سے پہلے یقیناً تو ان حقائق سے بے خبروں میں سے تھا۔

نزول و ترتیب:۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ سورۃ یونس میں خدا تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ سلوک کے دو پہلو، سزا اور رحم بیان فرمائے تھے ان میں سے سزا کی تفصیل سورہ ہود میں تھی اور رحم کی اس سورۃ میں ہے۔ پہلے سزا اور پھر رحم کی تفصیل اس لیے ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کے دشمنوں سے اسی ترتیب سے معاملہ ہونے والا تھا اس سورۃ میں یوسفؑ کے واقعات کو تفصیلاً اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلعم کے واقعات کو تفصیل میں بھی یوسفؑ کے واقعات سے مناسبت ہونی تھی۔

۲ـ الٓرٰ کے معنے ہیں میں اللہ دیکھنے والا ہوں یہ اس لئے فرمایا کہ اس سورۃ میں رویت کے مضمون پر زور دیا گیا ہے تِلْکَ کہکر بتایا کہ یہ پیشگوئی تمہیں بعید نظر آتی ہے مگر ایک دن ضرور پوری ہوگی۔ یہ کتاب مبین ہے یعنی اپنے دعاوی کے دلائل رکھتی ہے پہلی کتب کی وضاحت کرنیوالی ہے اور روحانیت کے لیے تمام امور ضروریہ کو بیان کرتی ہے اور پچھلی کتب کی غلطیاں بھی بیان کرتی ہے۔ (اس لیے ان کتب سے اس کا اختلاف ہوجانا ضروری ہے)

۳ـ الکتاب میں بتایا تھا کہ قرآن ہمیشہ لکھا جائیگا اور قرآناً عربیاً میں بتایا کہ وہ ہمیشہ پڑھا بھی جائیگا۔ عربی کا لفظ عَرَبٌ سے نکلا ہے جس کے معنے پھرنے کے اور کثرت کے ہیں اور ع ر ب سے مشتق سب الفاظ میں پھرنے اور کثرت کے معنے پائے جاتے ہیں پس عربی زبان اسی لئے عربی کہلاتی ہے کہ اس کے معنوں میں بہت وسعت ہے اور اس کے مادے بہت زیادہ ہیں اور ہر مادہ بامعنی ہے یہ حقیقت حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمائی ہے کہ عربی ام الالسنہ ہے۔

۴ـ الفاظ ہم بے کم و کاست اصل واقعہ بیان کریں گے میں اشارہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق اختلاف تھا یہ جو فرمایا کہ اس واقعہ کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے تیری طرف قرآن اتارا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آئندہ حالات زندگی کے لیے پیشگوئی تھی جس کے پورا ہونے سے قرآنی وحی کی صداقت پر لوگوں کو یقین حاصل ہونا تھا وان کنت من قبلہ لمن الغفلین یعنی (۱) اصل واقعہ پہلے کہیں بیان نہیں ہوا۔ اس لیے تو اس سے بے خبر تھا۔ (۲) یا تو اس سے بے خبر تھا کہ یہی واقعات تجھے پیش آنیوالے ہیں۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝	(تو یاد کر اس وقت کو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ (یقین مانیئے) میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو بھی (رؤیا میں) دیکھا ہے اور پھر مزید تعجب اس پر کہ میں ان کو اپنے سامنے سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (۵)
قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۶)	اس نے کہا اے میرے پیارے بیٹے اپنی یہ رؤیا اپنے بھائیوں کے پاس نہ بیان کیجیو ورنہ وہ تیرے متعلق ضرور کوئی مخالفانہ تدبیر کریں گے۔ شیطان انسان کا یقیناً کھلم کھلا دشمن ہے۔
وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ	اور جیسا کہ تو نے دیکھا ہے اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدہ کریگا اور (الہٰی) باتوں کی حقیقت بیان کرکے تجھے علم بخشیگا اور تجھ پر اور یعقوب کی تمام حقیقی آل پر اسی طرح اپنے انعام کو پورا کریگا۔

۵ بائیبل نے یوسفؑ کا واقعہ ان کے نسب نامہ سے شروع کیا ہے اور قرآن نے ان کی خواب سے جو انکے حالات کے لئے بطور نقطہ مرکزیہ تھی بائیبل میں سورج اور چاند کا ذکر پہلے ہے اور ستاروں کا بعد میں (پیدائش $\frac{۳۷}{۹-۱۰}$) قرآنی بیان اس کے برعکس ہے بائیبل اور قرآن متفق ہیں کہ ستاروں سے مراد بھائی اور سورج اور چاند سے مراد ماں باپ ہیں اور خود بائیبل مانتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کے عزت پا جانے کے بعد پہلے ان کے بھائی ان سے ملے تھے اور اب ان کے سامنے جھکے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآنی بیان ہی درست ہے سجدہ سے مراد تابع ہونا ہوتا ہے روح المعانی والوں نے اس خیال سے کہ ماں باپ اور بھائیوں کی اطاعت معمولی بات ہے اس تمثیل سے بادشاہ وزیر اور ارکان حکومت مراد لیے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یوسفؑ تو خود بادشاہ کے ماتحت تھے۔ دراصل تاویلوں کی ضرورت نہیں کیونکہ بچپن میں اس خبر کا دیا جانا اور پھر پورا ہو جانا ایک بڑی بات تھی۔ گیارہ ستاروں کی تعبیر گیارہ بھائی ہیں جن کے نام بائیبل میں درج ہیں (پیدائش $\frac{۳۵}{۱۴-۲۲}$)

پہلی مماثلت: حضرت نبی کریم صلعم کو بھی پہلی وحی اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم میں ساری قوم پر فضیلت پانے کی خبر دی گئی تھی چنانچہ آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم اور فرمایا لو کان موسٰی و عیسٰی حیین لما وسعهما الا اتباعی (تفسیر ابن کثیر)

دوسری مماثلت: یوسفؑ نے اپنی رؤیا اپنے باپ کو سنائی تھی۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے ایک بزرگ ورقہ بن نوفل کو۔

۶ بائبل کہتی ہے یوسفؑ نے یہ خواب پہلے بھائیوں کو سنائی (پیدائش $\frac{۹}{۳۷}$) مگر قرآن کہتا ہے پہلے یعقوبؑ کو سنائی مگر بائبل خود مانتی ہے۔ کہ یوسفؑ نے پہلے ایک خواب بھائیوں کو سنائی تھی۔ اور اسی سے وہ متنفر ہو گئے تھے (پیدائش $\frac{۳۷}{۸}$) پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ دوسری خواب بھی انہیں کو سناتے۔

تیسری مماثلت: جیسے یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ نے ہوشیار کیا۔ کہ تیرے بھائی خواب سنیں گے۔ تو تیری مخالفت کریں گے۔ (پیدائش $\frac{۹}{۳۷}$)

ویسے ہی ورقہ بن نوفل نے بھی حضرت نبی کریم صلعم کی وحی سنکر کہا تھا کہ تیری قوم تجھے مکہ سے نکال دے گی۔

كَمَآ أَتَمَّهَا عَلَىٰٓ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْحَٰقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

جیسا کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں ابراہیم اور اسحٰق پر پورا کیا تھا۔ تیرا رب یقیناً بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (۷)

ع

لَّقَدْ كَانَ فِى يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِۦٓ ءَايَٰتٌ لِّلسَّآئِلِينَ ۝

یوسف اور اس کے بھائیوں کے واقعات میں حق کے طالبوں کیلئے یقیناً کئی نشان پائے جاتے ہیں (۸)

إِذْ قَالُوا۟ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰٓ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ ٱقْتُلُوا۟ يُوسُفَ أَوِ ٱطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا۟ مِنۢ بَعْدِهِۦ قَوْمًا صَٰلِحِينَ ۝

(یعنی اس وقت کے واقعات میں جبکہ یوسف کے بھائیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ یوسف اور اسکا بھائی یقیناً ہماری نسبت ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں اس معاملہ میں ہمارا باپ یقیناً کھلی کھلی غلطی میں پھنسا ہوا ہے۔ (۹) اسلئے یا تو یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی اور ملک میں جا کر پھینک دو (ایسا) کرو گے تو تمہارے باپ کی توجہ تمہارے لئے فارغ ہو جائیگی اور اس فعل سے ڈرنے کی وجہ نہیں) اسکے بعد توبہ کر کے تم پھر ایک نیک گروہ ہو جاؤ گے۔ (۱۰)

---

۷ يُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ ٱلْأَحَادِيثِ: یعنی (۱) خواب کے مطابق ظاہر میں کر کے دکھایا جائیگا۔ (۲) تجھے تعبیر رؤیا کا ملکہ بخشیگا یتم نعمتہ علیک: یعنی تجھے مقام نبوت پر کھڑا کریگا۔ قرآن کے برعکس بائیبل کہتی ہے کہ یعقوبؑ نے خواب سنکر یوسف کو ڈانٹا (پیدائش باب ۳۷) ظاہر ہے کہ خواب دیکھنے میں کسی کا اختیار نہیں اور اس کو ڈانٹنا یعقوبؑ کی شان سے بعید ہے۔

چوتھی مماثلت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوبؑ نے اس رؤیا کو آسمانی خیال کیا اسی طرح ورقہ بن نوفل نے نبی کریم صلعم کی وحی کی تصدیق کی اور کہا ھٰذا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللّٰهُ عَلَىٰ مُوسَىٰ۔

۸ یہاں واضح ارشاد ہے کہ یہی حالات آنحضرت صلعم کو بھی پیش آنے والے ہیں اور یہ واقعہ حضورؐ کی صداقت کے نشان بہم پہنچانے کیلئے بیان ہوا ہے نہ کہ بطور قصہ۔

۹ پانچویں مماثلت: آنحضرت صلعم سے بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے ایک چچا نے کہا کہ شرک کے خلاف وعظ تو میں کرتا رہا نبی یہ (یعنی محمد رسول اللہ صلعم) کیسے بن گیا۔ اہل مکہ نے بھی کہا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف ۴۳/۳۲) آخری حصہ آیت سے ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کو ان کے خلاف سخت غصہ تھا۔

۱۰ یہ حضرت یوسفؑ کی نیک صحبت کا اثر تھا کہ ارتکاب جرم کرنے لگے ہیں پھر بھی گناہ کا خوف دل میں ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ گناہ کر کے پھر توبہ کر لیں گے حالانکہ آئندہ کا کیا اعتبار۔ قرآن کی رو سے یوسفؑ کے بھائیوں نے پہلے مشورہ کیا پھر ان کو باہر لے جانے کی کوشش کی۔ بائیبل کہتی ہے کہ یوسفؑ کو آتے دیکھ کر انہوں نے فوراً ارادہ قتل کیا ظاہر ہے کہ بائیبل کا بیان خلاف عقل ہے کیونکہ یکدم ارادہ قتل ناممکن ہے خصوصاً اس حال میں کہ وہ عادی مجرم بھی نہ تھے جبھی بعد میں توبہ کرنے کا ارادہ تھا۔

چھٹی مماثلت: منصوبہ قتل میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت یوسفؑ سے مشابہت ہے (دیکھیں انفال ۸/۳۱)

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ٥

اس پر ان میں ایک بولنے والے نے کہا کہ تم یوسف کو قتل نہ کرو اور اگر ابھی حالی) تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی گہرے کنویں کی تہہ میں ڈال دو کوئی قافلہ کا کوئی شخص اسے دیکھ کر اٹھا لیگا اور بغیر جان لئے تمہارا مقصد پورا ہو جائیگا۔ (۱۱)

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ٥

چنانچہ انہوں نے باپ سے جا کر کہا اے ہمارے باپ آپ کو ہمارے متعلق کیا خدشہ ہے کہ یوسف کے متعلق آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس سے دلی خلوص رکھتے ہیں (۱۲)

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥

کل اسے ہمارے ساتھ سیر کیلئے باہر بھیجئے وہ وہاں کھلا کھائے پیئے گا اور کھیلے گا اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرینگے۔ (۱۳)

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ٥

اس نے یعنی یعقوب نے کہا تمہارا اسے اپنے ساتھ لیجانا مجھے فکرمند کرتا ہے اور میں اس بات سے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسی حالت میں کہ تم اس سے غافل ہو اسے کوئی بھیڑیا ہی نہ آ کر کھا جائے۔ (۱۴)

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ٥

انہوں نے کہا کہ اگر اس بات کے باوجود بھی کہ ہم ایک مضبوط جماعت ہیں اسے بھیڑیا کھا جائے تو خدا کی قسم اس صورت میں ہم یقیناً گھاٹے میں پڑنے والے ہونگے۔ (۱۵)

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥

پھر جب وہ اسے لیگئے اور جا کر انہوں نے اسے کسی گہرے کنویں کی تہہ میں ڈالنے کا متفقہ فیصلہ کر لیا تو ادھر انہوں نے اپنا ارادہ پورا کیا۔ اور ادھر ہم نے اس کی طرف وحی کے ذریعہ سے یہ بشارت نازل کی کہ تو محفوظ رہیگا اور انہیں انکے اس کام سے آگاہ کریگا اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے تھے۔ (۱۶)

۱۱؎ سازش میں مخالفت: جیسے یوسف کے قتل کی ان کے بھائیوں ہی میں سے بعض نے مخالفت کی تھی ویسے ہی مکہ کے بعض لوگوں نے آنحضرت صلعم کے منصوبہ قتل کی مخالفت کی تھی۔

۱۲؎ بائیبل سے پتہ لگتا ہے کہ یعقوب نے خود یوسف کو تحریک کر کے بھائیوں کے پاس بھیجا تھا (پیدائش ۳۷: ۱۲-۱۴) مگر یعقوب کا یہ جانتے ہوئے کہ یوسف کے بھائی ان سے کینہ رکھتے ہیں ایسا کرنا ممکن تھا اس آیت کے الفاظ سے یوسف کی اس وقت عمر گیارہ بارہ سال معلوم ہوتی ہے مگر بائیبل کہتی ہے ۱۷ سال تھی۔

۱۳؎ جنگل میں رہنے والے بالغ کے لئے انا لہ لحفظون کے الفاظ صحیح نہیں ہو سکتے اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس وقت یوسف کی عمر چھوٹی تھی۔

۱۴؎ اس قول سے اس وقت یوسف کی عمر چھوٹی ہونے کا مزید ثبوت ملتا ہے دوسرے یہ پتہ لگتا ہے کہ حضرت یعقوب کو الہاماً سازش کا علم دیدیا گیا تھا جبھی تو انہوں نے وہی الفاظ استعمال فرمائے جو برادران یوسف نے استعمال کرنے تھے۔

۱۵؎ یوسف کے دو بھائی دالی اور نفتالی ان کی ماں کی لونڈی کے بیٹے تھے پھر اپنے محسن زادے سے یہ سلوک مقام عبرت ہے۔

۱۶؎ هم لا يشعرون:- میں یوسف کی حالت عجز کا اظہار ہے کہ اس وقت ان کے بھائیوں کے ذہن میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ کتنے بڑھ جائیں گے۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝
قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ
لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝
وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ
فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝
وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ
فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى
هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

(۱۷) اور عشاء کے وقت وہ روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔
(اور کہا اے ہمارے باپ یقین جانیئے ہم جا کر کھیلنے اور بھاگنا دوڑنے
لگے اور یوسف کو ہم اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو خدا کا کرنا ایسا ہوا
کہ اسے ایک بھیڑیا کھا گیا اور یہ تو ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کو
(۱۸) درست نہیں ماننے کے گو ہم اس میں بالکل سچے ہی کیوں نہ ہوں۔
(اور اسے یقین دلانے کے لیے وہ اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا لائے تھے
(یہ دیکھ کر) اس نے کہا یہ بات درست نہیں بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے
لیے کسی بڑی بات کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہے جسے تم کر گزرے ہو
(۱۹) اب اچھی طرح صبر کرنا ہی میرے لئے مناسب ہے اور جو بات تم بیان کرتے ہو اس کے
تدارک کیلئے خدا تعالیٰ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے اور اسی سے مدد مانگی جائیگی
اور اتنے میں ایک قافلہ آیا اور انہوں نے اپنے پانی لانیوالے آدمی کو بھیجا
اور اس نے اسی کنوئیں پر جا کر اپنا ڈول ڈالا اور جب اسے کنوئیں میں)
(ایک لڑکا نظر آیا تو اس نے قافلہ والوں کو کہا اے قافلہ والو خوشخبری ہو اور
(۲۰) دیکھو یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے اسے ایک تجارتی مال سمجھتے ہوئے چھپا لیا۔
اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا تھا۔

آٹھویں مشابہت: حضرت نبی کریم صلعم کو بھی غارِ ثور میں پناہ لینی پڑی تھی۔ جو باؤلی کی شکل کی ہے نیز حضورؐ کو تین سال کے لیے مکہ کے پاس ایک وادی میں محصور کر دیا گیا۔

نویں مشابہت: حضورؐ کو بھی یوسفؑ کی طرح قبل از وقت دشمنوں پر فتح پانے کی خبر دیدی گئی تھی آیت اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (قصص ۲۸/۸۶) میں بتایا گیا تھا کہ حضورؐ بطور فاتح مکہ میں آئیں گے۔

۱۷؎ عشاءً کے معنے ہیں رات کا ابتدائی حصہ (۲) سورج ڈوبنے سے پو پھٹنے تک کا وقت (۳) سورج ڈوبنے سے خوب تاریکی چھا جانے کا وقت۔

۱۸؎ اس وقت یوسفؑ ۱۷، ۱۸ سال کے ہوتے۔ تو کھیلوں میں حصہ لے سکتے تھے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان کی عمر اس وقت چھوٹی تھی۔ وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ کا فقرہ بولنا جس نے خود ہی ان کے جھوٹ سے پردہ اٹھایا بتاتا ہے کہ وہ عادی مجرم نہیں تھے۔

۱۹؎ پیدائش ۳۷/۳۳ کی رو سے یعقوبؑ کو یوسفؑ کے پھاڑے جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ قرآن اس کا مخالف ہے مگر خود بائبل پیدائش ۴۵/۲۷-۲۸ سے ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو زندہ سمجھتے تھے۔

دسویں مشابہت: - برادرانِ یوسفؑ کی طرح ابوسفیان نے بھی اُحد کے دن جھوٹے طور پر کہہ دیا تھا کہ اِنَّا قَتَلْنَا مُحَمَّدًا۔

۲۰؎ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے وفاداری کی یہ عجیب مثال ہے کہ ادھر انہیں کنوئیں میں ڈالا گیا ادھر سے قافلہ بھیجدیا۔
اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے قیمتی چیز سمجھتے تھے۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۝

اور اسکے بعد جب برادرانِ یوسف کو اسکا علم ہوا تو انہوں نے اپنا غلام بتا کر کچھ تھوڑی سی قیمت یعنی چند گنتی کے درہموں میں اسی قافلہ والوں کے (۲۱) پاس اسے بیچ دیا اور وہ اس قیمت سے بالکل بے رغبت تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۚ

اور مصر کے باشندوں میں سے جس شخص نے اسے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی رہائش کی جگہ باعزت بنا امید ہے کہ یہ لڑکا ہمارے لئے نفع رساں ثابت ہوگا یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لینگے

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اس طرح سے ہم نے یوسف کو اس ملک میں قدر و منزلت بخشی اور ہم نے اسے یہ عزت کا مقام اسلیئے بھی دیا تاکہ ہم اپنی باتوں کی اصل حقیقت کا علم اسے دیں اور اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پورا کرنے پر کامل (۲۲) اقتدار رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو جانتے نہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جب وہ اپنی قوت اور مضبوطی کی عمر کو پہنچا تو ہم نے اسے فیصلہ کرنے کا منصب اور خاص علم بخشا۔ اور تحقیق نیکوکاروں کو ہم اسی طرح (۲۳) جزا دیا کرتے ہیں۔

۲۱؎ یہ بیچنا اس لیے تھا کہ قافلہ والے یوسفؑ کو آزاد سمجھ کر گھر پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ کانوا فیہ من الزّاھدین۔ قیمت سے ان کو غرض نہ تھی۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ بیچنے والے برادرانِ یوسف تھے ورنہ قافلہ والے تو انہیں قیمتی چیز سمجھتے تھے۔ بائیبل کہتی ہے کہ برادرانِ یوسفؑ نے خود انہیں کنوئیں سے نکال کر قافلہ والوں کے پاس بیچا تھا مگر طالمود مرتبہ ایچ پولانیڈ صفحہ ۷۵-۷۶ سے قرآنی بیان کی تصدیق ہوتی ہے مگر بائیبل کا تو یہ حال ہے کہ پیدائش $\frac{۳۷}{۲۵-۲۸}$ میں قافلہ کو اسماعیلیوں کا قرار دیا ہے مگر آیت ۲۸ میں مدیانی سوداگروں کا ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

۲۲؎ یہودی کتب سے یوسفؑ کے خریدار کا نام فوطی فار معلوم ہوتا ہے یہ شاہی گارڈ کا افسر تھا اسلامی حکومت میں بھی حاجب اور کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) سب سے بڑے عہدے سمجھے جاتے تھے۔ ولنعلمہٗ من تاویل الاحادیث یعنی ہم نے ایسا اس لیے کیا کہ تا ایک طرف اسے عزت ملے۔ اور دوسری طرف مشکلات میں پڑ کر روحانیت میں ترقی کر سکے

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ کے بعد لِنُكْرِمَهٗ محذوف ہے اور اس پر لنعلمہٗ سے پہلے کی واؤ دلالت کرتی ہے۔

۲۳؎ قرآنی طریق ہے کہ درمیانی واقعات کو چھوڑ کر انجام کو لیتا ہے۔ اس لئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جوان ہوتے ہی یوسفؑ کو نبوت مل گئی تھی۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝

اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتا تھا اس نے اس سے اس کی مرضی کے خلاف ایک فعل کروانا چاہا اور اس مکان کے تمام دروازے بند کر دیئے اور کہا میری طرف آجا۔ اس نے کہا میں ایسا کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں وہ یقیناً میرا رب ہے اس نے ہی میری رہائش کی جگہ اچھی (۲۴) بنائی ہے بات یہ ہی ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوا کرتے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝

اور اس عورت نے اس کے متعلق اپنا ارادہ پختہ کر لیا اور اس نے اس کے متعلق اپنا ارادہ پختہ کر لیا اور اگر اس نے اپنے رب کا روشن نشان نہ دیکھا ہوتا تو وہ ایسا عزم نہ کر سکتا۔ اسی طرح پر ہوا تاکہ ہم اس سے ہر ایک بدی (۲۵) اور بے حیائی کی بات سے دور کر دیں اور وہ یقیناً ہمارے برگزیدہ اور پاک کئے [illegible]

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور وہ دونوں دروازہ کی طرف دوڑے اور اس کشمکش میں اس عورت نے اس کے کرتے کو پیچھے سے پھاڑ دیا اور جب وہ دروازہ تک پہنچے تو انہوں نے اس عورت کے خاوند کو دروازہ کے پاس کھڑا پایا جس پر اس عورت نے اپنے خاوند سے کہا جو شخص آپ کے اہل سے بدی کا ارادہ کرتا ہے اس کی سزا سوائے اس کے (۲۶) اور کوئی نہیں ہونی چاہیئے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے کوئی اور دردناک عذاب دیا جائے۔

---

۲۴ اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ اس عورت کے فریب میں نہیں آئے رَبِّی سے مراد حاجب نہیں خدا تعالیٰ ہی ہے کیونکہ حاجب کے دل میں یوسفؑ کو عزت دینے کا خیال خدا تعالیٰ نے ہی پیدا کیا تھا۔

۲۵ ھَمَّ بِہٖ کے معنے مضبوط ارادہ کے ہوتے ہیں۔ گو ساتھ ہی یہ اشارہ بھی ہوتا ہے کہ جس کام کا ارادہ کیا وہ پورا نہیں کیا۔ بعض نے اس آیت کے یہ معنے لیے ہیں کہ دونوں نے بدی کا ارادہ کیا۔ مگر پورا نہ کر سکے۔ عورت کے متعلق تو یہ درست ہے مگر اوپر فرما چکا ہے کہ یہ فعل یوسف کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے ان کا ارادہ انکی دلی حالت کے مطابق یہی سمجھنا پڑیگا کہ وہ اس کو نیکی کی راہ پر لگانا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہیں مانی۔

گیارھویں مشابہت:۔ آنحضرتؐ کے دشمنوں نے بھی آپ کو دولت۔ عزت اور عورت کا لالچ دیکر دین سے پھرانا چاہا تھا۔ مگر آپؐ نے جواب دیا کہ اگر وہ سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لا کھڑا کریں تب بھی میں انکی بات نہیں مان سکتا۔

بارھویں مشابہت:۔ جیسا یوسفؑ کے متعلق بعض نے غلطی سے سمجھا کہ وہ کچھ جھک گئے تھے ویسا آیت (۱۷ ۷۵-۷۴) کے بھی بعض نے یہ معنے کئے ہیں کہ آنحضرتؐ کفار کے لالچ دینے پر کچھ جھک گئے تھے۔ حالانکہ اس آیت کے الفاظ ثَبَّتْنٰكَ بتاتے ہیں کہ کفار اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپؐ کے دل کو مضبوط کر دیا تھا۔

۲۶ الفاظ آیت سے ظاہر ہے کہ یوسفؑ کا منشاء دروازہ کھول کر بھاگ جانے کا تھا۔ مگر اس عورت کا ارادہ نہ بھاگنے دینے کا تھا جبھی قمیص پکڑ لی۔ بائیبل کہتی ہے یوسفؑ اپنا پیراہن چھوڑ کر بھاگے مگر عبرانیوں میں عام طور پر ایک کرتے کا رواج تھا اس لئے اس بات کی امید یوسف علیہ السلام سے نہیں کی جا سکتی۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

اس نے یعنی یوسف نے کہا نہیں بلکہ اس نے مجھ سے میری مرضی کے خلاف فعل کروانا چاہا تھا اور اس عورت ہی کے کنبے میں ایک گواہ نے گواہی دی کہ اس عورت کے کپڑے صحیح سلامت ہیں اور اس آدمی کا کرتہ تازہ پھٹا ہوا ہے پس اگر اس کا کرتہ (۲۷) آگے سے پھاڑا گیا ہے تو اس عورت نے سچ کہا ہے اور وہ آدمی یقیناً جھوٹا ہے اور اگر اس شخص کا کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو اس عورت نے جھوٹ (۲۸) بولا ہے اور وہ یقیناً سچا ہے۔
پس جب شوہر نے اس کے یعنی یوسف کے کرتے کو دیکھا کہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو اس نے اپنی بیوی سے کہا یہ جھگڑا یقیناً تمہاری چالاکی سے (۲۹) پیدا ہوا ہے تم عورتوں کی چالاکی یقیناً بہت بڑی ہوتی ہے۔
یوسف! تو اس عورت کی شرارت سے چشم پوشی کر اور تو (اے عورت) اپنے قصور کی بخشش طلب کر۔ یقیناً تو ظالموں (۳۰) میں سے ہے۔

ع
۱۴

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

اور اس شہر کی بعض عورتوں نے ایک دوسری سے کہا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام سے اس کی مرضی کے خلاف برا فعل کروانا چاہتی ہے اور اس کی محبت نے اس کے دل کی گہرائیوں میں گھر کر لیا ہے ہم اس معاملہ (۳۱) میں اسے یقیناً کھلی کھلی غلطی پر دیکھتی ہیں۔

۲۷-۲۸ یہ اس لیے کہ پیچھے سے کرتے کا پھٹنا بتاتا ہے کہ یوسف بھاگنا چاہتے تھے اور وہ عورت روکنا چاہتی تھی۔

۲۹ یہ عزیز کا کلام معلوم ہوتا ہے اس نے حقیقت کھلنے پر بیوی کو صاف کہہ دیا کہ قصور تمہارا ہے اس آیت سے بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ عورت خاص طور پر مکار ہوتی ہے اول تو یہ عزیز کا قول ہے جو حجت نہیں دوسرے عورتیں چونکہ عام طور پر مظلوم ہوتی ہیں ان کو گہری تدابیر کی عادت ہو جاتی ہے اور اس میں قصور مردوں کا ہے۔

۳۰ اس کے برعکس بائیبل کہتی ہے کہ عزیز نے بیوی کی بات کو تسلیم کیا اور یوسف کو مجرم قرار دیا مگر خود بائیبل کی رو سے وہ قید خانہ کے داروغہ مقرر کیے گئے تھے حالانکہ قید خانہ عزیز ہی کے ماتحت تھا پیدائش $\frac{39}{22}$، $\frac{40}{2-4}$ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ عزیز یوسف کو بری سمجھتا۔

۳۱ قد شغفها حبا کہہ کر عورتوں نے اشارہ کیا کہ شدید محبت کی وجہ سے اسے بدنامی کا بھی خوف نہیں رہا۔ انہوں نے عزیز کی بیوی کو بدنام کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جن سے معلوم ہو کہ فعل ابھی جاری ہے۔ لفظ عزیز سے بادشاہ مراد نہیں نزول قرآن کے وقت سرداران مصر کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ وہ عورت بادشاہ کی نہیں حاجب کی بیوی تھی۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ
اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ
اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا
وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا
رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ
وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝
قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ
وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ
وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ
وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝
قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا
يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ
كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ
مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝
فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ

اور جب اس نے ان کے اس منصوبہ کی خبر سنی تو انہیں دعوت کا پیغام
بھیجا اور ان کے لئے ایک خاص مسند تیار کی اور جب وہ آئیں تو
ان میں سے ہر ایک کو کھانا کھانے کے لئے ایک ایک چھری دی اور
(یوسف علیہ السلام سے) کہا کہ ان کے سامنے آ۔ پس جب انہوں نے اس کو
دیکھا تو اسے بہت بڑی شان کا انسان پایا اور اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے
اور کہا کہ یہ شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے بدی کے ارتکاب سے ڈرا ہے۔
(۳۲) یہ بشر ہی نہیں یہ تو صرف ایک معزز فرشتہ ہے۔
تو اس پر عورت نے کہا یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق تم نے مجھے ملامت کی ہے
اور میں نے اس سے اس کی مرضی کے خلاف ایک برا فعل کروانے کی کوشش ضرور
کی تھی مگر اس پر بھی یہ بچا رہا اور اگر اس نے وہ بات جس کا میں اسے حکم دیتی ہوں
(۳۳) نہ کی تو یقیناً اسے قید کر دیا جائیگا اور یقیناً ذلیل ہوگا۔
(یہ سنکر) اس نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب جس بات کی طرف وہ مجھے
بلاتی ہیں اسکی نسبت قید خانہ میں جانا مجھے زیادہ پسند ہے اور اگر ان کی تدبیر
کے بد نتیجہ کو تو مجھ سے نہ ہٹائے گا۔ تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور
(۳۴) جاہلوں میں سے ہو جاؤنگا۔
پس اس کے رب نے اس کی دعا سن لی اور ان کی تدبیر کے بد نتیجہ کو

۳۲؎ عزیز کی بیوی نے اس شبہ کو دور کرنے کے لیے کہ فعل ابھی جاری ہے اس ترکیب سے ان عورتوں کو یوسفؑ کا دیدار کرایا اور وہ ان کی شکل ہی سے سمجھ گئیں کہ یہ ایسا آدمی نہیں۔ ہاتھ کاٹنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان کی سادگی کے نظارہ میں ایسی محو ہوئیں کہ جن چھریوں سے وہ کھانا کھا رہی تھیں بعض کے ہاتھ ان سے کٹ گئے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حیرت سے دانتوں میں انگلیاں کاٹیں۔

۳۳؎ بعض مفسرین کہتے ہیں یوسفؑ اس عورت کی طرف کچھ جھک گئے تھے۔ مگر خود عورت جس کے لیے یہ بیان موجب ذلت بھی ہے ماضی میں اس کی براءت کرکے آئندہ کے لیے بھی شبہ کا اظہار کرتی ہے کہ شاید وہ نہ مانیں تبھی کہا کہ نہ مانا تو قید کرا دوں گی۔

۳۴؎ اَحَبُّ کے معنے زیادہ پیارے کے نہیں کم مکروہ اور کم مبغوض کے ہیں۔ یہاں خود یوسفؑ کی زبانی وضاحت فرما دی۔ کہ وہ فعل بد کے لیے جھکے نہیں تھے۔ یوسفؑ نے ایک تکلیف سے بچنے کے لیے دوسری تکلیف مانگی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ خیر ہی مانگتے تھے کیونکہ خدا تعالیٰ خیر کے ذریعہ بھی مصائب کو دور کر سکتا ہے۔

كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اس سے ہٹا دیا یقیناً وہی ہے جو بہت ہی دعائیں سننے والا اور لوگوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔ (۳۵)

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ع

پھر ان لوگوں کی ان آثار کو دیکھنے کے بعد یہ رائے ہو گئی کہ بدنامی کو دور کرنے کیلئے وہ اسے کم سے کم کچھ وقت کے لئے ضرور قید کر دیں (۳۶)

ع ۴

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور قید خانہ میں اس کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل ہوئے جن میں ایک نے (ان میں) سے یہ کہا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو (اس حالت) (میں) دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں (اور ان دونوں نے اس سے کہا کہ) آپ ہمیں اس کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ہم آپ کو یقیناً نیکو کاروں میں سے سمجھتے ہیں (۳۷)

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اس نے کہا کہ جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ اس حالت میں تمہارے پاس آئیگا کہ تمہارے پاس اس کے پہنچنے سے پہلے میں تمہیں اس خواب کی حقیقت بتا چکا ہونگا (یہ تعبیر رؤیا کی اہلیت مجھ میں اس وجہ سے پائی جاتی ہے کہ میرے رب نے مجھے علم بخشا ہے) میں نے ان لوگوں کے دین کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں چھوڑ دیا ہوا ہے (۳۸)

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

اور میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحق اور یعقوب کی پیروی اختیار کی ہے ہمیں کسی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کا حق نہیں ہے یہ (توحید کی تعلیم کا ملنا) ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا اس کے خاص فضلوں میں سے ایک فضل ہے لیکن اکثر

---

۳۵ یعنی انہیں اس کی طرف سے مایوس کر دیا۔

۳۶ یہ قید دعا کے نتیجہ میں نہیں تھی کیونکہ دعا کا نتیجہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عورتوں کے فریب کو یوسف سے ٹلا دیا گیا۔ آیات سے مراد عزیز کی بیوی کی پھیلتی ہوئی بدنامی ہو گی جس کی وجہ سے مصلحت یوسفؑ کو قید کرنے ہی میں دیکھی گئی۔

۳۷ ان کا یوسفؑ سے خواب کی تعبیر پوچھنا اور محسن کہنا بتاتا ہے کہ قید خانہ والے بھی یوسفؑ کی بزرگی کے قائل تھے۔

۳۸ اسلئے کہ وہ تبلیغ سے گھبرائیں نہیں حضرت یوسفؑ نے ان کو تسلی دی کہ کھانا آنے سے قبل تعبیر بتا دی جائیگی۔ گویا یہ ہوئی مشابہت ہ۔ جیسے یوسفؑ نے تبلیغ کے لیے یہ ترکیب کی کہ ان کی ضرورت پورا ہونے سے پہلے تبلیغ کی تاکہ وہ سننے پر مجبور ہوں اسی طرح آنحضرت صلعم کھانے کی دعوت دے کر پہلے تبلیغ فرماتے اور پھر کھانا کھلاتے۔ ذٰلکما مما علمنی ربی میں یہ اشارہ ہے کہ میرا مذہب چونکہ سچا ہے مجھے اس پر عمل کر کے تازہ بتازہ پھل ملتے رہتے ہیں جن کے منجملہ ایک علم تعبیر رؤیا بھی ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(۳۹) لوگ اس کے احسانوں کا شکر نہیں کرتے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! کیا ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے والے (۴۰) خدا بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ جو یکتا اور کامل غلبہ رکھنے والا ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۝ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

تم اسے چھوڑ کر سوائے چند فرضی ناموں کے جو خود تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بنا رکھے ہیں اور جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس کوئی بھی تو حجت نہیں اتاری کسی کی عبادت نہیں کرتے یاد رکھو فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی درست مذہب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں (۴۱)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو لو اب اپنی اپنی خواب کی تعبیر سنو تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔ اور دوسرے کو سولی دے کر مارا جائیگا پھر پرندے اس کے سر پر سے گوشت وغیرہ کھائیں گے (اور) جس امر کے متعلق (۴۲) تم پوچھتے ہو اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝

اور ان میں سے اس سے جس کے متعلق اس نے یہ سمجھا تھا کہ وہ خلاصی پا جانے والا ہے اس نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا بھی ذکر کرنا پھر شیطان نے اس آزاد شدہ قیدی کو اس کے آقا سے یاد کرنا فراموش کرا دیا اور اس کی اس غفلت (۴۳) کی وجہ سے وہ یعنی یوسف کئی سال قید خانہ میں پڑا رہا۔

ع ۵

۳۹ واتبعت ملۃ اباءی میں بتایا کہ میرا مذہب کوئی نیا نہیں ہے علینا و علی الناس میں بتایا کہ نبوت صرف نبی کے لیے نہیں سب انسانوں کے لئے انعام ہوتی ہے۔

۴۰ حالت قید میں خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ کا بیان یوسفؑ کے باطنی کمالات کا مظہر ہے۔

۴۱ یہاں بتایا کہ جو امور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں ان کے لیے اس کی طرف سے کوئی دلیل اور غلبہ بھی ہونا چاہیئے۔ دین القیم کہکر بتایا کہ دین وہی سچا ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ اور ایسا دین وہی ہو سکتا ہے جو شرک سے بچائے کیونکہ عناصر کو خدا سمجھنے والے انہیں خدمت پر کب لگا سکتے ہیں۔

۴۲ "فیصلہ کر دیا گیا" کہنا اس لیے فرمایا کہ جب خواب بیان کر دیا جائے اور اس کی تعبیر کر دی جائے۔ تو خدا تعالیٰ کو اس کے لیے غیرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بری خوابیں سنانے سے آنحضرت صلعم نے منع فرمایا ہے۔

۴۳ ربہٖ سے یہاں بادشاہ مراد ہے ظن کا لفظ اس لیے فرمایا کہ غیر نبی کی خواب خواہ کتنی بھی اعلیٰ ہو شبہ سے خالی نہیں ہو سکتی۔ شیطان کا لفظ ہر کمزوری کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں نسیان کے لیے ہوا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میں (خواب) میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز و تازہ اور سبز بالیں دیکھتا ہوں اور چند اور بالیں بھی جو خشک ہیں اے سرکردہ لوگو! اگر تم رؤیا کی تعبیر کیا کرتے ہو تو مجھے میری اس رؤیا کے متعلق صحیح حکم بتاؤ۔ (۴۳)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خوابیں ہیں اور ہم لوگ ایسی پراگندہ خوابوں کی حقیقت نہیں جانتے (۴۴)

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝

اور ان دو قیدیوں میں سے اس نے جس نے خلاصی پائی تھی اور جس نے ایک عرصہ کے بعد یوسف کے ساتھ جو اس کا معاملہ گذرا تھا اسے یاد کیا کہا میں تمہیں اس کی حقیقت سے آگاہ کروں گا پس تم اس کی حقیقت دریافت کرنے کیلئے مجھے بھیج دو (۴۵)

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اس نے یوسف سے جا کر کہا کہ اے یوسف اے راستباز! ہمیں ان سات گایوں کو رؤیا میں دیکھنے کے متعلق جنہیں سات دبلی گائیں کھا جاتی ہیں اور نیز سات سبز بالوں اور ان کے مقابل پر چند اور خشک بالوں کو دیکھنے کے متعلق حکم بتائیے تاکہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو بھی تیری صداقت کا علم ہو جائے۔ (۴۶)

۷۴؎ فرعون کو اپنی رؤیا پر اتنا یقین تھا کہ وہ یہی نہیں پوچھتا کہ تعبیر کیا ہے بلکہ یہ بھی پوچھتا ہے کہ تعبیر معلوم ہونے کے بعد کرنا کیا چاہیے۔ یقیناً اسے خدا تعالیٰ نے دلایا تا یوسفؑ کی رہائی کی صورت بن سکے۔

۷۵؎ اضغاث احلام۔ پراگندہ خیال اور "حلم" نیند میں دیکھے ہوئے نظارہ کو کہتے ہیں اور عام طور پر گندے نظارے کے لیے یہ لفظ آتا ہے رؤیا کا لفظ اچھے اور الٰہی خواب کے لیے آتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ الرؤیاء من اللہ والحلم من الشیطان۔

۷۶؎ پرانے زمانے میں مذہبی علماء کا زور ہوتا تھا اور وہی عام طور پر امراء دربار ہوتے تھے اس لیے ان سے تعبیر پوچھا عجیب بات نہیں حضرت یوسفؑ کو چونکہ دوسروں کے ذریعہ ترقی ملنی تھی ان کے لیے خواب بھی دوسروں کو دکھلائی گئی مگر نبی کریم صلعم کو چونکہ براہ راست ترقی ملنی تھی۔ اس کی خبریں بھی براہ راست ہی ملتی رہیں۔

۷۷؎ لعلی ارجع لعلہم یعلمون سے ظاہر ہے کہ یوسفؑ اس کو قید سے روک نہ سکتے تھے اس لیے لعل مخاطب کی طرح کے لیے آیا ہے یعنی میں اس تعبیر کو لیکر جاؤں تو شاید آپ کے لیے رہائی کی صورت بن سکے۔

۷۸؎ تعبیر میں مشابہت:۔ یوسفؑ کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا تعالیٰ نے سات سالہ قحط کی خبر دی جس کے مطابق حجاز میں سات سال قحط پڑا تھا اور پھر آپ ہی کی دعا سے دور ہوا تھا۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ
فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝
ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ
شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝
ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ
يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا
جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى
رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ
رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝

اس نے کہا کہ تم سات برس مسلسل جد و جہد سے کاشت کا کام کرو گے
پس (اس عرصہ میں) جو کچھ تم کاٹو اس (سب) کو سوائے اس تھوڑے سے حصہ
(۴۸) کے جو تم کھاؤ اس کی بالوں ہی میں رہنے دینا۔
پھر اس کے بعد سات سخت تنگی کے سال آئینگے سوائے اس قلیل مقدار کے
جسے تم پس انداز کرلو جو اس تمام غلہ کو جو تم نے ان کے لیے پہلے سے
(۴۹) جمع کر چھوڑا ہوگا کھا جائیں گے۔
پھر اسکے بعد ایک ایسا سال آئیگا جس میں لوگوں کی تنگی دور کی جائیگی
(۵۰) اور وہ اس میں (دوسروں کو) عطیے دینگے۔
اور بادشاہ نے یہ بات سنکر ان سے کہا (کہ) تم اسے میرے پاس لے آؤ۔ پس جب
(بادشاہ) کا پیغام رساں اس کے پاس آیا تو اس نے (یعنی یوسف نے اس سے)
کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ (کہ) جن عورتوں نے
اپنے ہاتھ کاٹے تھے انکی اس وقت کیا کیفیت ہے میرا رب ان کے منصوبے
(۵۱) کو یقیناً خوب جاننے والا ہے۔

ع ۶ / ۱۶

ف گو الفاظ یہ ہیں کہ تم ایسا کروگے مگر مراد یہ ہے کہ تمکو ایسا کرنا ہوگا ورنہ قحط کی تکلیف ناقابل برداشت ہوجائیگی۔

ف اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ یعنی وہی بچے گا جو تم پیٹ کاٹ کر یا بیج کے لیے بچا رکھو گے۔

ف يُغَاثُ النَّاسُ پر بعض نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ قحط کے بعد بارش ہوگی۔ حالانکہ مصر کی شادابی نیل کی طغیانی پر منحصر ہے نہ کہ بارش پر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مصر میں بارش ہوگی بلکہ یہ فرمایا کہ لوگوں کے لیے بارش ہوگی اور اس میں کیا شک ہے کہ نیل کی طغیانی بھی بارش پر منحصر ہے دوسرے غاث یغوث سے بھی بن سکتا ہے جس کے معنے مدد کرنے کے ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں چونکہ یوسفؑ کے زمانہ میں طغیانی سے اور آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بارش سے قحط نے دور ہونا تھا۔ اس لیے یہاں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو دونوں معنے دے جائیں۔

ف یوسفؑ کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ بغیر براءت کرا لینے کے قید سے نکلیں۔ اگر وہ آرام کے خیال سے فوراً نکل آتے یا کبر کی وجہ سے چاہتے کہ پہلے لوگ گناہ کا اقرار کریں پھر نکلونگا تو یہ گناہ ہوتا لیکن محسن کا وہم دور کرنے کے لیے۔ نکلنے سے پہلے براءت کرانا نیکی تھا گو ایک لحاظ سے فوراً قید سے نکل آنا اس سے بھی بڑی نیکی بن جاتا ہے اور وہ فرض منصبی کے لیے ہر دوسری چیز کو قربان کرتا ہے۔ چونکہ نبی کا اصل کام تبلیغ ہے اور قید اس میں روک تھی اس لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ یعنی اگر میں اس قدر دیر قید میں رہتا جس قدر یوسفؑ رہے تھے تو میں بلانے والے کی بات قبول کرلیتا۔

(بخاری و مسلم ابوہریرہؓ سے)

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

(یہ پیغام سنکر اس نے یعنی بادشاہ نے ان عورتوں سے) کہا کہ تمہارا وہ معاملہ جبکہ تم نے یوسف سے اس کی مرضی کیخلاف ایک برا فعل کروانیکی کوشش کی تھی (دراصل ہی) کیا تھا انہوں نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ابری کے ارتکاب سے) ڈر اتھا اور ہم نے اس میں کوئی بھی برائی کی بات نہیں معلوم کی تھی (یہ سنکر عزیز کی بیوی نے کہا کہ اب سچائی بالکل کھل گئی ہے میں نے ہی اس سے اس کی مرضی کیخلاف ایک برا فعل کرانیکی کوشش کی تھی اور وہ یقیناً راستبازوں میں سے ہے۔ (۵۲)

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○

(اور یوسف نے اسے یہ بھی کہا) کہ یہ (بات) میں نے اسلیئے کہی ہے کہ اس کو یعنی عزیز کو علم ہو جائے کہ میں نے اسکی غیر موجودگی میں اسکے حق میں خیانت نہیں کی اور یہ کہ ایمان کے گرم خیانت کرنیوالوں کی (مخالفانہ) تدبیر کو (اللہ تعالےٰ) کامیاب نہیں کرتا۔ (۵۳)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور میں اپنے نفس کو ہر قسم کی غلطی سے بری قرار نہیں دیتا کیونکہ (انسانی) نفس سوائے اس کے جس پہ میرا رب رحم کرے بُری باتوں کا حکم دینے والا ہے۔ (۵۴) یہ ایک دلیل ہے میرا رب (کمزوریوں) پر بہت پردہ ڈالنے والا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ○

اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے یعنی یوسف کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے (خاص) کام کیلئے منتخب کر لوں (جب یوسف آئے اور) جونہی اس نے (یعنی بادشاہ نے) اس سے بات چیت کی (تو اسکو ہر طرح قابل پاکر) بولا کہ تو آج سے ہمارے ہاں معزز مرتبہ والا اور (ہر طرح) کی اعتبار (والا ہے) (۵۵)

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○

(اس پر یوسف نے) کہا کہ مجھے تو ملک کے خزانوں پر افسر مقرر کردیں کیونکہ میں یقیناً خزانوں کی بہترین حفاظت کرنیوالا اور انکے خرچ کرنے کے وجوہ کو خوب سمجھنے والا ہوں۔ (۵۶)

---

۵۲ بادشاہ کا یوں کلام کرنا کہ جب تم نے یوسفؑ کو اس کے منشاء کے خلاف بہکانا چاہا تھا بتلاتا ہے کہ وہ خوابوں کی تعبیر سنکر ان کی پاکیزگی کا قائل ہو چکا تھا ان عورتوں کا بہکانا عزیز کی بیوی کے حق میں تھا کہ اپنے حق میں۔

۵۳ لَمْ اَخُنْهُ یہ قول حضرت یوسفؑ کا ہے اور مراد یہ ہے کہ میں نے بادشاہ کو حالات سے ناواقف رکھکر دھوکا نہیں دیا۔ یا یہ کہ اپنے محسن عزیز کی خیانت نہیں کی۔ "ال" "جو خائنین" پہ ہے بتاتا ہے کہ یہاں ان خائنوں کا ذکر ہے جنہوں نے یوسفؑ کی جنہیں ایک خاص مقصد کے لیے مامور کیا گیا تھا مخالفت کی۔ یہاں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ایسے خائن کبھی کامیاب نہیں ہوتے لیکن یوسفؑ کو نصرتِ الٰہی حاصل تھی اس سے ثابت ہے کہ وہ حق پر تھے۔

۵۵ اس فقرہ سے بادشاہ نے عزیز کی سرزنش کی کہ ایسے شخص کی تم قدر نہیں کر سکے۔ اب ہم خود اسے اپنا مقرب بنائیں گے۔

۵۶ حضرت یوسفؑ نے یہ کہہ کر عہدہ مانگا نہیں گرایا ہے۔ کیونکہ بادشاہ تو انہیں وزیر بنانا چاہتا تھا مگر وہ قحط کے کام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہاں یہ بھی نکلتا ہے کہ سکیم بنانے والا اگر کام کا اہل ہو تو اسی کے سپرد کام کرنا چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور اس طرح مناسب حالات پیدا کر کے ہم نے یوسف کو اس ملک میں ایک با اختیار عہدہ عطا کیا۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں کہیں چاہتا ٹھہرتا ہم جسے چاہتے ہیں اس دنیا میں ہی اپنی رحمت سے حصہ دیتے ہیں اور ہم نیکو کاروں (۵۷) کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

اور اس دنیاوی اجر کے علاوہ آئندہ زندگی کا بدلہ ایمان لانیوالوں اور اللہ تعالیٰ (۵۸) کا تقویٰ اختیار کرنیوالوں کے لیے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

ع ۷

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۝

اور اس قحط کے زمانہ میں یوسف کے بھائی بھی اس ملک میں آئے (پھر) اسکے حضور (۵۹) میں حاضر ہوئے۔ اور اس نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا مگر وہ اسے نہ پہچان سکے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝

اور جب اس نے انہیں ان کا سامان دیکر (واپسی کیلئے تیار کیا) تو ان سے کہا کہ تمہارے باپ کی طرف سے جو تمہارا ایک بھائی ہے لا کے اسے بھی (اپنے ساتھ میرے) پاس لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ پورا دیتا ہوں اور (۶۰) (نیز میں) مہمان نوازوں میں سے بہترین مہمان نواز ہوں۔

فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝

اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی (غلہ) (۶۱) بھی ماپ کر دینے کیلئے نہیں ہوگا۔ اور نہ تم میرے پاس آنا۔

۵۷؎ ولا نضیع اجر المحسنین۔ دوسری جگہ فرماتا ہے واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض (رعد ۱۳/۱۸)۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا اسے دیکھ رہا ہے۔

تیرھویں مشابہت: یوسفؑ کی طرح نبی کریم صلعم کو بھی اہل مکہ نے اس لیے وہاں سے نکالا تھا کہ ذلت ہو مگر حضورؐ جہاں گئے یوسفؑ کی طرح آپ کے لیے بھی عزت کے سامان ہو گئے۔ مگر یوسفؑ کی عزت دنیاوی تھی اور آپ کو آزاد حکومت ملی۔ یہی فرق ان میں روحانیت کے لحاظ سے بھی تھا۔

۵۸؎ یعنی ہم دنیا میں تو انہیں صرف اس لیے دیتے ہیں کہ لوگ انکو ذلیل نہ سمجھیں ورنہ ان کا اصل اجر آخرت میں ہے۔

۵۹؎ یہاں بتایا کہ برادرانِ یوسفؑ نے تو چاہا تھا کہ انہیں دور کر کے خود باپ کی نگاہ میں معزز ہو جائیں مگر ہوا یہ کہ یوسفؑ نے اتنی عزت پائی کہ وہ ان کو پہچان بھی نہ سکے۔

چودھویں مشابہت: اسی طرح ہرقل کو نبی کریم صلعم نے خط بھیجا تو اس نے ابوسفیان سے حضورؐ کے حالات دریافت کیے اور سنکر کہا کہ وہ ضرور اس علاقہ پر حاکم ہو جائیگا جہاں میں اسوقت ہوں یہ سنکر ابوسفیان نے کہا کہ ہم نے تو پہچانا ہی نہیں محمد (صلعم) کی عزت تو بہت بڑھ گئی ہے۔

۶۰،۶۱؎ بائیبل کہتی ہے کہ یوسفؑ نے کہا تم اپنے چھوٹے بھائی کو لاؤ گے تو میں مانونگا کہ تم جاسوس نہیں (پیدائش ۴۲/۳۴) اول تو یہ دلیل بودی ہے دوسرے حقیقت جانتے ہوئے بلا وجہ جاسوسی کا الزام لگانا جھوٹ بن جاتا ہے جو نبی کی شان سے بعید ہے اس لیے قرآنی بیان ہی درست ہے۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا ہم ضرور اس کے متعلق اسکے باپ کو پھسلانے کی کوشش کرینگے اور ہم یقیناً یقیناً یہ کام کر کے رہیں گے۔ (٦٢)

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور اس نے اپنے غلاموں سے کہدیا کہ ان کی پونجی واپس ان کے بوروں میں رکھ دو شاید جب وہ لوٹ کر واپس اپنے گھر والوں کے پاس جائیں تو اس احسان کو پہچانیں اور شاید وہ اسی سبب سے پھر واپس آئیں (٦٣)

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

پس جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہا کہ اے ہمارے باپ ہمیں آئندہ کیلئے غلہ ماپ کر دینے سے محروم کر دیا گیا ہے اس لئے اب ہمارے بھائی (ابن یامین) کو (بھی) ہمارے ساتھ بھیج کہ ہم پھر غلہ ماپ کر لے سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرینگے۔ (٦٤)

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

اس نے کہا تم ہی بتاؤ کیا اب یوسف کے تجربہ کے بعد بھی میں اسکے متعلق تمہاری طرف سے مطمئن ہو سکتا ہوں سوائے اس کے کہ جس صورت میں پہلے میں اسکے بھائی کے متعلق تمہاری طرف سے مطمئن ہوا تھا اس لئے میں اسے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں چھوڑتا ہوں اور وہی تمام سے بہتر حفاظت کرنے والا اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے (٦٥)

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ

اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی پونجی انکی طرف واپس کر دی گئی ہے سو اس پر انہوں نے (اپنے باپ سے) کہا کہ اے ہمارے باپ اس سے بڑھ کر ہم کیا چاہ سکتے ہیں (دیکھئے) یہ ہماری پونجی ہے جو بھی ہماری طرف واپس کر دیا گیا ہے اور (اگر ہمارا بھائی) ہمارے ساتھ جائیگا تو ہم اپنے گھر والوں کو خوراک کا سامان لا دینگے اور اپنے

---

٦٢ ایک گناہ کے نتیجہ میں دوسرا گناہ پیدا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے گناہ کا طریق اختیار کیا تو پھر باپ کا ادب بھی نہ رہا۔

٦٣ یوسفؑ نے شاہی مال میں سے قیمت واپس نہیں کی تھی اپنی طرف سے کی تھی۔ یوسفؑ کے برتاؤ سے پتہ لگتا ہے کہ اصلاح محبت اور خوف کے بین بین سلوک سے ہوتی ہے پہلے ڈرایا تھا پھر روپیہ واپس کر دیا تاکہ پھر آنیکی رغبت ہو۔ لعلہم یعرفونہا۔ ان کا اپنا مال تھا پہچان تو انہوں نے لینا ہی تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حسن سلوک کی قدر کریں۔ پندرھویں مشابہت۔ جیسے باوجود ان کی مخالفت کے یوسفؑ چاہتے تھے کہ ان کے بھائی واپس آئیں ایسے ہی بلکہ اس سے بہت بڑھ کر آنحضرت صلعم اپنی قوم کے متعلق چاہتے تھے فرماتا ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین۔ (الشعراء)

٦٤ منع منا الکیل میں مایوسی اور انا لہ لحفظون میں اپنی طاقت کے گھمنڈ کا اظہار ہے

٦٥ یعنی یوسفؑ کی دفعہ میں نے تم پر یقین کیا تھا اب کرتا ہوں پہلے بھی میں نے خدا پر توکل کیا تھا اب بھی اسی پر توکل کر کے بیٹے کو بھجواتا ہوں۔

بَعِيْرٍ ۚ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝
قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ
مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ
اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا
نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝
وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ
وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ
مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ
اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً
فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ
لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ

بھائی کی (پوری طرح سے) حفاظت کرینگے اور ایک بارِ شتر زیادہ لینگے (یہ وزن جو ہمیں ملیگا) بڑی (آسانی سے ملنے والا) ہے۔ (۶۶)
اس نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ کبھی نہیں بھیجونگا۔ جبتک تم مجھ سے
اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے مقرر شدہ یعنی اسکی قسم سے مؤکد یہ عہد نہ کرو کہ تم اسے
ضرور میرے پاس (واپس) لاؤگے سوائے اس صورت کے کہ تم (خود کسی مصیبت میں) گھر جاؤ (پس)
جب انہوں نے اسے اپنا پختہ قول دیدیا تو اس نے کہا جو کچھ ہم اس وقت کہہ رہے
ہیں اللہ اس کا نگران ہے۔ (۶۷)
اور اس نے (ان سے) کہا (کہ) اے میرے بیٹو (وہاں) تم (سب) ایک ہی دروازے
سے اندر نہ جانا (جب حاکم کے پاس جانا پڑے) الگ الگ دروازوں
سے اندر جانا اور میں اللہ تعالیٰ (کی گرفت) سے بچانے کے لیے
تمہارے کام نہیں آسکتا۔ فیصلہ کرنا (در اصل) اللہ تعالیٰ ہی
کا کام ہے اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ اور تمام بھروسہ کرنے
والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ (۶۸)
اور جب اس طریق کے مطابق جس کا حکم ان کے باپ نے انہیں دیا تھا۔
وہ داخل ہوئے تو وہ غرض پوری ہو گئی جس کے لیے انہیں یہ حکم دیا
گیا تھا لیکن وہ اللہ کی (گرفت) سے بچانے کے لیے ان کے کچھ بھی کام
نہیں آسکتا تھا ہاں مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جسے
اس نے اس طرح پورا کر لیا اور اس وجہ سے کہ اسے ہم نے علم بخشا تھا۔

۶۶؎ بائیبل کہتی ہے یہ سفر گدھوں پر کیا گیا تھا اول تو اس راستہ کے لیے اونٹ زیادہ آرام دہ تھے۔ دوسرے پیدائش ۳۷/۲۵ سے ثابت ہے کہ یعقوبؑ کے گھر میں اونٹوں کے استعمال کا رواج تھا اس لیے قرینِ قیاس یہی ہے کہ سفر اونٹوں پر ہی ہوا ہوگا۔
دوسرے حملِ بعیر سے مراد اونٹ کے اٹھانے کے قابل وزن ہے نہ یہ کہ وہ وزن ضرور اونٹ ہی نے اٹھایا ہو۔ کیلٌ یسیر کے بعض نے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ غلہ کم ہے مگر یسیر کے معنے آسان یا آسانی پیدا کرنے والے کے بھی ہیں یعنی نعمت کے اور یہاں یہی موزوں ہیں۔
۶۷؎ یہاں بنیامین سے بھی آنحضرتؐ کو مشابہت ہو گئی ہے۔ کیونکہ اہلِ مدینہ سے حضرت عباسؓ نے بھی یہ عہد لیا تھا کہ تم اس شرط پر آپؐ کو لیجا سکتے ہو کہ جان و مال سے ان کی حفاظت کروگے۔
۶۸؎ معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ کو اہنا (؟) حالات معلوم ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے الگ الگ دروازوں سے جانے کی ہدایت دی۔ تاکہ بنیامین کو یوسفؑ سے الگ ملنے کا موقعہ مل جائے۔ توکل کے یہ معنے نہیں کہ تدبیر نہ ہو بلکہ یہی کہ یقین ہو کہ تدبیر بھی اسی وقت فائدہ دے گی جب خدا کا فضل ہوگا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى
اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ
السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ
اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ
اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝
قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا
تَفْقِدُوْنَ ۝
قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ
وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ
اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝
قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا
جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝
قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝
قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ
رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ

(۶۹) وہ بڑے علم والا تھا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔
اور جب وہ یوسف کے حضور حاضر ہوئے۔ تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس
جگہ دی اور اس سے کہا کہ یقیناً میں ہی تیرا (مفقود) بھائی ہوں پس جو کچھ وہ
(۷۰) کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے (اب) تو غمگین نہ ہو۔
پھر جب اس نے انہیں سامان دے کر (واپسی کے لیے) تیار کیا تو اس نے
(پانی پینے کا ایک کٹورا (بھی) اپنے بھائی کے بورے میں رکھ دیا۔ پھر (ایسا)
(ہوا کہ) کسی اعلان کرنے والے (شاہی کارندہ) نے اعلان کیا کہ اے قافلہ
(۷۱) والو تم یقیناً چور ہو۔
انہوں نے ان (شاہی کارندوں) کی طرف رُخ کر کے کہا (کہ) تم
(۷۲) کیا چیز گم پاتے ہو۔
انہوں نے کہا کہ ہم غلّہ ماپنے کا شاہی پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو شخص اسے
(تلاش کر کے) لے آئے تو ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلّہ اس کا (انعام)
(۷۳) ہوگا۔ اور (اعلان کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ) میں اس کا ذمہ دار ہوں
انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم (جیسا کہ) تمہیں یقیناً علم ہو چکا ہے
(۷۴) ہم (یہاں) اس لیے نہیں آئے کہ اس ملک میں فساد کریں اور نہ ہی ہم چور ہیں
(۷۵) انہوں نے کہا (کہ) اگر تم جھوٹے (ثابت) ہوئے تو اس (فعل یعنی چوری) کی سزا کیا ہوگی۔
انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے سامان میں وہ (کٹورا)
پایا جاوے وہ خود ہی اس (فعل) کا بدلہ ہو۔ ہم لوگ ظالموں کو اسی طرح

---

۶۹ وانہ لذو علم لما علمنٰہ میں علم سے مراد توکل ہے انہوں نے تدبیر بھی کر لی مگر توکل خدا پر رکھا یہی وہ علم تھا جو ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا۔

۷۰ فلا تبتئس یعنی (۱) اگر تجھے یہ غم تھا کہ انہوں نے مجھے قتل کر دیا ہے تو میں زندہ موجود ہوں (۲) اور اگر تو ویسے ہی ان کی تکالیف سے غمزدہ تھا تو اب تجھے بھی ان تکالیف سے نجات ملنے والی ہے اس لیے تو غم نہ کر۔

۷۱-۷۳ معلوم ہوتا ہے پانی پینے کا برتن (سقایہ) یوسف علیہ السلام نے رکھ دیا تھا تا محبت کا اظہار کریں اس وقت آپ کے ہاتھ میں ماپنے کا سرکاری برتن بھی تھا (صواع ماپنے اور سقایہ پانی پینے کے برتن کو کہتے ہیں) وہ بھی غلطی سے ساتھ ہی رکھا گیا۔ جب تلاش پر یوسفؑ کے بھائی کے اسباب سے وہ برتن نکل آیا تو آپ سمجھ تو گئے کہ کیا غلطی ہوئی لیکن اسے الٰہی تدبیر سمجھ کر خاموش رہے۔ اور اس طرح ان کا بھائی ان کے پاس رہ گیا۔ (آیت ۷۷)

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝
قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝
قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝

سزا دیا کرتے ہیں۔ (۷۶)

پس اس نے اس کے (یعنی یوسف کے) بھائی کے بورے سے پہلے ان (دوسروں) کے بوروں کو دیکھنا شروع کیا پھر اس کے بھائی کے بورے (کو دیکھا اور) اس میں اس پیالہ کو پا کر اس (ہی) میں سے اسے نکالا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے ایک تدبیر کی اور (نہ) وہ بادشاہ کے قانون کے اندر رہتے ہوئے اپنے بھائی کو روک کر اپنے (پاس) نہیں رکھ سکتا تھا۔ سوائے اس (صورت) کے کہ اللہ تعالیٰ کی (ایسی) مشیت ہوتی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر (اس سے زیادہ علم والا شخص پایا جاتا ہے) (۷۷)

انہوں نے (یعنی اسکے بھائیوں نے) کہا کہ (اگر اس نے چوری کی ہو تو کچھ عجب نہیں) کیونکہ اس کا ایک بھائی (بھی) پہلے چوری کر چکا ہے۔ اس پر یوسف نے اس بات (کی اصل حقیقت) کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور ان پر اسے ظاہر نہ کیا (ہاں) اتنا کہا کہ تم (لوگ) بد ترین حیثیت کے (معلوم ہوتے) ہو۔ اور جو بات تم کہتے ہو اسے اللہ تعالیٰ (ہی) بہتر جانتا ہے۔ (۷۸)

انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اسے (اس کے صدمہ سے بچانے کے لئے) اس کی بجائے آپ ہم میں سے کسی ایک کو پکڑ لیجئے ہم آپ کو یقیناً محسنوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (۷۹)

اس نے کہا کہ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ (چاہتے ہیں) کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں اس صورت میں ہم یقیناً ظالموں میں سے ہوں گے۔ نہ کہ محسنوں میں سے۔ (۸۰)

۹ / ۱۱ / ۲

---

۷۶ یہ الٰہی تدبیر تھی اگر وہ یہ کہتے جس نے چوری کی ہے اسے رکھ لیں۔ تو یوسف حقیقت جاننے کے بعد بن یامین کو رکھ نہیں سکتے تھے مگر انہوں نے الفاظ ہی یہ استعمال کئے کہ جس کے سامان میں برتن ہو اسے رکھ لیں۔

۷۷ کدنا لیوسف کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ الٰہی تدبیر تھی یوسفؑ کا اس میں قصور نہ تھا اور تدبیر بھی اس لیے تھی کہ ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک اس کے بغیر وہ بھائی کو روک نہ سکتے تھے اس آیت میں قانون کی پابندی کا بھی سبق ہے۔

۷۸ ایک گناہ دوسرے کی راہ کھولتا ہے۔ برادرانِ یوسفؑ نے پہلے ان کے قتل کی کوشش کی اب ان کی بدنامی یعنی اخلاقی موت کے طالب ہوتے ہیں۔ اس پر باوجود طاقت کے صبر کرنا یوسفؑ کے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے۔

۷۹ اس کا باپ بوڑھا ہے کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ اس وقت اپنے بھائی کے باپ کو اپنا باپ کہنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔

۸۰ پیدائش ۴۴/۱۷ میں بھی لکھا ہے یوسفؑ نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں یہ شخص جس کے پاس میرا پیالہ نکلا وہی میرا غلام ہوگا گویا گنہگار کی جگہ بے گناہ کو پکڑنا خواہ وہ راضی ہی ہو بائیبل کے نزدیک بھی گناہ ہے اس میں کفارہ کا رد ہے۔

فَلَمَّا اسْتَايْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

پس جب وہ اس سے (یعنی یوسف سے) ناامید ہو گئے تو آپس میں باتیں کرتے ہوئے (لوگوں سے) الگ ہو گئے (تب) ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے پکا قول لیا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ (مؤکد) ہے اور یہ کہ اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں (بھی) کوتاہی کر چکے ہو اس لیے جب تک میرا باپ مجھے (خاص طور پر) اجازت نہ دے یا خود اللہ تعالیٰ میرے حق میں فیصلہ (کی کوئی راہ پیدا نہ کرے) میں اس ملک کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ سب فیصلہ کرنیوالوں) سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے (۸۱)

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝

تم اپنے باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور (اس سے جا کر) کہو کہ اے ہمارے باپ آپ کے (چھوٹے) بیٹے نے ضرور چوری کی ہے اور ہم نے (آپ کے) سوائے اس بات کے جس کا ہمیں ذاتی علم ہے (قطعاً) کچھ نہیں کہا۔ اور ہم (اپنی) نظر سے پوشیدہ بات کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ (۸۲)

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

اور آپ بیشک ان لوگوں سے بھی (دریافت کر لیں جن میں ہم رہتے تھے اور اس قافلے سے بھی جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ اور یقین جانیے کہ ہم (اس بات میں) سچے ہیں۔ (۸۳)

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

اس نے (یعنی یعقوب نے) کہا کہ (یہ بات درست) نہیں معلوم ہوتی بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے نفسوں نے کوئی بات خوبصورت کر کے تمہیں دکھائی ہے اور اس کے تم مرتکب ہو گئے ہو پس اب میرا کام تو اچھی طرح صبر کرنا ہی ہے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے یقیناً وہی ہے جو خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے (۸۴)

۸۱؎ جس بھائی کا کبیرھم میں ذکر ہے اس کی طبیعت میں نیکی معلوم ہوتی ہے بائیبل کہتی ہے کہ یوسفؑ کے سب سے بڑے بھائی کا نام روبن تھا اور جس نے واپس جانے سے انکار کیا تھا اس کا نام یہودا تھا لیکن اول تو بائیبل مستند کتاب نہیں اور اس میں بہت سی غلطیاں ہیں دوسرے یہاں اکبرھم نہیں فرمایا کبیرھم فرمایا ہے جس کے معنے صرف بڑے کے ہیں نہ کہ سب سے بڑے کے۔ علاوہ ازیں کبیر سے مراد رتبہ میں بھی بڑا ہو سکتا ہے۔

۸۲؎ یہ اس بڑے بھائی کا قول ہے جس کا قول پہلے درج ہوا ہے۔

۸۳؎ یہاں اہل مصر کو قریہ اور قافلہ والوں کو عیر کے نام سے یاد کیا ہے حالانکہ عیر گدھوں کو کہتے ہیں اصل میں اہل القریۃ اصحاب العیر مراد ہے۔

۸۴؎ یعنی بنیامین کی دشمنی کی وجہ سے تمہارا ذہن ادھر نہیں گیا کہ وہ چوری نہیں کر سکتا کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یاتینی بھم جمیعًا میں یہ اشارہ ہے کہ یوسفؑ بھی اب تک زندہ ہے (کیونکہ جمیعًا دو سے زیادہ کے لیے آتا ہے) انہ ھو العلیم الحکیم یعنی ہم پر حقیقت کھل گئی ہے اس نے جو کیا ہے ہماری بہتری کے لیے کیا ہے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝

اور اس نے ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا (اور الگ جا کر دعا کی) اور کہا اے میرے خدا (ہائے) یوسف پر (کیونکہ اس غم اور اندوہ کا سلسلہ کب ختم ہوگا) اور غم [illegible] (۸۵) کی وجہ سے اسکی آنکھوں میں سفیدی آگئی مگر وہ اپنے غم کو ہمیشہ اپنے دل کے اندر ہی دبائے

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم (یوں معلوم ہوتا ہے کہ) آپ یوسف کا ذکر کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ آپ بیمار پڑ جائیں یا آپ ہلاک (۸۶) ہو جانے والوں میں سے ہو جائیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اس نے کہا کہ میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ تعالیٰ ہی کے حضور کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا (۸۷) ہوں جو تم نہیں رکھتے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اے میرے بیٹو! جاؤ اور (جا کر) یوسف اور اس کے بھائی کی جستجو کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو (اصل بات یہی ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر لوگوں کے سوا اور کوئی (انسان) (۸۸) ناامید نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ

پس جب وہ (واپس ہو کر پھر) اس کے (یعنی یوسف کے) حضور حاضر ہوئے تو (اس سے) کہا کہ اے بادشاہ ہمیں اور ہمارے (تمام کنبہ کو سخت) تنگی پہنچی (ہوئی) ہے۔ اور ہم (بالکل) تھوڑی سی پونجی لائے ہیں۔

---

۸۵ لغت میں ابیضت کے معنے پانی یعنی (آنسوؤں) سے بھر جانے کے ہیں یعنی دعا کے وقت یعقوبؑ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں یہ مطلب نہیں کہ اندھے ہو گئے تھے۔ اگر یہ الفاظ یہاں مجازاً استعمال ہوئے ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ دیکھ کر کہ غم انتہا کو پہنچ گیا ہے اس لیے اب خدا کا فضل نازل ہوگا۔ ان کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اوپر جو صبر جمیل کے الفاظ ہیں ان سے بھی ظاہر ہے کہ یعقوبؑ نے صبر کیا تھا۔ اور رو رو کر اندھے نہیں ہوئے تھے ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے "الصبر لاوّل دھلۃٍ" صبر تو مصیبت کے پہلے صدمہ کے موقعہ پر ہوتا ہے پھر سالہا سال رو رو کر یعقوبؑ صبر کرنے والے کیسے کہلا سکتے تھے۔ وھو کظیم میں بھی بتایا ہے کہ وہ غم کو دبانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

۸۶ حرضًا کے معنے نکما یا ہلاک ہونے کے ہیں اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نکمے (یعنی اندھے) نہیں ہوئے تھے جبھی تو بیٹوں نے آئندہ کے لیے اس کا خطرہ ظاہر کیا۔

۸۷ واعلم من اللہ ما لا تعلمون میں یہ اشارہ ہے کہ انہیں یوسفؑ کے زندہ ہونے کا علم مل چکا تھا۔

۸۸ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ یعقوبؑ کو یوسفؑ کے زندہ ہونے کا یقین تھا۔ یہاں روحانی و جسمانی ترقی کا گر بتایا ہے جو ہمت نہ ہارنا ہے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے بھی لکل داءٍ دواءٌ الا الموت فرما کر مایوسی کو دور فرمایا ہے۔

لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۚ
إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝
قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ
وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝
قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ
قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ
قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ
يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ
يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِيْنَ ۝

پس آپ محض احسان کے طور پر ہمیں غلہ (کا) پیمانہ پورا دیدیں اور ہمیں
(۸۹) صدقہ کے طور پر حق سے بھی کچھ زیادہ دیں اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو یقیناً بڑا اجر دیتا ہے۔
اس نے کہا (کہ) کیا تم کو اپنا وہ سلوک معلوم ہے جو تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی
(۹۰) کے ساتھ کیا تھا جبکہ تم اپنے فعل کی برائی سے ناواقف تھے۔
انہوں نے کہا (کہ) کیا واقع میں آپ ہی تو یوسف نہیں ہیں اس نے کہا
(کہ) ہیں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل
کر دیا ہے۔ بات یقیناً یہی درست ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار
کرے اور صبر کرے تو ضرور اس کا اجر پاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
(۹۱) نیکوکاروں کے اجر کو ضایع ہرگز نہیں کرتا۔
انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر ضرور فضیلت دی ہے۔
(۹۲) اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔
اس نے کہا اب تمہیں قطعاً کوئی ملامت نہ ہوگی (اور) اللہ بھی
تمہیں بخش دے گا۔ اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر
(۹۳) رحم کرنے والا ہے۔

۸۹ؔ اس زمانہ میں شاہِ مصر کے لیے عزیز کا لفظ استعمال نہیں ہوتا تھا نیز یہ لفظ عربی ہے اور مصریوں کی زبان عربی نہیں تھی۔ اس لیے یہ لفظ سردار کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۹۰ؔ جب انہوں نے بھائی کے بجائے غلہ کی خواہش کی تو یوسفؑ نے اس خیال سے کہ وہ اپنے تئیں اور ذلیل نہ کریں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا ارادہ کر لیا اور اذ انتم جٰھلون کہکر ان کے جرم کو ہلکا کر دیا کہ تم نے جو کچھ کیا نادانی میں کیا۔

۹۱ؔ حضرت یعقوبؑ کے زور دینے پر کہ یوسفؑ زندہ ہے اور یوسفؑ کے اس بیان سے ان کے ذہن فوراً ادھر گئے کہ کہیں یہی یوسفؑ نہ ہو۔ یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ ترقی کا اصل گر تقویٰ اللہ اور صبر ہے یعنی خدا پر توکل اور عمل کو جاری رکھنا۔

۹۲ؔ اب یوسفؑ کے بھائیوں کی نیک فطرت نے بھی سر اٹھایا۔

۹۳ؔ حضرت یوسفؑ نے فوراً اعلان معافی کر کے ان کے دلوں کو وساوس کی تکلیف سے بچا لیا۔

سولہویں مشابہت:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب فتح کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں سے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم سے کیا سلوک ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا وہی جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اس پر حضورؐ نے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم۔ بیس سال کے متواتر ظلم سہنے کے بعد یہ عفو کس قدر بلند اور لاثانی اخلاق کا نمونہ ہے حضرت مسیح موعودؑ عشاء کی نماز کبھی کبھی گھر میں باجماعت پڑھتے تو قریباً بلا ناغہ بل سوّلت سے اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن تک کی آیات نہایت سوز سے تلاوت فرماتے تھے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

تم میرا یہ کُرتہ لے جانا اور اسے میرے باپ کے سامنے لجا رکھنا اس سے وہ میرے متعلق بصیرت پا کر میرے پاس آ ئیں گے۔ اور تم اپنا (۹۴) سارا کنبہ بھی میرے پاس لے آنا۔

ع ۱۰

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝

اور جب (ان کا) قافلہ (مصر سے) چل پڑا تو ان کے باپ نے (لوگوں سے) کہا کہ اگر ایسا نہ ہو کہ تم مجھے جھٹلانے لگو تو میں ضرور کہونگا کہ (مجھے) (۹۵) یقیناً یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝

انہوں نے کہا تو یقیناً اپنی پرانی غلطی میں پڑا (۹۶) ہوا ہے۔

فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

پس جونہی کہ (یوسف کے مل جانے کی) بشارت دینے والا شخص (حضرت یعقوبؑ کے پاس) آیا اس نے اس (کُرتے) کو اس کے سامنے رکھ دیا جس پر وہ (اس معاملہ میں) صاحبِ بصیرت ہو گیا (اور ان سے) کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا (۹۷) تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (علم پا کر) وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝

(تب) انہوں نے (یعنی حضرت یوسف کے بھائیوں نے) کہا اے ہمارے باپ! آپ (۹۸) ہمارے حق میں خدا تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں ہم یقیناً خطا کار ہیں

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ

اس نے کہا میں (ضرور) تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کرونگا

۹۴؎ یہ کمالِ عفو ہے کہ پہلے جس چیز کے لیجانے سے یعقوبؑ ناراض ہوئے تھے اب اسی کے ذریعہ بشارت بھجوائی یَاْتِ بَصِیْرًا یعنی پہلے تو صرف الہام کی بنا پر ان کو میرے زندہ ہونے کا یقین تھا مگر اب بصیرتِ ظاہری بھی پالیں گے۔

۹۵؎ رِیْحَ یُوْسُفَ سے مراد ان کی خبر ہے۔

۹۶؎ ضلال کے معنے محبت سے کسی امر پر قائم رہنے کے بھی ہیں۔ کہنے والے چونکہ مومن تھے خواہ کمزور ایمان کے ہوں اس لیے یہی معنے مراد ہیں کہ آپ محبت کی وجہ سے ایسا خیال کرتے ہیں ورنہ یوسفؑ کا ملنا اب کہاں ممکن ہے۔

۹۷؎ ارتدّ بصیراً کے یہ معنی ہیں جو علم پہلے الہام کی بنا پر تھا اب واقعاتی بن گیا۔ قال الم اقل لکم سے ظاہر ہے کہ اس وقت جو کچھ ظاہر ہوا وہ حضرت یوسفؑ کا نہیں حضرت یعقوبؑ کا معجزہ تھا جبھی انہوں نے فرمایا دیکھو جو بات میں کہتا تھا پوری ہو گئی مگر ساتھ ہی فرمایا یہ بات میری اپنی نہیں تھی بلکہ من اللہ تھی (اس لئے اصل تعریف کا مستحق وہی ہے)

۹۸؎ جب یوسفؑ نے بھائیوں کا گناہ بخش دیا تو ان کی حالت بھی بدل گئی اور انہوں نے اس معافی کو ناکافی سمجھ کر باپ سے بھی درخواست کی کہ ان کے لیے استغفار کریں۔ کیونکہ توبہ کے ساتھ ہی ان پر یہ کھل گیا کہ انسانی ناراضگی خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابل پر کوئی شے نہیں۔

إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى إِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ إِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ إِخْوَتِيْ ۭ إِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ إِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

(۹۹) یقیناً وہی ہے جو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔
پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور سب کو کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل (۱۰۰) حال ہو تو تم امن اور سلامتی کے ساتھ مصر میں داخل ہو جاؤ۔
اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کی وجہ سے خدا کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ اور اس نے (یعنی یوسفؑ نے) کہا اے میرے باپ یہ میری پہلے سے خواب میں دیکھی ہوئی بات کی حقیقت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا ہے۔ اور اس نے مجھ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کیونکہ اس نے پہلے مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھے اس عزت کے مقام پر پہنچایا اور اس کے بعد وہ تمہیں جنگل (کے علاقہ) سے نکال کر میرے پاس لایا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں بگاڑ پیدا کر دیا تھا۔ میرا رب جس سے چاہتا ہے (لطف و احسان کا معاملہ (۱۰۱) کرتا ہے) یقیناً وہی ہے جو خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

---

۹۹ سوف کے استعمال سے مستقبل (قریب) میں دعا کرنے کا اشارہ کر کے بتایا کہ رنج و غصہ زائل ہو کر فوراً اتنی محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کچھ وقت لگے گا۔ یوسفؑ چونکہ معاف کرنے کیلئے پہلے سے تیار ہو چکے تھے انہوں نے ایسا نہیں فرمایا

۱۰۰ یوسفؑ کی والدہ فوت ہو چکی تھیں مگر بار بار ابویہ کا لفظ رکھ کر یہ سبق دیا ہے کہ سوتیلی مائیں بھی مائیں ہی ہوتی ہیں ادخلوا امنین کے الفاظ دعائیہ نہیں مگر مراد ان سے دعا ہے آنحضرت صلعم بھی شہر میں داخل ہونے سے قبل دعا فرمایا کرتے تھے۔ ادخلوا مصر اکے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یوسفؑ استقبال کے لیے شہر سے باہر گئے تھے سامان موجود ہونے اور خود وزیر مملکت ہونے کے باوجود انشاء اللہ کہنا بلند روحانیت کا آئینہ دار ہے۔

۱۰۱ رفع ابویہ علی العرش سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ (۱) بادشاہ کے حضور پیش کیا (۲) اپنے پاس تخت پر بٹھایا وخروا له سجدًا۔ یعنی یوسفؑ کی ترقی دیکھ کر وہ خدا کے حضور سجدہ میں گر گئے۔ وقد احسن بی میں یوسفؑ نے بجائے یہ کہنے کے کہ تم پر خدا نے احسان کیا یہ کہا کہ مجھ پر خدا تعالیٰ نے احسان کیا یہ بلند اخلاق ہے۔ اور اس میں یہ سبق ہے کہ ایسا کلام کرنا چاہیئے جس سے دوسرے کی دل شکنی نہ ہو۔ حضرت نبی کریم صلعم ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے کلام فرماتے تو متوجہ ہو کر فرماتے اور سنتے تو توجہ سے سنتے۔ لطیفا خدا تعالیٰ کے لیے آئے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ مخفی باتوں کو جاننے والا لوگوں کی خبر گیری کرنے والا اور محبت کے ساتھ ان کو نفع پہنچانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود غنی ہونے کے وہ تمام افعال میں اظہار محبت کرتا ہے تا انسان کی محبت اس کے ساتھ بڑھے لطیف لما یشاء۔ وہ اپنی مشیت کے مطابق لطف کرتا ہے اور اس کا لطف ہر ایک کی استعداد کے مطابق

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

اے میرے رب تو نے مجھے حکومت کا ایک حصہ بھی عطا کیا ہے اور اپنی باتوں کی حقیقت کا بھی کچھ علم تو نے مجھے بخشا ہے اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالے تو ہی) دنیا و آخرت (دونوں) میں میرا مددگار ہے (جب بھی میری موت کا وقت آئے) مجھے اپنی کامل فرمانبرداری کی حالت میں وفات (۱۰۲) دے اور صالحین (کی جماعت) کے ساتھ ملا دے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ۝

(اے ہمارے رسول!) یہ (بیان) غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تجھ پر وحی (کے ذریعہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اور جب انہوں نے (یعنی تیرے دشمنوں نے) اپنی بات پر اس حال میں اتفاق کر لیا کہ وہ (سب کے سب) تیرے خلاف کوششیں (۱۰۳) کر رہے تھے تو تو (اس وقت) ان کے پاس (موجود) نہیں تھا۔

وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝

اور خواہ تو (کتنا ہی) چاہے (کہ سب لوگ ہدایت پا جائیں) اکثر لوگ (۱۰۴) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ۧ

اور تو اس (تبلیغ و تعلیم) کی بابت ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ تو تمام (۱۰۵) جہانوں (اور سب لوگوں) کیلئے (خود) سراسر شرف (کا موجب) ہے۔

ع ۱۱

ہوتا ہے۔ الحکیم:۔ یعنی یوسفؑ کی تکالیف ان کی ترقی اور ان کے بھائیوں کی توبہ کا موجب ہوئیں۔ اس لئے خدا تعالے کا یہ فعل حکمت سے خالی نہیں تھا۔

۱۰۲ یہ عشق کی علامت ہے کہ رشتہ داروں کی ملاقات پر خوشی کا اظہار کرتے کرتے یکدم خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ اٹھتا ہے اور یوسفؑ سب کچھ بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ رب قد اٰتیتنی من الملک یہ سب کچھ تیری ہی عطا ہے ملک سے مراد تصرف و قبضہ ہے جو یوسفؑ کو بادشاہ کے حکم سے حاصل تھا ورنہ حکومت ان کی نہیں تھی۔ و علمتنی من تاویل الاحادیث یعنی تو نے میری خوابوں کو پورا کر دکھایا یا یہ کہ مجھے تعبیر الرؤیا کا علم دیا توفنی مسلمًا میں یہ اشارہ ہے کہ چاہئے کہ ساری عمر فرمانبرداری میں گزارے کیونکہ کیا معلوم موت کب آجائے الحقنی بالصّٰلحین یعنی اس درجہ فرمانبردار بنا کہ مرنے کے ساتھ ہی صلحاء کے ساتھ الحاق ہو جائے۔

۱۰۳ ذٰلک من انباء الغیب میں بتایا کہ یہ قصہ نہیں بلکہ حضرت نبی کریم صلعم کے آئندہ کے حالات کیلئے پیشگوئی ہے وما کنت ۔۔۔ یمکرون ۔ میں آنحضرتؐ کے دشمن مراد ہیں اور یہ بتایا کہ برادران یوسفؑ کی مماثلت میں جو ظلم وہ کرنے والے ہیں وہ تیرے اختیار کی بات نہیں اور یقینًا امور غیبیہ ہیں۔

۱۰۴ یعنی گو تیری خواہش ہے کہ ساری قوم فورًا ایمان لے آئے مگر یہ لوگ پہلے برادران یوسفؑ والے کام کریں گے پھر ایمان لائیں گے۔

۱۰۵ یعنی یوسفؑ کی طرح تو بھی اپنی غرض کیلئے ان سے مدد نہیں مانگتا بلکہ یوسف سے بڑھ کر ان کو دیتا ہے یعنی ایسی چیز دیتا ہے جو ساری دنیا کیلئے عزت کا موجب ہوگی پھر ان کی ناراضگی بلاوجہ ہے۔

سترھویں مشابہت:۔ یوسفؑ کے عزیز ان کی وجہ سے بادشاہ کے حضور عزت پا گئے مگر نبی کریم صلعم کے عزیز ابو بکرؓ و عمرؓ ...

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝

اور آسمانوں اور زمین میں بہت سے نشان (موجود) ہیں۔ جن کے پاس سے یہ لوگ ان سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ (۱۰۶)

وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ۝

اور ان میں سے اکثر (لوگ)، اللہ (تعالیٰ)، پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ (ساتھ ساتھ) شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ (۱۰۷)

اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ غَاشِيَةٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَوۡ تَاۡتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝

تو کیا یہ (لوگ)، اس بات سے (محفوظ اور) بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذابوں میں سے کوئی سخت عذاب آجائے یا اچانک ان پر وہ گھڑی آجائے (جسکی پہلے سے خبر دی جا چکی ہے)، اور انہیں پتہ بھی نہ لگے۔ (۱۰۸)

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝

تو کہہ (کہ) یہ میرا طریق ہے میں (تو)، اللہ (تعالیٰ) کی طرف بلاتا ہوں میں اور جنہوں نے (سچے طور پر)، میری پیروی اختیار کی ہے (ہم سب) بصیرت پر قائم ہیں اور اللہ (تعالیٰ ہر قسم کے نقائص سے)، پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (۱۰۹)

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ

اور تجھ سے پہلے (بھی)، ہم (لوگوں کی رہنمائی کے لیے ہمیشہ)، اپنی (دنیا کی) بستیوں کے رہنے والے مردوں ہی کو جن پر ہم (اپنی)، وحی نازل کرتے تھے رسالت دیکر بھیجتے رہے ہیں تو کیا یہ (لوگ)، زمین میں نہیں پھرے تا دیکھتے (کہ) جو (لوگ)، ان سے پہلے (انبیاء کے منکر) تھے ان کا

ف۱۰۶ کافر و مومن میں یہی فرق ہے کہ مومن خدا تعالیٰ کے ہر اشارے کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کافر اندھے کی طرح بڑے سے بڑے نشان کو دیکھنے سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ف۱۰۷ کفار کی نابینائی کی وجہ بتلائی کہ وہ کامل توحید سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خدا تعالیٰ کے جلوہ کو نہیں دیکھ سکتے اور دیکھ لیں تو پہچان نہیں سکتے۔ اسلیے خدائی کاموں کو اوروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔

ف۱۰۸ غاشیہ سے مراد ایسا عذاب ہے جو عام ہو۔ ساعت سے مراد فتح مکہ کی ساعت ہے کیونکہ اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی یوسفؑ سے زبردست مشابہت پوری ہوئی یعنی آپؐ نے بھی اپنے دشمنوں کو زیر کر کے کلی طور پر معاف کر دیا۔

ف۱۰۹ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْ۔ یعنی جو باتیں اوپر بیان ہوئی ہیں (آیات سے فائدہ اٹھانا)، خدا تعالیٰ پر ایمان اور شرک سے اجتناب)، یہی میرا راستہ ہے ادعوآ الی اللہ۔ میں تم سے کچھ مانگتا نہیں بلکہ سب سے بڑا خزانہ (خدا تعالیٰ)، کا پتہ دیتا ہوں۔ یہاں سچے متبع کی نشانی بھی بتادی کہ وہ امور دینیہ کو دلائل و براہین سے مانتا ہے سبحان اللہ کہکر بتایا کہ خدا تعالیٰ جبرا مسلمان اس لیے نہیں بناتا کہ وہ اس سے پاک ہے کہ لوگوں کے ایمان نہ لانے سے اس کی شان میں کمی ہو۔ پھر جبر وہ کرتا ہے جو دلائل سے نہ منوا سکے۔ اور یہ بھی نقص ہے مگر وہ نقص سے پاک ہے وما انا من المشرکین میں بتایا کہ گو یہ کام جو میرے ذمہ ہے بہت بڑا ہے مگر میں شرک سے کلی پاک ہوں اسلیے میری نگاہ میں یہ کام بڑا نہیں۔

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

انجام کیسا ہوا تھا اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے تقوٰے اختیار کیا یقیناً زیادہ بہتر ہے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۱۱۰)

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

یہاں تک کہ جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) ناامید ہو گئے اور (دوسری طرف) ان (منکروں) کا (یہ) پختہ خیال ہو گیا کہ ان سے (وحی کے نام سے) جھوٹی باتیں کہی جا رہی ہیں تو (اس وقت) ان (رسولوں) کے پاس ہماری مدد آ گئی اور جنہیں ہم بچانا چاہتے تھے (انہیں) بچا لیا گیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب (ہرگز) نہیں ہٹایا جاتا۔ (۱۱۱)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

ان (لوگوں) کے ذکر میں عقل مندوں کے لیے ایک (عبرت کا نمونہ موجود) ہے۔ یہ ایسی بات (ہرگز) نہیں ہے جو (اپنے پاس سے) گھڑی گئی ہو۔ بلکہ (یہ) اس (کلام الٰہی کی پیشگوئی) کو کامل طور پر پورا کرنیوالی ہے جو اس کے سامنے (پہلے سے موجود) ہے اور ہر بات کی پوری تفصیل کرنے والی ہے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (۱۱۲)

ع ۱۲ / ۶

---

۱۱۰ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ بعض حکمتوں کی وجہ سے عورت نبوت کے عہدہ پر مقرر نہیں ہو سکتی۔ (باقی تمام روحانی مدارج وہ حاصل کر سکتی ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے انبیاء بھی مرد انسان ہوتے تھے پھر محمد رسول اللہ صلعم کے ایسا ہونے پر وسوسہ بے معنی ہے تم اپنی موجودہ طاقت پر ناز نہ کرو کیونکہ ایک دن دنیا ضرور سمجھ جاتی ہے کہ ان کا حقیقی خیرخواہ کون ہے اس لیے آخری فتح ہمیشہ متقیوں کی ہوتی ہے۔

۱۱۱ اس سورۃ میں آتا ہے انہٗ لاییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون اس لیے اذا استیئس الرسل کا یہ مطلب نہیں کہ رسول خدا کے فضل سے ناامید ہو گئے بلکہ یہ ہے کہ کافروں کے (عذاب الٰہی دیکھنے کے بغیر) ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تھے۔ وظنوا انھم قد کذبوا یعنی عذاب میں دیر کی وجہ سے کفار نے سمجھا کہ ان کے دعوے جھوٹے ہی تھے۔

۱۱۲ یعنی آنحضرت صلعم کو جھوٹا سمجھیں تو باقی تمام انبیاء کو بھی جھوٹا سمجھنا پڑیگا۔ کیونکہ صرف حضورؐ ہی ان کی پیشگوئیوں کے مصداق ہیں پھر آپ پر جو کتاب اتری ہے وہ ہر دینی ضرورت کو پورا کرتی ہے (اس لیے آئندہ بھی نئی شریعت نہیں آسکتی) اور صرف تفاصیل ہی نہیں بتاتی بلکہ ھدًی بھی ہے یعنی خدا تعالےٰ تک پہنچا بھی دیتی ہے۔

اٰیاتھا ۴۳	سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ الٓمّٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ

(۱) (میں) اللہ تعالیٰ کا نام لیکر (شروع کرتا ہوں) جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔

(۲) الٓمّٓرٰ یہ کامل کتاب کی آیات ہیں اور جو کلام تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ وہ بالکل حق ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ، وہ ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند کیا ہے جو تمہیں نظر آتے ہوں (اور) پھر وہ عرش پر قائم ہوا ہے اور سورج اور چاند کو اس نے بغیر مزدوری کے (تمہاری) خدمت پر لگایا ہے (چنانچہ) ہر ایک (سیارہ) ایک معین میعاد تک (اپنی مقررہ گردش

نزول و ترتیب:۔ یہ سورۃ مکی ہے سورۃ یونس میں بتایا گیا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ انبیاء کے زمانہ میں دنیا کو دو طرح ہدایت کی طرف لاتا ہے۔ ایک سزا سے دوسرے رحم سے اس کے بعد سورۃ ہود میں سزا اور سورۃ یوسفؑ میں رحم کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس سورۃ میں اس امر پر بحث کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ترقی کا اعلان جو پہلی تین سورتوں میں کیا گیا ہے۔ وہ کس رنگ میں پورا ہوگا۔ یعنی کونسے ذرائع اس کے لیے استعمال ہوں گے۔

خلاصہ مضامین:۔ فرماتا ہے کہ خدا تعالےٰ غیر مرئی سامانوں سے کام لیتا ہے اوّل وہ ایسا کرے گا کہ کفار کی اولادیں مسلمان ہو جائیں گی اور ان کا رعب جاتا رہے گا۔ دوسرے وہ قانونِ قدرت کے ہر شعبے کو اس کی خدمت میں لگا دیگا تیسرے اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایسے کمالات رکھے ہیں کہ وہ اکیلے ہی جیت سکتے ہیں جیسے ایک بینا کئی اندھوں پر فتح پا سکتا ہے۔ چوتھے نبی کریم صلعم کو توحید کی جو تعلیم دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس کے مقابل پر شرک ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ پانچویں اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کی حالتیں دیکھ کر بھی لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی۔ چھٹے اسلامی تعلیم کو فطرت کے مطابق پا کر طبائع اسے قبول کرنے لگ جائیں گی۔ ساتویں:۔ قرآن کے ذریعہ زبردست معجزات دکھلائے جائیں گے اور ظاہری اور باطنی نشانات ظاہر ہوں گے۔ ظاہری نشانوں میں سے ایک فتح مکہ ہوگا۔

اس مضمون کی مناسبت کی وجہ سے اس سورۃ کا نام (رعد) رکھا گیا ہے۔ گویا برسنے والا بادل جو آیا ہے اس کے ساتھ کڑک بھی چاہیئے۔ سو وہ بھی آگئی ہے۔

۲ے فرمایا یہ الکتاب کی یعنی اس خاص کتاب کی آیات ہیں جس کا ہر قوم کو وعدہ تھا اور جس کا مدتوں سے انتظار تھا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ جو کچھ اس میں نازل ہوا ہے حق ثابت نہ ہو اور اس کے مطابق اسلام نہ جیتے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

کے مطابق) چل رہا ہے وہ ہر امر کا انتظام کرتا ہے (اور) وہ (اپنی) آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھو۔ (۳)

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا ہے اور اس میں استحکام کے ساتھ ٹھہرے رہنے والے پہاڑ اور (نیز) دریا بنائے ہیں اور اس میں تمام (اقسام کے) پھلوں سے دونوں قسمیں (یعنی نر و مادہ) بنائی ہیں۔ وہ رات کو دن پر لا ڈالتا ہے۔ جو لوگ سوچتے ہیں ان کے لئے (بلاشک و شبہ) اس (بات) میں کئی نشان (پائے جاتے) ہیں۔ (۴)

سے فرمایا تمہارے نزدیک ہمارے رسول کے پاس نہ دنیوی سامان ہیں نہ دینی یعنی خارق سنت سامان اس لیے پیشگوئیاں پوری نہیں ہوسکتیں۔ یہ تمہاری غلطی ہے جس طرح چھت بغیر ستونوں کے کھڑی نہیں ہوسکتی مگر اجرام فلکی بغیر نظر آنیوالے ستونوں کے (یعنی کشش ثقل وغیرہ کے ذریعہ) یا بغیر کسی ایسی چیز کے جس کو عرف عام میں ستون کہہ سکیں کھڑے ہیں اسی طرح غیر مرئی سامان نصرت رسول کے ہونگے۔ پھر جس طرح صرف ایک قانون کی وجہ سے سورج چاند مادی دنیا کی مدد پر لگے ہوئے ہیں اسی طرح اگر خدا تعالےٰ ایک قانون جاری کرکے ہر شے کو اپنے رسول کے تابع کردے تو اس میں کیا استعجاب ہے یدبر الامر میں بتایا کہ خدا تعالےٰ فی الواقعہ تمام عالم کو اس کی تائید میں لگا دیگا۔

عرش کے معنے در اصل چھت کے ہیں اور چونکہ تخت بھی ایک قسم کی چھت ہے اور بادشاہ اس پر بیٹھ کر حکومت کرتے ہیں اس لئے عرش کے معنے حکومت کے بھی ہیں (بقرہ ۲۶۰ اور سورۃ یوسف ۱۰۱) استوٰی علی العرش سے یہ مطلب نہیں کہ آسمان کوئی مادی شے ہے جس نے خدا کو اٹھایا ہوا ہے۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ عرش کچھ چیز ہی نہیں صرف حکومت کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں آسمان و زمین کے بغیر ستونوں کے کھڑا کرنے کے ذکر کے بعد خدا تعالےٰ کے عرش پر قائم ہونے کا ذکر کرکے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جیسے جب اللہ تعالےٰ نیا آسمان و زمین بنا لیتا ہے تو اس کی صفات کامل طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں یہ نہیں ہوتا کہ صرف کسی ایک صفت کا ظہور ہو اسی طرح محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے آسمان روحانی کی تکمیل ہوکر صفات الٰہیہ کا کامل ظہور ہوگا اور کامل تعلیم بنی نوع انسان کو دی جائے گی اور صفات تنزیہیہ کے مرکز کے ماتحت جس قدر صفات تشبیہیہ ہیں سب حضورؐ کی مدد پر لگ جائیں گی۔

سے فرمایا جس طرح پہاڑوں اور نہروں سے زمین زندہ ہے پہاڑ پانی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور آگے بھی پہنچاتے ہیں اور نہریں گو ذخیرہ تو نہیں کرتیں مگر پانی آگے پہنچا دیتی ہیں اور زمین گو دوسروں کو فائدہ نہ پہنچائے مگر خود اس پانی سے فائدہ اٹھا لیتی ہے۔ اسی طرح روحانی نظام کے لیے انبیاء کی ضرورت ہے جو الہامی پانی کو جمع کرکے دوسروں کو دے سکیں اور ان سے فیض پانے والوں کی ضرورت ہے جو اس پانی کو نہروں کی طرح دور دور پھیلا دیں ایسا نہ ہو تو روحانی زمین مردہ ہوجائے۔ پھر ہر چیز میں ہم نے یہ طریق رکھا ہے کہ اس کا ایک حصہ نر ہوتا ہے جو فیض دیتا ہے اور دوسرا مادہ جو فیض لیتا ہے انبیاء بطور نر کے ہوتے ہیں۔ وہ نہ ہوں تو دوسرے لوگ جو "مادہ" ہیں کہاں سے فیض پائیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ضرور ہے کہ ایک قابل نر سے قابل مادہ ملے تو فیض پائے اسی طرح جو طبائع مناسبت

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

اور زمین میں ایک دوسرے کے پاس پاس کئی (اقسام کے) قطعات ہیں اور کئی (طرح کے) انگوروں کے باغات اور (کئی قسم کی) کھیتی اور (طرح طرح کے) کھجور کے درخت (جن میں سے بعض) ایک ایک جڑ سے کئی کئی نکلنے والے (ہوتے ہیں) اور (بعض) ایک ایک جڑ سے کئی کئی نکلنے والوں کے خلاف (ایک ہی تنے کے ہوتے) ہیں جنہیں ایک ہی (طرح کے) پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (باوجود اسکے) پھل کے (۵) لحاظ سے ہم ان میں سے بعض (درختوں) کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اسمیں (بھی) ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں یقیناً بہت سے نشان ہیں۔

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَإِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ الْأَغْلٰلُ فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

اور (اے مخاطب) اگر تجھے (ان منکرانِ حق پر) تعجب آئے تو (وہ بجا ہے کیونکہ) ان کا (یہ) کہنا (کہ) کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں واقع میں (پھر) کسی نئے جنم میں آنا ہوگا (واقعی) عجیب (قول) ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق (پڑے) ہونگے اور یہ (لوگ دوزخ کی) آگ (میں (۶) پڑنے) والے ہیں اور وہ اس میں رہا کریں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اور وہ نیک جزا پر سزا کو مقدم کرتے ہوئے تجھ سے (اسکے) جلدی لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (ایسے لوگوں پر) تمام (قسم کے) عبرتناک عذاب آچکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود (بھی) بلاشبہ (بہت ہی) بخشنے والا ہے اور (اسی طرح) تیرا رب یقیناً سخت (۷) سزا دینے والا (بھی) ہے۔

رکھتی ہیں۔ وہ ضرور نبی کریمؐ کے فیض سے اسلام لے آئیں گی۔

یغشی الیل النھار۔ دن کے بعد تاریکی کا زمانہ بھی خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہی آتا ہے اس لیے ممکن نہیں کہ اس کے حکم کے باوجود تاریکی ٹھہری رہے۔ جیسے سورج کی ایک کرن رات کی تاریکی کو پھاڑ دیتی ہے اب بھی ایسا ہی ہوگا۔

۵ فرمایا یہ نہ سمجھو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہماری طرح کا انسان ہے جیسے پاس پاس کی زمینیں باوجود ایک ہی پانی ملنے کے بالکل مختلف چیزیں اُگاتی ہیں ویسے ہی انسانوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور یہاں تو پانی کا بھی فرق ہے انہیں آسمانی پانی مل رہا ہے۔

۶ فرمایا محمد رسول اللہؐ کی کامیابی میں کوئی تعجب کی بات نہیں تعجب تو اس پر ہونا چاہیئے کہ دنیا خراب ہو جائے اور خدا تعالیٰ اس کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ یہ خلاف سنت ہے کہ آنکھ ہو مگر روشنی نہ ہو مادہ ہو مگر نر نہ ہو اور اگر نر و مادہ ملیں تو نتیجہ نہ نکلے (دیکھیں آیت) اولٰئک الذین کفروا بربھم کہہ کر بتایا کہ یہ خیال مایوسی کی وجہ سے ہے جو خدا تعالیٰ کے فضلوں سے کفر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

۷ فرمایا جب ہم انہیں کہتے ہیں کہ روحانی پانی سے فائدہ اٹھاؤ گے تو جزا پاؤ گے ورنہ سزا تو وہ انعام کی کوشش نہیں کرتے جھٹ عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ ہم تو انبیاء کو اس لئے بھیجتے ہیں کہ لوگوں کی مغفرت کا سامان ہو اس لئے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ
اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝
اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى
وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ
الْمُتَعَالِ ۝
سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ
وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ
اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا
بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ

اور جن لوگوں نے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں (کہ) اس (شخص) پر اس کے رب کی طرف سے
کوئی نشان کیوں نہیں اتارا گیا (حالانکہ) تو صرف آگاہ (اور ہشیار) کرنیوالا ہے
(۸) اور ہر ایک قوم کیلئے (خدا تعالیٰ کی طرف سے) ایک راہنما (مقرر) ہے۔
اللہ (خوب) جانتا ہے اسے (بھی) جو ہر مادہ اٹھاتی ہے اور جسے رحم
ناقص کر (کے گرا) دیتے ہیں اور اسے بھی جسے وہ بڑھاتے ہیں اور ہر چیز
(۹) ہی اس کے پاس ایک بڑے اندازہ میں موجود ہے۔
وہ غائب اور حاضر (دونوں) کا جاننے والا ہے۔ بڑے مرتبہ والا
(۱۰) (اور) بڑی شان والا ہے۔
جو تم میں سے بات چھپاتا ہے اور وہ بھی جو اسے ظاہر کرتا ہے۔
(اس کے علم کے لحاظ سے دونوں) برابر ہیں نیز وہ بھی جو رات
(۱۱) کو چھپ رہتا ہے۔ اور جو دن کو چلتا ہے۔
اس کی (یعنی اللہ کی طرف سے) اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی
(ایک دوسرے کے پیچھے آنیوالی (ایک ملائکہ کی) جماعت (حفاظت
کیلئے) مقرر ہے جو اس کی اللہ کے حکم سے حفاظت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ
کبھی بھی کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنی اندرونی حالت کو

اگر ہم انہیں تباہ کر دیں تو ہدایت کون پائے ہاں جب فائدہ اٹھانے والے اٹھا لیں گے تو باقیوں کیلئے ہم شدید العقاب بھی ہیں۔

ف۸ نشان پر نشان دیکھ کر پھر بھی کفار آیت کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے انکی مراد عذاب ہوتی ہے فرمایا انما انت منذر تیرے تو نام ہی ہیں یہ بات بتادی گئی ہے مگر ولکل قوم ھاد۔ ہر قوم کی ہدایت کے لیے مامور بھیجا جاتا ہے اگر ہدایت سے پہلے عذاب آجائے تو ہاد کی صفت باطل جائے اس لیے صبر کرو پہلے یہ ہادی بن جائے پھر باقیماندہ کے لئے منذر بنیگا۔

ف۹ اللہ یعلم ما تحمل انثیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ دشمنوں نے کونسا مادہ قبول کیا ہے شیطان کا یا روحانیت کا اور کس کا مادہ بڑھے گا اور کس کا گھٹیگا۔ اس میں اشارہ ہے کہ روحانی (یعنی آنحضرتؐ سے فیض اٹھانے والے کامیاب ہوں گے اور شیطان کے پیرو تباہ۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمارے علم میں آئندہ تمہارے ہاں وہی اولاد ہوگی جو رسول کریمؐ کی خدمت گذار ہوگی آپؐ کی مخالف اولاد ضائع ہو جائے گی۔

ف۱۰ فرمایا وہ عالم الغیب ہے تمہاری مخفی تدبیروں کو بھی جانتا ہے کبیر ہے یعنی تمہارے مقابلہ پر اتنا بڑا ہے کہ تمہاری مخالفتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور متعال ہے یعنی اسے مخلوق سے مستغنی کرنے والی رفعت حاصل ہے اس لیے تمہاری تباہی سے اس کی حکومت میں کمی نہیں آئے گی۔

ف۱۱ یعنی آنحضرتؐ سے مقابلہ خدا تعالیٰ سے مقابلہ ہے اور اس کے لیے تمہاری علی الاعلان دھمکیاں اور مخفی مشورے ہوا ہیں اس لیے تم اسے کیا نقصان پہنچا سکتے ہو۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

نہ بدلے اور جب اللہ (تعالیٰ) کسی قوم کے متعلق عذاب کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس (عذاب) کو ہٹانیوالا کوئی نہیں ہوتا۔ اور اس (یعنی اللہ) کے سوا (۱۲) ان کا اور کوئی (بھی) مددگار نہیں (ہو سکتا)

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝

وہی ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے خوف کے لیے (بھی) اور طمع (۱۳) کیلئے (بھی)، اور بھاری بادل اُٹھاتا ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

اور کڑک اسکی تعریف کے ساتھ (ساتھ) اس کی پاکیزگی کا اظہار بھی کرتی اور فرشتے بھی اس کے خوف کے سبب سے (ایسا ہی کرتے ہیں) اور وہ گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے۔ پھر جن پر چاہتا ہے انہیں نازل کرتا ہے۔ اور وہ اللہ کے بارہ میں جھگڑ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سخت (۱۴) عذاب دینے والا ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

نہ ٹلنے والا بلاوا اسی کا ہے اور جنہیں وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی دعا) کا کوئی جواب نہیں دیتے (ہاں)، مگر اس (شخص) کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا رہا ہو لیکن وہ (یعنی پانی) اس تک کبھی نہ پہنچے گا۔ اور کافروں کی (چیخ و) پکار

---

۱۲ لہٗ کی ضمیر آنحضرتؐ کی طرف پھرتی ہے۔ اور صحابہؓ بھی اس آیت کو آنحضرتؐ کے متعلق سمجھا کرتے تھے حضورؐ کا سارا زمانۂ نبوت اس حفاظت کا ثبوت دیتا ہے۔ جن مخلصین نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ ہم موسٰیؑ کے ساتھیوں کی طرح آپؐ کو چھوڑ نہیں دینگے بلکہ آپؐ کے دائیں بائیں کریں گے وہ بھی معقبٰت میں سے تھے۔ من امر اللہ:- وہ محض رضاء الٰہی کے لیے حفاظت کرتے ہیں لہٗ معقبٰتٌ کے یہ معنے بھی ہیں کہ ہر انسان کی حفاظت کے لیے پہریدار مقرر ہیں جو اسے مختلف خطرات سے بچاتے رہتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ .....: یعنی بُرے کے ساتھ تو خدا تعالیٰ نیک سلوک کر لیتا ہے مگر نیک کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کرتا جبتک کہ وہ خود بدل نہ جائے۔

۱۳ فرمایا تمہیں ظاہری سامانوں کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ جیسے بجلی اور بارش میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی اور ان کا نفع نقصان صرف ان کی ذاتی خوبی یا برائی پر منحصر نہیں بلکہ اس تعلق سے متعلق ہے جو ان کو کسی دوسری چیز سے پیدا ہو اس لیے اگر تمہارے دلوں کی حالت خراب ہے تو ظاہری سامان ترقی کا نہیں تنزل کا موجب ہوں گے۔

۱۴ فرمایا اوپر کی آیت سے یہ نہ سمجھنا کہ بجلی اور بادل اتفاقاً کسی کو نفع اور کسی کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ بجلی اور ملائکہ بھی (جو ہر کام چلانے والے ہیں) ہماری مخلوق ہیں وہ تو ایسا کام ہی کر سکتے ہیں جس سے ہماری تسبیح ہو اس لیے یہ ممکن نہیں کہ مصائب کی بجلیاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تباہ کر دیں ان کے لیے وہ ترقی ہی کا موجب ہوں گی۔

بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (۱۵) ضائع ہی جائے گی۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ السجدة

اور جو (ذوی الارواح) آسمانوں میں ہیں یا زمین میں ہیں اور ان کے سائے بھی خوشی ہو کر (کریں)، یا ناخوش ہو کر (ہر) صبح اور (۱۶) شام سجدہ اللہ ہی کو کرتے ہیں۔

شلہ اس آیت کے کئی معنے ہیں (۱) سچائی کی تائید میں اٹھنے والی آواز (یعنی عمدہ اور سچی تعلیم) صرف خدا ہی کی ہوتی ہے یعنی انسانی تعلیم میں غلطیاں ہوتی ہیں اس لیے وہ خدائی تعلیم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی (۲) خدا تعالیٰ ہی کی آواز ضرور غالب ہو کر رہتی ہے (۳) صرف خدا کو پکارنا ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے (۴) وہی عبادت کا مستحق ہے یعنی جو اس کے سوا کسی کو پکارتا ہے وہ کسی کا حق کسی کو دے کر ظالم اور ناشکر گزار بنتا ہے لایستجیبون لھم بشیئ میں یہ اشارہ ہے کہ جھوٹے معبودوں سے تو کچھ بھی نفع نہیں ملتا اگر کوئی دعا قبول ہو جاتی ہے تو معبودوں کا اس میں دخل نہیں وہ اتفاقی امر ہے۔ الا کباسط کفیہ میں یہ تبلایا کہ جیسے اعلیٰ کو ادنیٰ مقام دینے سے انسان فائدہ سے محروم ہو جاتا ہے ویسے ادنیٰ کو اعلیٰ مقام دے دو پھر بھی فائدہ نہیں مل سکتا کیونکہ وقت پر وہ چیز اس کام نہیں آتی جس کی امید اس سے کی گئی ہو۔ دعا الکفرین الا فی ضلل :- قبولیت دعا کا مقام تو خدا تعالیٰ ہے کفار چونکہ کسی اور کو پکارتے ہیں دعا ضائع ہو جاتی ہے۔ لہٗ دعوۃ الحق میں یہ بھی تبلایا کہ تقدیر کا ٹلانا خدا کے قبضہ میں ہے پس جو اس سے تعلق نہیں رکھتا تقدیر اس کی مؤید نہیں ہوتی۔ والذین یدعون میں فرمایا کہ ان کی تدبیریں بھی ناقص اور بے محل ہیں گویا نہ تقدیر ان کے ساتھ رہی نہ تدبیر۔ تو ان کی ناکامی میں کیا شبہ ہے۔

۱۶ یہاں تبلایا ہے کہ ہر چیز قانون الٰہی کی پابندی کر رہی ہے بعض کرھًا مثلاً زبان چکھنے پر اور آنکھ دیکھنے پر مجبور ہے اور بعض طوعًا مثلاً بھوک لگنے پر کھانا کھانا اور یہ اشارہ کیا ہے کہ تصرفاتِ الٰہی ایسے ہوں گے کہ بعض باتوں میں کفار کڑھیں گے مگر مجبور ہوں گے جیسے فتح مکہ تھی یا ان کی اولادوں کا مسلمان ہونا تھا۔ کہ وہ کڑھتے تھے مگر مجبور تھے۔ اور بعض باتیں وہ اپنے فائدہ کی سمجھ کر کریں گے مگر وہ ہوں گی مسلمانوں کے فائدہ کی جیسے صلح حدیبیہ تھی یا حضرت نبی کریمؐ کا مکہ سے اخراج تھا۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ مومنوں کی اطاعت طوعًا ہوتی ہے اور کفار کی کرھًا۔

ظِلٰلُھُمْ سے یہاں عام سایہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ عدم نور پر دلالت کرتا ہے۔ اور غیر موجود چیز سجدہ نہیں کر سکتی اس لئے اس کے یہاں دوسرے معنے یعنی وجود مراد ہیں۔ ظلال۔ ظلٌّ اور ظلّۃٌ دونوں کی جمع ہے اور مجازًا ظل توابع کو کہتے ہیں۔ ظلۃ کے معنے سایہ کرنے والے کے ہیں یا مجازًا سردار اور حکمران کے۔ اس میں بتایا ہے کہ تمام موجودات ان کے تابع اور ان کے حکمران قانونِ الٰہی کے ماتحت ہیں اس لیے اگر انہوں نے آنحضرتؐ کی مخالفت نہ چھوڑی تو ان کے اوپر کے وجود بھی اور ان کے تابع بھی ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ یہی مضمون رعد آیت ۱۴ میں بیان ہوا ہے۔ بالغدو والاٰصال اس لیے فرمایا کہ ان اوقات میں سایہ لمبا ہوتا ہے اور اس کا کامل

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ
قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ
الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى
الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا
لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ
اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

تو (ان سے) کہہ (کہ بتاؤ)، آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے۔
(اس کا جواب وہ تو کیا دیں گے) تو (خود ہی)، کہدے (کہ)، اللہ (اور پھر)
تو (ان سے) کہہ (کہ) کیا پھر (بھی)، تم نے اس کے سوا اور (اور اپنے)
مددگار بنا رکھے ہیں۔ جو (خود) اپنے لیے (بھی) کسی نفع (کو حاصل
کرنے) کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور نہ کسی نقصان (کو روکنے) کی (اور
ان سے) کہہ (کہ)، کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر (ہو سکتا) ہے یا کیا تاریکی
اور روشنی برابر (ہو سکتی) ہے یا کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک تجویز
کئے ہیں جنہوں نے اسکی مخلوق کی طرح (کچھ) پیدا کیا ہے کہ جسکی وجہ سے
اسکی اور دوسروں کی (مخلوق ان کیلئے مشتبہ ہو گئی ہے تو (ان سے) کہہ
(کہ) اللہ (ہی) ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ اور وہ کامل (طور پر) یکتا
(اور ہر ایک چیز پر) کامل اقتدار رکھنے والا ہے۔ (۱۷)

ظہور بھی سورج کے اِدھر اُدھر ہونے سے ہی ہوتا ہے۔ یہاں بتلایا ہے کہ تمہاری حکومت کتنی ہی بڑی ہو جائے اور تم خود محمد رسول اللہ کے مقابل پر نکلو یا اپنے ماتحتوں کو بھیجو ہم تمہاری تدبیر کو توڑ ڈالیں گے۔ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ جیسے ظل اصل کو ثابت کرتا ہے ویسے ہی ظلی نبوت اصل کے لیے بطور دلیل کے ہے۔

۱۷ فرمایا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہر چیز طوعاً و کرہاً ہمارے قانون کی پابند ہے۔ اس لئے فائدہ ہمیں پکارنے ہی میں ہے مگر تم شرک میں مبتلا ہو لیکن کیا کئی اندھے ایک بینا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور کیا تاریکیاں ایک کرن نور کے سامنے ٹھہر سکتی ہیں۔ ہمارے رسولؐ کو روحانی بینائی اور نور حاصل ہے۔ اس لئے اس کے سامنے تمہارے عقائد کیسے پنپ سکتے ہیں۔ نیز تمہارا شرک کا عقیدہ اس لئے بھی باطل ہے کہ تم کوئی ایسی مخلوق پیش نہیں کر سکتے جو تمہارے معبودوں نے بنائی ہو۔ خدا نے نہ بنائی ہو۔

الواحد القھّار۔ خدا کی وحدانیت کے لیے قرآن میں واحد اور احد دو لفظ آئے ہیں لفظ احد فردیت پر دلالت کرتا ہے اور واحد ابتدائی نقطہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سے یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ وہ مخلوق کا منبع ہے۔ اور باوجود یکہ وہ غنی ہے۔ ہر چیز اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جیسے دوسرے یا تیسرے کا وجود پہلے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

خالق کلّ شئی ءٍ کی دلیل کے طور پر فرمایا کہ اگر خدا کے سوا کسی اور کو خالق مانو تو وہ واحد نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں بعض اشیاء کسی اور منبع کی طرف اشارہ کریں گی۔

القھّار میں یہ اشارہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد بھی کوئی چیز خدا تعالیٰ کے قبضہ سے نکل نہیں سکتی۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

اس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ پھر (اس سے) کئی وادیاں اپنی (اپنی) مقدار کے مطابق بہ نکلیں۔ اور اس سیلاب نے اوپر آجانے والی جھاگ کو اٹھا لیا۔ اور جس (دھات)، کو وہ کسی زیور یا کسی (اور) سامان کی طلب میں آگ میں تپاتے ہیں اس میں (بھی) اس جیسا ایک جھاگ (ہوتا) ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل (کے فرق) کو بیان کرتا ہے۔ پھر جھاگ تو پھینکا جا کر تباہ ہو جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے۔ اللہ (تعالےٰ)، تمام باتوں کو اسی طرح (کھول کر)، بیان کرتا ہے۔ (۱۸)

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

اور جنہوں نے اپنے رب کا کہا مانا ان کے لیے کامیابی (مقدر) ہے۔ اور جنہوں نے اس کا کہا نہیں مانا۔ (ان کی یہ حالت ہوگی کہ)، اگر جو کچھ بھی زمین میں ہے (سب) ان کے لیے ہوتا۔ اور اس کے برابر اور بھی۔ تو بھی وہ اسے دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیتے۔ ان کے لیے بہت ہی بُرا عذاب (مقدر) ہے۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ (۱۹)

ع ۲

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

جو شخص جانتا ہے کہ جو (کلام)، تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ وہ بالکل حق ہے کیا وہ اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے۔ جو اندھا ہے۔ عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔ (۲۰)

۱۸ے یعنی صاف وادیوں میں سے بھی پانی گزرے تو پہلے جھاگ آجاتی ہے پھر وہ کناروں پر ہٹ جاتی ہے اور پانی کا غلبہ نظر آجاتا ہے اسی طرح ابتداءً باطل حق پر غالب نظر آتا ہے مگر بالآخر حق ہی غالب رہتا ہے بقدرھا میں تبلایا کہ اشاعت تعلیم انسانی ظرف کے مطابق ہوتی ہے۔ واما ما ینفع میں بتلایا کہ اسلامی تعلیم ہی باقی رہ جائیگی تمہارے عقائد مٹ جائینگے۔

۱۹ے اوپر بتایا تھا کہ صرف مفید چیزیں باقی رکھی جاتی ہیں اب بتلاتا ہے کہ چونکہ مفید وجود ہی ہو سکتے ہیں جو الٰہی احکام کو مانیں اسلئے ان کو کامیابی دیجاتی ہے اور دوسروں کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے جو گو علاج کی جگہ ہے مگر تکلیف دہ ہے لھم سوء الحساب یعنی ان کے اعمال کے نتائج خراب نکلیں گے۔ اور وہ ان طاقتوں کا حساب نہیں دے سکیں گے جو انکو ترقی کیلئے ملی تھیں۔

۲۰ے فرمایا جو اوپر کی باتوں کو الہامی سمجھتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھالیتا ہے کیا وہ اندھوں جیسا ہو سکتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝

جو اللہ (تعالیٰ) کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور (۲۱) اس پختہ عہد کو نہیں توڑتے۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝

اور جو (لوگ)، کہ ان تعلقات کو قائم کرتے ہیں جن کے قائم کرنے کا اللہ (تعالیٰ) نے حکم دیا ہے۔ اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور (۲۲) بُرے (انجام والے) حساب سے خوف رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝

اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا کی طلب میں ثابت قدمی سے کام لیا اور نماز کو عمدگی سے ادا کیا۔ اور جو (کچھ) ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے چھپ کر (بھی)، اور ظاہر (بھی ہماری راہ میں) خرچ کیا اور (جو) بدی کو نیکی کے ذریعہ دور کرتے ہیں انہی کے لیے (۲۳) اس گھر کا (بہترین) انجام (مقدر) ہے۔

انما یتذکر اولوا الالباب :- یعنی فائدہ تو دینی حب اور عقل رکھنے والے اٹھا سکتے ہیں۔

۲۱ یہاں عقلمندوں کی نشانی بتلائی کہ وہ اچھے برے کا موازنہ کرکے سمجھ چکے ہوتے ہیں کہ سب برکت خدا کے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کے عہد کو کسی صورت ٹوٹنے نہیں دیتے۔

۲۲ عقلمندوں کی دوسری علامت یہ ہے کہ جن جن چیزوں سے اور جس حد تک اللہ تعالےٰ نے تعلق کا حکم دیا ہے وہ تعلق رکھتے ہیں خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی اعلیٰ چیز کی معرفت حاصل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا ہوتا ہے اس لیے یخشون ربھم میں بتایا کہ جو مقام قربِ الٰہی ان کو حاصل ہوتا ہے وہ اس کے کھوئے جانے سے ڈرتے رہتے ہیں۔ ویخافون سوء الحساب :- اور انہیں یہ خوف رہتا ہے کہ شفقت علیٰ خلق اللہ میں کوتاہی کی وجہ سے خدا تعالےٰ کو ناراض نہ کر بیٹھیں۔ لفظ خشیت مقصود بالذات کے لیے بولا جاتا ہے مگر لفظ خوف کے لیے ضروری نہیں کہ مقصود بالذات کیلئے بولا جائے بلکہ ایسی چیز کیلئے بھی بولا جاتا ہے جس سے دور بھاگنا مقصود ہو اس لیے خدا تعالےٰ کے تعلق کے لیے خشیت کا اور مخلوق کے تعلق کے لیے خوف کا لفظ رکھا ہے۔

۲۳ یعنی عقلمندوں کی یہ بھی صفت ہے کہ وہ صبر کرتے ہیں یعنی بدی سے مجتنب رہتے ہیں۔ نیکی پر قائم رہتے ہیں اور جزع فزع سے رکتے ہیں یہی نہیں نیت کی بھی اصلاح کرتے ہیں۔ اور اس کام میں صرف رضاء الٰہی ان کے مدنظر ہوتی ہے (۳) باشرائط نمازیں پڑھتے ہیں (۴) وہ پوشیدہ وظاہر خرچ کرتے ہیں۔ پوشیدہ اس لیے کہ ریا اور اظہار احسان نہ ہو اور ظاہر اس لیے کہ دوسروں کو بھی تحریک ہو (۵) ویدرءون بالحسنۃ السیئۃ وہ نیکیاں کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر بدیاں چھوڑ دیں۔ (۶) بدی کو مٹانے کے لیے جو مناسب حال عمل ہو وہی کرتے ہیں (۷) نیک باتوں کا وعظ کرتے ہیں بدیوں کی تشریحات پر زور نہیں دیتے اس طرح ذہن خود بخود بدی سے ہٹ جاتے ہیں (۸) شرارت کا جواب شرارت سے نہیں دیتے ہمیشہ انصاف اور نیکی پر قائم رہتے ہیں۔ الدار سے مراد جنت ہے کیونکہ اصل گھر وہی ہے یہ دنیا تو عارضی سفر ہے۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ
مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ
وَالۡمَلٰٓئِكَةُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ
مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۚ

یعنی مستقل رہائش کے باغات۔ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے اور ان کے بڑوں اور ان کی بیویوں اور ان کی نسلوں میں سے جنہوں نے نیکی اختیار کی ہوگی۔ اور فرشتے (۲۴) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔

سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ
عُقۡبَی الدَّارِ ؕ

(اور کہیں گے)، تمہارے لئے سلامتی ہے کیونکہ تم ثابت قدم رہے (۲۵) پس (اب دیکھو کہ تمہارے لیے) اس گھر کا کیا ہی اچھا انجام ہے۔

وَالَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ
مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِهٖ وَیَقۡطَعُوۡنَ
مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ
وَیُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓئِكَ
لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ

اور جو اللہ کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس (تعلق) کے قائم کرنے کا اللہ (تعالیٰ) نے حکم دیا تھا اسے توڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی جناب سے) دوری (مقدّر) ہے اور (اسی طرح) ان (۲۶) کیلئے برا گھر (مقرر) ہے۔

اَللّٰهُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ
وَیَقۡدِرُ ؕ وَفَرِحُوۡا بِالۡحَیٰوةِ
الدُّنۡیَا ؕ وَمَا الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا فِی
الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۠

اللہ (تعالیٰ) جس کے لیے پسند کرتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے۔ اور (جس پر چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور (یہ لوگ) اس ورلی زندگی (پر ہی) خوش ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ورلی زندگی آخرت کے مقابلہ میں محض (۲۷) ایک وقتی سامان ہے۔

ع ۹

۲۴ؔ ومن صلح: یہاں یہ اصل بتایا ہے کہ انسان کی ہر نیکی بدی میں کسی نہ کسی رنگ میں دوسرے بھی شریک ہوتے ہیں اس لیے انعام میں انکا حصہ بھی خدا تعالیٰ نے رکھا ہے۔ یہاں زوج کے معنے ساتھی کے ہیں یعنی نیکیوں میں ممد و معاون ہونے والے کے۔ والملٰٓئکة یدخلون علیهم من کل باب میں تبلایا ہے کہ وہ نیکیاں جن کی وجہ سے وہ جنت میں جائیں گے جنت کے دروازوں کی شکل میں متمثل ہوں گی۔

۲۵ؔ فرمایا تم چونکہ ساری عمر استقلال سے نیکی پر قائم رہے تھے۔ اس لیے سلامٌ علیکم تمہارے لئے دائمی سلامتی ہے۔ ہم جب ایک دوسرے کو السلام علیکم کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہیں وہ سلام پہنچے جس کا قرآن میں ذکر ہے۔

۲۶ؔ نقض اور عہد اللہ کو ملا کر بتایا کہ جو لوگ نیکیوں کو چھوڑتے اور بدیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جس سے تعلق جوڑنے کا حکم ہے اس سے تعلق قطع کر لیتے ہیں یہی نہیں بلکہ ویفسدون فی الارض انکی مخالفت شروع کر دیتے ہیں ان کے لئے لعنت یعنی خدا سے دوری ہے کیونکہ انہوں نے خود اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

۲۷ؔ فرمایا تم سمجھتے ہو کہ عاقبت کے انعام تو موہوم ہیں اگر محمد رسول اللہ صلعم کو مان لیا تو دنیا جو ہاتھ میں ہے وہ بھی نہ رہے گی یہ تمہاری غلطی ہے ہم چاہیں تو تمہارا رزق بھی مسلمانوں کو دیدیں اور ہم بتا بھی چکے ہیں کہ ہم ایسا کرینگے اسلیے دنیوی فائدہ بھی مسلمان ہونے ہی میں ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝

اور جن لوگوں نے (تمہارا) انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان کیوں اتارا گیا۔ تو کہہ اللہ جسے چاہتا ہے۔ ہلاک کر دیتا ہے اور جو (اس کی طرف) مائل ہو۔ (۲۸) اسے اپنی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝

یعنی جو ایمان لائے ہوں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہوں۔ سنو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان (۲۹) پاتے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝

جو لوگ، ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ان کیلئے (۳۰) (بڑی) قابلِ رشک حالت اور بہترین واپسی کی جگہ (مقدر) ہے۔

كَذٰلِكَ أَرْسَلْنٰكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝

اسی لیے ہم نے تجھے ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے کئی قومیں (آنے والے کی راہ دیکھتی) گذر چکی تھیں بھیجا ہے۔ تاکہ جو کلام ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے۔ تو وہ انہیں اس حالت میں پڑھ کر سنائے کہ وہ رحمان (کے فیضان) کا انکار کر رہے ہیں تو کہہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ (۳۱) اور اسی کی طرف (ہر آن) میرا رجوع ہے۔

---

۲۸ فرمایا اس دعوی پر کفار کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروائے (یعنی ہمارا رزق چھین کر) دکھاؤ حالانکہ جب رحمت کے نشانوں نے فائدہ نہ دیا تو ہلاکت کا نشان کیا فائدہ دیگا۔ من یشاء کے بعد من اناب کہکر واضح فرمادیا کہ خدا بلاوجہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا صرف ان کو کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہی نہیں۔

۲۹ فرمایا سچے رجوع کرنے والے وہ ہیں جو ہمارا ذکر اتنا اور اس رنگ میں کریں کہ انہیں اطمینان حاصل ہو جائے اور چونکہ زندگی کا اصل مقصد ذکر الٰہی ہی ہے اس لئے جب خدا مل جاتا ہے تو کوئی جلن باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ سارا دنیا کی نعمتیں پانے والوں کو بھی اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوتا لیکن خدا کو پانے والے محمد رسول اللہ ؐ کو دیکھو ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں مگر کوئی گھبراہٹ نہیں اطمینان و سرور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن نے چونکہ روحانی ترقی میں کسی کا حق نہیں مارا ہوتا اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

۳۰ یہاں بتلایا ہے کہ اصل ذکر اللہ یہ ہے کہ دل میں خدا ہو اور ہاتھ عمل صالح بجا لا رہے ہوں ایسے مومنوں کو نیکی اور سعادت ملے گی۔ اور ان کا انجام اچھا ہوگا۔

۳۱ فرمایا ہم عذاب میں دیر کرتے جاتے ہیں پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ خدا رحمن نہیں کذلک ارسلناک ہم نے تجھے اسی لیے بھیجا ہے کہ تو ایسے اعلیٰ مقام والے مطمئن القلب پیدا کرے جیسوں کا اوپر ذکر ہے اور گو یہ کام مشکل ہے مگر اعلان کر دے کہ یہ کام ظاہری سامانوں سے نہیں میرے رب کے ہاتھ سے ہوتا ہے اس پر مجھے توکل ہے اور اسی سے دعا کرتا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہو جس کے ذریعہ سے (نشان کے طور پر) پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے ہٹا کر) چلایا گیا ہو۔ یا اس کے ذریعہ سے زمین کو (ٹکڑے ٹکڑے) کیا گیا ہو یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے باتیں کی گئی ہوں (تو کیا یہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے) نہیں بلکہ (ایمان لانے کا معاملہ پورے طور پر) اللہ کے اختیار میں ہے پھر کیا جو (لوگ) ایمان لائے ہیں انہیں (ابتک) معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ (تعالیٰ) چاہتا۔ تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ اور (اے رسول) جن لوگوں نے (تمہارا) انکار کیا ہے۔ ان کے (اس) عمل کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی سخت آفت ان پر آتی یا ان کے گھر کے قریب نازل ہوتی رہے گی یہانتک (۳۲) کہ اللہ (تعالیٰ) کا (آخری) وعدہ آ جائیگا۔ اللہ (تعالیٰ) اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کریگا۔ ^۴ع

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝

اور یقیناً تجھ سے پہلے رسولوں سے استہزاء کیا گیا تھا جس پر میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے انکار کیا (تھا) ایک مدت تک مہلت دی پھر میں نے (۳۳) انہیں ہلاک کر دیا اور (دیکھو) میری سزا کیسی (سخت) تھی۔

۳۲ــه جبال کے معنے سردار قوم اور پہاڑ کے ہیں اور استعارہ میں مشکلات کے بھی ہیں — ولو ان قرآنا سیرت به الجبال یعنی اگر قرآن میں زلزلوں کی پیشگوئی ہو جس سے پہاڑ ہل جائیں۔ یا اس کے ذریعہ مشکلات دور ہو جائیں یا سردار اور عالم اڑائے جائیں۔ (۱) اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ ایسا ہوگا۔ مثلاً زلازل کی پیشگوئی سورۃ زلزال میں ہے قرآن علمی، اخلاقی، روحانی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی اور قومی مشکلات کا بے مثل حل پیش کرتا ہے۔ پھر اس نے سیاست کا بھی ڈھنگ بدل دیا۔ اور علم کا مفہوم بھی) مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قطعت به الارض ؛۔ یعنی اس کے ذریعہ دشمنوں کی زمین کاٹ کر مسلمانوں کو دے دی جائے گی۔ اور (۲) قرآن جلد دنیا میں پھیل جائے گا (قطع الارض کے معنے مسافت کے چھوٹا ہو جانے کے بھی ہیں) کلم به الموتیٰ یعنی (۱) اس کی شہادت میں مردے بولیں گے۔ مثلاً خوابوں میں یا اس طرح کہ ان کی پیشگوئیاں مل جائیں گی جو نبی کریم صلعم کے متعلق ہوں گی (۲) اس کے ذریعہ روحانی مردے زندہ ہوں گے اور ان کی زبانوں پر حکمت جاری ہوگی (دیکھیں انفال ۸/۲۵) بل اللہ الامر جمیعا ؛ یعنی اوپر کی باتیں بظاہر مشکل ہیں لیکن خدا سب کچھ کر سکتا ہے اس لئے پوری ہوں گی۔ (چنانچہ سب پوری ہوئیں)۔ییایئس کے معنے مایوسی کے علاوہ جاننے کے بھی ہیں اور یہی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد میں جو وعدہ ہے وہ لرادک الی المعاد (قصص آیت ۸۶) کا ہے یعنی ہم ضرور تجھے مکہ کی طرف لائیں گے۔

۳۳ــه اوپر بتایا گیا تھا کہ چونکہ اصل مقصد ہدایت دینا ہوتا ہے اس لئے عذاب فوراً نہیں آتا۔ اب فرمایا یہ ڈھیل دینا تیرے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں سب انبیاء کے وقت میں کفار کو ڈھیل دی گئی تھی۔ دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ ڈھیل کیوں دی گئی بلکہ یہ ہے کہ منکرین کا انجام کیا ہوا۔

أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ
بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ
قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ أَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا
لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ
الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ۝
لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

تو کیا وہ (خدائے برتر) جو ہر ایک شخص کا جو کچھ اس نے کمایا ہو اس
کے مطابق نگران ہے۔ (ان سے نہ پوچھے گا) اور انہوں نے (تو) اللہ
کے کئی ایک شریک (بھی) بنا رکھے ہوئے ہیں (ان سے) کہو تم ان (دیوتے
خداؤں) کے نام (تو) بتاؤ یا (کیا) تم (لوگ) اس (یعنی خدا تعالیٰ) کو کوئی
ایسی بات بتاؤ گے جو زمین پر (موجود) تو ہے لیکن وہ (اسے) نہیں جانتا
یا کوئی اور کھلی بات (کہو گے؟ ہرگز) نہیں (تم کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتے)
بلکہ جن لوگوں نے انکار کیا ہے انکو انکی (اپنی ہی) فریبکاری خوبصورت (شکل میں)
(۳۴) دکھائی گئی ہے۔ اور انہیں (درست) راستہ سے ہٹا دیا گیا ہے اور جسے اللہ ہلاک کرے
(پھر اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں کوئی نہیں بچا سکتا)
ان کے لئے ایک عذاب (تو) اس ورلی زندگی میں (ہی مقدر) ہے اور
آخرت کا عذاب یقیناً اور (بھی) سخت ہوگا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ
(۳۵) کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوگا۔
اس جنت کا (مثالی) بیان جس کا پرہیزگاروں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

---

۳۴ یہاں اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ کے جواب کا جملہ کمن ھو لیس بقآئم محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جو انسان کے ہر عمل کو جانتی ہے اس جیسی نہیں ہو سکتی جو اس طاقت سے محروم ہے۔ اس آیت میں شرک کے رد میں تین دلیلیں دی ہیں (۱) قل سَمُّوْهُمْ یعنی اگر شرکا ہیں تو ان کے کام بتاؤ ذاتی نام تو انہوں نے بتوں کے رکھے ہوئے تھے (نجم ۵۳/۲۳) صفاتی نام یعنی کام ہی مراد ہیں۔ اس دلیل کا کوئی جواب نہیں کیونکہ اگر خدا تعالےٰ کی کوئی ایک صفت کسی معبود باطل کی طرف منسوب کی جائے تو کئی اور بھی کرنی پڑتی ہیں کیونکہ جب تک تمام صفات نہ ہوں گی کوئی ایک صفت کام نہ کر سکے گی۔ اور اگر سب صفات اس میں مان لی جائیں تو دوسرے خدا کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے (۲) ام تنبئونہ یعنی گر خدا کا شریک ہوتا تو اس کی خبر خدا کی طرف سے آنی چاہیئے تھی مگر تم الٹے اس کو بتاتے ہو کہ فلاں تیرا شریک ہے (۳) ام تقولون بظاہر من القول:۔ یعنی اس عقیدہ پر دلی یقین تم کو بھی نہیں صرف منہ سے کہتے ہو جو جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

بل زین للذین کفروا مکرھم۔ یعنی پہلے تو وہ شرک کا ڈھکوسلا بناتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ان کو اچھا لگنے لگ جاتا ہے۔

صدوا عن السبیل:۔ یعنی خدا کو چھوڑنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر چھوٹی چھوٹی چیزوں کا سہارا لینے لگتا ہے۔ اور اسی طرح شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ وَمن یُضْلِلِ اللہ فمالہ من ھاد۔ اضلّ کے معنے ہیں گمراہ کیا یا گمراہ قرار دیا یہاں گمراہ قرار دیا مراد ہے کیونکہ گمراہ کرنا خدا کا کام نہیں۔ فرماتا ہے لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعًا۔ نیز فرماتا ہے وما یضلّ بہ الا الفٰسقین (بقرہ ۲/۲۷)

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝

دیہ ہے کہ) اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کا پھل (بھی) ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔ اور اس کا سایہ (بھی)، یہ ان (لوگوں) کا انجام ہوگا جنہوں نے تقوے اختیار کیا (ہوگا)، اور انکار کرنے والوں کا (۳۶) انجام (دوزخ) کی آگ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝

اور جن (لوگوں) کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (کلام الٰہی) سے جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے خوش ہوتے ہیں اور ان (مختلف) گروہوں میں سے (بعض) ایسے (بھی) ہیں جو اس کے بعض (حصہ) کا انکار کرتے ہیں۔ تم کہو مجھے (تو) یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور (کسی کو) اس کا شریک نہ ٹھہراؤں میں اسی کی طرف (تم کو) بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میں (بھی) رجوع کرتا ہوں (۳۷)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝

اور اسی طرح ہم نے اسے ایک مفصل حکم کی صورت میں اتارا ہے اور اگر (اے مخاطب) تو نے اس علم کے بعد جو تجھے حاصل ہو چکا ہے۔ ان (کفار) کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں نہ (تو) تیرا کوئی دوست (۳۸) ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا (ہوگا)۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

اور ہم نے تجھ سے پہلے (بھی) یقیناً کئی رسول بھیجے تھے اور انہیں بیویاں اور بچے (بھی) دیئے تھے اور کسی رسول کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ (تعالٰے) کے اذن کے سوا (اپنی قوم کے پاس)

۳۵-۳۶ نہر سہولت سے چلنے والے پانی کو کہتے ہیں اور نہر بڑے رقبہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے تجری من تحتھا الانھٰرُ میں بتایا گیا ہے کہ وہاں بے روک ٹوک ترقیات ہوں گی نیز یہ کہ مومن کے اعمال بہت وسیع ہوں گے۔ نہر کی بجائے انہار کا لفظ جو جمع ہے بتاتا ہے کہ جنت کے انعام کئی قسم کے ہوں گے اور اکلھا دائمٌ وہ دائمی ہوں گے۔

۳۷ ینکرُ کے معنے ہیں انکار کرتے ہیں۔ ناپسند کرتے ہیں عجیب سمجھتے ہیں بعضہ اس لئے فرمایا کہ جو حصہ ان کے مطابق ہوتا تھا اس سے وہ خوش ہوتے تھے۔ فرمایا کفار قرآن کے بعض حصہ کو ناپسند کرتے ہیں اور بدلنا چاہتے ہیں۔ انہیں کہدے کہ ہر نبی کی تعلیم کا مرکزی نقطہ توحید ہوتا ہے۔ اسی نقطہ کے گرد میری تعلیم چکر لگا رہی ہے۔ اور ویسے بھی میں حکم الٰہی کے تابع ہوں۔ پھر میں اسے کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ اِلَيْهِ اَدْعُوا میرا تو کام ہی اس کی طرف بلانا ہے۔ اور الیہ مٰاٰب میں نے اس کی طرف جانا ہے پھر نافرمانی کیسے کروں۔

۳۸ یہاں قرآن کے بعض حصہ کو بھی نہ بدلنے کی اور وجہ بتلائی ہے۔ کہ قرآن حُكْمًا عَرَبِيًّا ہے یعنی مضامین کو مدلل طور پہ واضح کرنے والی ہے۔ اور اس کے مضامین میں ایسی وسعت ہے جو خدا ہی پیدا کر سکتا ہے اسے بدلا جائے تو وہ خوبی نہ رہے گی۔

أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ
لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ
وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ ۝
وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ۝
أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ
نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَ
اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ

کوئی نشان لاتا۔ ہر زمانہ کی انتہا کے لیے (خدا تعالےٰ کی طرف سے)
(۳۹) ایک (خاص) حکم ہوتا ہے۔
جس چیز کو اللہ (تعالیٰ) چاہتا ہے مٹاتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) قائم
(۴۰) کرتا ہے۔ اور اسی کے پاس (تمام) احکام کی اصل (اور جڑ) ہے۔
اور جس (عذاب کے بھیجنے) کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں اگر ہم اس کا کوئی حصہ
(تیرے سامنے بھیجکر) تجھے دکھا دیں (تو تو بھی انکا انجام دیکھ لیگا) اور (اگر) ہم (اس
گھڑی سے پہلے تجھے وفات دیدیں تو تجھے بعد الموت اسکی حقیقت معلوم ہو جائیگی کیونکہ)
(۴۱) تیرے ذمہ (ہمارے حکم اور پیغام کا) صرف پہنچا دینا ہی اور (انکا) حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔
اور کیا انہوں نے دیکھا نہیں۔ کہ ہم ملک کو اس کی (تمام) اطراف
سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور فیصلہ (تو) اللہ (تعالیٰ) کرتا ہے۔
کوئی اس کے فیصلہ کو تبدیل کرنے والا نہیں۔ اور

۳۹؎ فرمایا کفار کو جاننا چاہیے جن حالات میں پہلے انبیاء آتے رہے ہیں انہی میں تو آیا ہے۔ بیوی بچے ہیں قرآن کے بھی بنتے پھر وہ کامیاب ہو گئے تو تو کیوں نہیں ہوگا۔ وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ۔ لیکن کسی رسول کے بس میں ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی مرضی سے نشان دکھا سکے اس لئے تو اپنی مرضی سے عذاب کیسے لا سکتا ہے۔ ولکل اجل کتاب۔ یہ علم انبیاء کو نہیں صرف خدا ہی کو ہے کہ کس وقت کونسا حکم جاری ہونا چاہیے۔ سزا کا یا عفو کا یا تاخیر سزا کا اس لئے اس نے ایک وقت مقرر کر چھوڑا ہے۔ اور اس بات کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے انبیاء کے ہاتھ میں نہیں دیا۔

۴۰؎ یہاں عذاب کے متعلق دو قانون بیان فرمائے۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ۔ یا وہ عذاب کو مٹا دیتا ہے یعنی عذاب دیتا ہی نہیں یا یُثْبِتُ یعنی عذاب کو قائم رکھتا ہے۔ مگر آسمانی عذابوں میں یہ قانون ہے کہ بغیر استحقاق یا استحقاق سے زیادہ نہیں آتے۔ اگر انسان غصہ میں دشمن کو پیس ڈالنا چاہے یا عفو کرنا ہی نہ چاہے تو یہ صفات اللہ کے خلاف ہے۔ اُمّ کے معنے جڑ کے ہیں اس لیے عندہٗ ام الکتاب کے معنے ہوئے (۱) احکام کی حکمت اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ وہ تمام عالم کی ضروریات کو جانتا ہے۔ (۲) تمام احکام شریعت صفات الٰہیہ پر مبنی ہیں۔ پس شریعت کی جڑھ خدا تعالےٰ کے پاس ہوتی۔ اس لیے نیکی کی تعریف یہی ہے کہ صفات الٰہیہ کی نقل ہو۔ اور بدی کی یہی کہ صفات الٰہیہ کے خلاف ہو۔ (۳) چونکہ احکام کا مقصد اسی کو معلوم ہے اس لیے سزا اسی کے اختیار میں ہونی چاہیے کیونکہ کئی دشمن بعد میں ایمان لے آتے ہیں اور خدا ہی جانتا ہے کہ کون بچائے جانے کے لائق ہے۔

۴۱؎ یعنی جب عذاب کا مقصد ہی اصلاح اور انصاف ہے تو بعض عذاب کی پیشگوئیاں ٹل بھی سکتی ہیں اور ان کے ٹلنے پر گھبرانا نہیں چاہیے۔

وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ٥

(۴۲) وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ٥

اور جو (لوگ) ان سے پہلے تھے انہوں نے (بھی انبیاء کے خلاف اسی طرح مخالفانہ) تدبیریں کی تھیں۔ (مگر انکی کوئی پیش نہ گئی) پس تدبیر کرنا تو کلی طور پر اللہ (تعالیٰ) ہی کے اختیار میں ہے ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے وہ (یعنی اللہ)

(۴۳) ہی اسے جانتا ہے۔ اور ان کافروں کو ضرور (اور جلد) معلوم ہو جائیگا کہ اس (آنیوالے) گھر (کا نیک انجام) کس کے لئے ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ٥

اور جن لوگوں نے تیرا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں ہے۔ تو (انہیں) کہہ (کہ) اللہ (تعالیٰ) میرے درمیان اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔ اور (اسی طرح پر) وہ شخص بھی گواہ ہے) جس کے

(۴۴) پاس اس (مقدس) کتاب کا علم (آ چکا) ہے۔

۴۲؎ فرمایا عذاب کی کوئی پیشگوئی ٹل بھی جائے۔ تو کیا ہے کیا وہ دیکھتے نہیں کہ دوسری پیشگوئیاں پوری بھی تو ہو رہی ہیں اور کفار سے کٹ کٹ کے لوگ اسلام لا رہے ہیں۔ ان کا پورا ہونا اس بات کا ثبوت ہے، کہ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ اس کے فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ جو پیشگوئیاں ٹلی ہیں اسی نے ٹالی ہیں۔

۴۳؎ یعلم ...... عقبی الدار، یعنی کفار کی تدابیر کو تو خدا تعالےٰ جانتا ہے۔ لیکن اس کی تدابیر کو کفار نہیں جانتے۔ اس لیے جب ان کو نقصان پہنچ جائے گا۔ اسی وقت ان کو علم ہوگا۔ کہ انجام کس کے ہاتھ میں ہے۔

۴۴؎ کفار واضح سے واضح برہان پر شک کرتے ہیں۔ اگر ایسا وقت نبی کی آمد کا نہیں ہوگا تو اور کونسا ہوگا اس لیے یہ بجائے خود نبی کی صداقت کی دلیل ہوتی ہے۔ فرمایا کفار تو براہین کے باوجود بھی کہتے چلے جائیں گے کہ تو نبی نہیں مگر تو چڑ یو نہیں یہی کہیو کہ میری شہادت خدا تعالےٰ اور کتب سماویہ سمجھنے والے دے رہے ہیں اس لیے تمہارے انکار کی کیا قدر ہے۔

ایاتہا ۵۲	سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ
لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ

(۱) (میں، اللہ تعالیٰ) کا نام لیکر (شروع کرتا ہوں، جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔
الٓرٰ (یہ) ایک کتاب ہے جسے ہم نے تجھ پر اس لیے اتارا ہے کہ تو تمام لوگوں
کو ان کے رب کے حکم سے ظلمات سے نکالکر نور کی طرف یعنی (اس) کامل الطور
پر غالب (اور) کامل محمود (ہستی تک پہنچنے) کے راستہ کی طرف
(۲) لائے۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ
مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ

یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف) کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور
جو کچھ زمین میں ہے۔ اور (اس کا) انکار کرنے والوں کیلئے ایک (بہت)
(۳) بڑی آفت یعنی ایک سخت عذاب (مقدر) ہے۔
جو آخرت کے مقابلہ میں (اس) ورلی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اور (دوسرے
لوگوں کو بھی) اللہ (تعالیٰ) کے راستہ سے روکتے ہیں اور اسے کجی

نزول و ترتیب:۔ یہ سورۃ مکی ہے اور اس میں سورۃ رعد کے مضمون کو جاری رکھا گیا ہے فرق یہ ہے کہ یہاں روئیت پر زور ہے یعنی واقعات سے نتائج کا استخراج کیا گیا ہے۔

خلاصہ مضامین:۔ فرمایا۔ قرآن کی اصل غرض ہدایت دینا ہے پہلے بھی اسی غرض کے لیے انبیاء آئے تھے وہ حق پر تھے اس لیے کامیاب ہوئے اسی وجہ سے تو بھی کامیاب ہوگا۔ پھر سچے کلام کی علامتیں بتائیں اور فرمایا دیکھ لو یہ قرآن میں موجود ہیں یا نہیں اس کے بعد مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کے طریق بتلائے نیز بتلایا کہ عرب میں جو تغیر ہونے والا ہے یہ ابراہیمؑ کے وقت سے ہمارے مد نظر ہے اسے ہم کیسے بھلا سکتے ہیں پھر مسلمانوں کو ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور کفار کو تنبیہ کی ہے کہ مکہ کی بنیاد قیام توحید کے لیے تھی تم شرک سے باز نہیں آؤ گے تو یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔

۲ فرمایا قرآن نور کی طرف ہدایت کرتا ہے اور اصل نور عزیز حمید کی راہ ہے کیونکہ عزیز ہی دشمنوں پر غلبہ دے سکتا ہے اور حمید ہی اندرونی اندھیرے یعنی شبہات و وساوس دور کر سکتا ہے مسلمانوں کو بادشاہت بھی ملی اور اخلاقی کمزوریاں بھی دور ہوئیں اور جہالت بھی چنانچہ جو امی تھے فقہ، منطق، طب، سیاست، انجینرنگ، ہندسہ، الجبراء وغیرہ علوم کے معلم بنے۔

۳ فرمایا عزیز حمید سے ہماری مراد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آسمان و زمین کی ہر شے پر اس کی حکومت ہونا اور پھر ہر شے کا بے عیب ہونا اس کے عزیز حمید ہونے کی دلیل ہے جو اس سے تعلق قائم کرے گا زمینی اور آسمانی نعما اسکی ہو جائیں گی۔ چنانچہ مسلمانوں کو ایک طرف ایسا غلبہ ملا کہ مدینہ سے خلیفہ حکم دیتا تو ساری دنیا اس پر عمل کرنے لگ جاتی اور دوسری طرف ان کی ایسی حمد ہوئی کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۚ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

اختیار کر کے (حاصل کرنا) چاہتے ہیں یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے (۴) ہوئے) ہیں۔

اور ہر ایک رسول کو ہم نے اس کی قوم کی زبان میں ہی (وحی دیکر) بھیجا ہے۔ تاکہ وہ انہیں (ہماری باتیں) کھول کر بتائے پھر (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ، جسے (ہلاک کرنا) چاہتا ہے ہلاک کرتا ہے اور جسے (کامیاب کرنا) (۵) چاہتا ہے (اسے) منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور وہ کامل طور پر غالب (اور) کمال حکمت والا ہے۔

اور (تجھ سے پہلے) ہم نے موسیٰ کو (بھی) اپنے نشانات کے ساتھ یہ حکم دے کر بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کے عذاب یاد دلا۔ (کیونکہ) بلاشبہ اس میں ہر ایک پورے صابر (اور) پورے شکرگزار کے لئے (۶) کافی نشان (پائے جاتے) ہیں۔

؁ فرمایا کفار کا کفر اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو آخرت پر مقدم کر لیتے ہیں پھر خود ہی عزیز حمید کی راہ سے دور نہیں ہٹتے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں ویبغونھا عوجا۔ اور دینی احکام میں مرضی کے مطابق تبدیلی کرکے اس خود ساختہ چیز کا نام دین رکھتے ہیں چونکہ راستہ غلط ہوتا ہے نتیجہ گمراہی نکلتا ہے۔

؁ یعنی اصولی الہام ہمیشہ قومی زبان میں ہوتا ہے۔ نبی کریم صلعم پر وحی عربی زبان میں اتری اس سے استدلال غلط ہوگا کہ حضورؐ صرف عرب کے لیے نبی تھے کیونکہ سورۂ اعراف ۱۵۸-۱۵۹/۷ میں اہل کتاب کو بھی آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انجیل میں پیشگوئی تھی کہ آپ اہل کتاب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرینگے اس آیت میں لکھا ہے کہ آپ پر ایمان لانے سے یہود و نصاریٰ کامیاب ہوں گے اگر آپ ان کی طرف مبعوث نہیں تھے تو ان باتوں کی کیا ضرورت تھی۔ اور یہود و نصاریٰ کو آپ پر ایمان لانے سے سزا ملنی چاہیئے تھی نہ کہ انعام۔ علاوہ ازیں قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا (اعراف ۷/۱۵۹)، اور (۲) وَمَا ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا (سبا ۳۴/۲۹) کے الفاظ میں وضاحت ہے کہ آپ سب انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے حدیث میں ہے بعثت الی الاسود والاحمر (۲) ارسلت الی الخلق کافۃ (۳) بعثت الی الناس عامۃ ۔ فَیُضِلُّ اللّٰہ من یشاء کو لیبین کے بعد رکھ کر بتایا کہ جب تک خوب سمجھایا نہ جا چکا ہو خدا تعالیٰ کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا۔ وھو العزیز الحکیم:۔ وہ غالب ہے سزا دے سکتا ہے لیکن حکیم ہے۔ جب تک سزا کے وجوہ نہ ہوں سزا دیتا نہیں۔

؁ موسیٰ کے واقعات یاد دلائے کہ ان کی طرح مصائب آئیں گے صبر کرنے والوں اور پھر مصائب پر شکر کرنیوالوں کو انعام ملیں گے ذکّرھم بایّٰم اللہ میں بتایا کہ ظلمت سے نور کی طرف لے جانے کے دو ذریعے ہیں یا انعام نعما کو یاد دلایا جائے یا سزاؤں سے خوف دلایا جائے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝

ع ۱۴ — م

اور (اے مخاطب تو اس وقت کو بھی یاد کر) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم (تم اپنے پر اللہ (تعالیٰ) کا (اس وقت کا) انعام یاد کرو جب اس نے تمہیں فرعون کے ساتھیوں سے (کہ) حالت میں بچا یا تھا کہ وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے (۷) (تمہارے لیے) بڑا (بھاری) امتحان تھا۔

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب تمہارے رب نے (انبیاء کے ذریعہ سے) اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! اگر تم شکرگزار بنے تو میں تمہیں (اور بھی) زیادہ دوں گا اور (۸) اگر تم نے ناشکری کی (تو یاد رکھو کہ) میرا عذاب یقیناً سخت (ہوا کرتا) ہے۔

اور موسیٰؑ نے اپنی (قوم سے یہ بھی) کہا تھا کہ اگر تم اور جو (دوسرے لوگ) زمین میں (بستے ہیں) سب کے سب بھی کفر اختیار کرو تو (اس میں خدا تعالیٰ کا (۹) کوئی نقصان نہیں ہو سکتا کیونکہ) اللہ (تعالیٰ) یقیناً بے نیاز (اور) بہت ہی تعریفوں والا ہے۔

کیا جو لوگ تم سے پہلے تھے یعنی نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے ان کی (نسبت) دلوں کو ہلا دینے والی خبر تمہیں نہیں پہنچی (وہ ایسے نابود ہوئے اور مٹائے گئے کہ) اللہ (تعالیٰ) کے سوا (اب) انہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ (جب) ان کے پاس ان کے رسول (ہمارے) روشن نشان لیکر آئے تو انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور کہا کہ جس (تعلیم) کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے۔ اس کا تو ہم انکار کر چکے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے متعلق ہم ایک بے چین کر دینے والے (۱۰) شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔

ے ان آیات میں پہلے بنی اسرائیل پر انعام کا ذکر ہے اور پھر بتلایا ہے کہ ترقی کا راز شکر کرنے میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے اور اس کی ثنا کرنے میں اور چونکہ ثنا اسی وقت ہوتی ہے جب انعام کا صحیح استعمال ہو اس لیے یہاں نعماء الٰہی کے صحیح استعمال کی تعلیم دی گئی ہے۔

ف لَغَنِیٌّ کہکر بتایا کہ انبیاء انسانوں کے فائدہ کے لیے بھیجے جاتے ہیں خدا تعالیٰ کو ضرورت نہیں کہ لوگ ایمان لائیں ہاں چونکہ وہ حمید ہے اس لیے ڈوبتوں کو بچاتا ہے۔

نلہ عاد اور ثمود کے بعد ابراہیمی نسل شروع ہو گئی تھی۔ اور اس کا ذکر قرآن اور تورات میں موجود ہے اس لئے من بعدھم سے مراد ابراہیمی نسل کے سوا دوسری نسلیں ہیں لایعلمھم الا اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قوموں میں بھی نبی آرہے تھے۔ فردوا ایدیھم۔ ید کے معنے نعمت و احسان کے بھی ہیں یہاں یہی مطلب ہے کہ کفار نے انبیاء کے احسان کو ان کے منہ پر دے مارا۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ
لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا
فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۝
وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝
وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ
وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ
عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

ان کے پیغمبروں نے (انہیں کہا) کہ کیا (تمہیں) اللہ (تعالیٰ) کے متعلق
کوئی شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ (تو)
تمہیں بلا رہا ہے تاکہ وہ تمہارے (فائدہ کے) لیے تمہارے گناہوں میں سے
بعض بخش دے۔ اور ایک مقررہ میعاد تک تمہیں تاخیر دے۔ انہوں نے
کہا کہ تم (تو) ہماری ہی طرح کے انسان ہو۔ تم چاہتے ہو کہ جس چیز
کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے چلے آئے ہیں اس سے ہمیں ہٹا دو
(۱۱) پس (اگر اس معاملہ میں تم حق پر ہو تو) ہمارے پاس کوئی روشن نشان لاؤ۔
ان کے پیغمبروں نے انہیں کہا۔ (کہ یہ سچ ہے کہ) ہم تمہاری (ہی) طرح
کے بشر ہیں۔ لیکن (ساتھ ہی یہ بھی سچ ہے کہ) اللہ (تعالیٰ) اپنے بندوں
میں سے جس پر چاہتا ہے (خاص) احسان کرتا ہے اور یہ بات ہمارے
اختیار میں نہیں ہے کہ اللہ (تعالیٰ) کے حکم کے سوا تمہارے پاس
کوئی نشان لائیں اور مومنوں کو اللہ (تعالیٰ) پر ہی توکل رکھنا
(۱۲) چاہیے۔
اور ہمیں (ہوا) کیا ہے کہ ہم اللہ (تعالیٰ) پر توکل نہ کریں حالانکہ
اس نے ہمارے (مناسب حال) راستے ہمیں دکھائے ہیں اور جو دکھ تم
نے ہمیں دے رکھا ہے اس پر ہم یقیناً صبر کرتے چلے جائیں گے اور

۱؎ فطور کا لفظ ایک چیز کے دوسری سے نکلنے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے فاطر سے پیدائش کا دوسرا مرحلہ مراد ہے
یعنی وہ سٹیج جب مادہ تو تھا مگر اس سے کوئی چیز تشکیل ہونی شروع نہ ہوئی تھی۔ فرمایا کیا تم کو شک ہے کہ خدا تعالیٰ
الہام بھیج سکتا ہے یا نہیں وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مخلوق کو پیدا کر کے روحانی ہدایت
کے بغیر چھوڑ دے۔ یدعوکم لیغفر لکم۔ ممکن ہے تم کہو کہ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ بندوں سے ہمکلام
ہو لیکن ایسا تو جب ہو کہ وہ اپنے لیے ایسا کرے وہ تو اس لیے کرتا ہے کہ بندے مغفرت حاصل کریں اور ان کو فائدہ ہو۔

۲؎ اس اعتراض کے جواب میں کہ ان انتم الا بشر مثلنا (آیت ۱۱) رسول کہتے ہیں کہ بے شک ہم
انسان ہیں مگر جو بھی رسول ہو کر آتا اس نے مخلوق تو ہونا تھا پھر خدا تعالیٰ نے انسان کو چن لیا۔ تو اس میں برائی
کیا ہے اور تم اس کے اختیار محدود کرنے والے کون ہو؟ تم ہم سے ایسی دلیل مانگتے ہو جس سے ہماری فضیلت
ثابت ہو مگر ہم تو یہ کہتے ہی نہیں کہ ہم بشر سے بالا ہیں۔ اس لیے ہم از خود معجزہ نہیں دکھا سکتے۔ ہمارا تو دعویٰ
صرف یہ ہے کہ خدا ہمارے ہاتھ پر نشان دکھاتا ہے۔

ع ۲ / ۱۴

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ع
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ
لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ
فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ۙ
وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ
وَعِيْدِ ۝

(۱۴) بھروسہ کرنے والوں کو تو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔
اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے (اپنے اپنے زمانہ کے) پیغمبروں سے کہا (کہ) ہم تمہیں ضرور اپنے ملک سے نکال دینگے۔ یا تم (مجبور ہو کر) ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ گے (تو ان تکلیفوں سے بچ سکو گے) جس پر ان کے رب نے
(۱۴) ان پر وحی نازل کی (کہ) ہم ان ظالموں کو یقیناً ہلاک کر دینگے۔
اور ان (کی ہلاکت) کے بعد اس ملک میں ضرور تمہیں آباد کر دینگے
یہ (وعدہ) اس کے حق میں ہے جو میرے مقام سے ڈرے اور
(۱۵) (نیز) میرے وعید سے ڈرے۔

۱۳؎ هَدٰنَا سُبُلَنَا میں یہ نکتہ ہے کہ شریعت ان امور کو بیان کرتی ہے جو انسان کے اپنے فائدہ کے لیے ہوتے ہیں۔ نہ کہ خدا کے فائدہ کے یہ مضمون سبلنا (ہمارے راستے) سے نکلتا ہے۔ سُبُلَنَا کا لفظ جمع رکھ کے بتایا کہ اس تعلیم میں انسان کی مختلف ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ ولنصبرن علیٰ ما اٰذیتمونا۔ ہم جانتے ہیں۔ تم ہمیں دکھ دو گے۔ مگر ہم ان دکھوں کو برداشت کر کے ثابت کر دینگے کہ ہمارے مدنظر اپنی برتری نہیں ہے۔ وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ۝۔ اس میں نکتہ ہے کہ سہارا تو انسان ڈھونڈتا ہی ہے پھر کیوں نہ خدا کا سہارا ڈھونڈا جائے۔

۱۴؎ مخالفین کی یہ مخفی خواہش ہوتی ہے کہ انبیاء تھوڑا سا جھک جائیں تاکہ ان کی برتری کا دعویٰ ٹوٹ جائے۔ اور ان کی عزت بنی رہے۔ لیکن جب انبیاء نے یہ کہا کہ ہم تمہارے ہر دکھ دینے پر صبر کریں گے تو انہوں نے آخری حربہ استعمال کیا۔ کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ زمین تو ہماری ہے جب زمین سے نکالنے کا فتویٰ ہے تو پھر ظالموں کو نکلنا چاہیئے۔ اس لیے ہم ان کو ہلاک کر دیں گے او لتعودن فی ملتنا نبی تو شروع ہی سے شرک سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس لیے یا تو عاد کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ مذہب کو اختیار کریں یا پھر اس لیے ہوا ہے کہ مومن بھی ساتھ ہی مخاطب تھے اور وہ پہلے مشرکوں کے ہم مذہب ہوتے تھے یا اس لیے کہ نبی بھی مشرکوں کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے عرفاً ان کی قوم کا فرد سمجھا جاتا ہے۔

۱۵؎ قرآن میں جہاں قبضہ اور نصرت بتانا مقصود ہو وہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ جہاں ایسا مقصود نہ ہو وہاں واحد کا۔ یہاں بھی خدا تعالیٰ نے متکلم مع الغیر کا صیغہ جو جمع کے معنے دیتا ہے اسی لئے استعمال کیا ہے۔

صوفیا کے نزدیک جو کام خدا تعالیٰ ملائکہ کے توسط سے کرے۔ اس کے لیے جمع کا اور جو خالص امر سے کرے اس کے لیے مفرد کا صیغہ استعمال فرماتا ہے۔

ذٰلک لمن خاف مقامی وخاف وعید میں بتایا کہ وعدہ پورا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور خوف نبی کی جماعت کے دل میں ہو صرف امت میں سے ہونا کافی نہیں۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ

اور انہوں نے (اپنی) فتح کے لیے دعا کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک (۱۶) سرکش (اور) حق کا دشمن ناکام رہا۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ

اس (دنیوی عذاب) کے بعد (اس کے لیے) جہنم (کا عذاب مقدر) (۱۷) ہے۔ اور (وہاں) اسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝

وہ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اور اسے آسانی سے نہیں نگل سکیگا اور ہر جگہ اور (ہر طرف) سے اس پر موت آئے گی اور وہ مرے گا نہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی (اس کے لیے) ایک (۱۸) سخت عذاب (مقدر) ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

جن لوگوں نے اپنے رب (کے احکام) کا انکار کیا ہے ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جسے ایک تیز آندھی والے دن ہوا تیزی سے (اڑا) لے گئی ہو۔ جو کچھ انہوں نے (اپنے مستقبل کے لیے) کمایا ہے اس میں سے کوئی حصہ (بھی) ان کے ہاتھ (۱۹) نہیں آئے گا۔ یہی پرلے درجہ کی تباہی ہے۔

۱۶؎ واستفتحوا پر بعض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب اوپر لنسکننکم کا وعدہ تھا تو پھر دعا کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ الٰہی کے بعد تدبیر و دعا کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور ربنا اٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلك (اٰل عمران ۳/۱۹۵) کی دعا قرآن نے خود سکھلائی ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کا وعدہ تھا (قصص ۲۸/۸۶) لیکن باوجود اس کے نبی کریم صلعم نے دعا اور تدبیر سے کام لیا۔

۱۷؎ اگلے جہان کے لحاظ سے ماء صدید یعنی گرم پانی سے اس شکل کا روحانی علاج مراد ہو سکتا ہے دنیا کے لحاظ سے یہ معنے ہونگے کہ ترقیات کے سامان موجود ہونگے مگر وہ استعمال نہیں کر سکیں گے۔ جیسے گرم پانی پیا نہیں جاتا۔ اور چونکہ صدید کے معنے خون آلود پیپ کے بھی ہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس میں علاج بالمثل کی طرف اشارہ ہو کہ ان کے گناہوں سے ہی ان کا علاج کیا جائے گا۔ یا یہ مراد ہے کہ ان کے گند ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے جن سے ان کو گھن آئیگی اور اس طرح ان سے نفرت ہو جائے گی۔ جیسا کہ سائیکو انیلیسز والے کہتے ہیں جو ایک نیا طریق علاج نکلا ہے۔

۱۸؎ ہر مکان سے موت آئے گی یعنی قسم قسم کے گناہوں کی سزا ملیگی تو گو یا ہر طرف موت ہی موت یا تکلیف ہی تکلیف ہوگی مگر چونکہ سزا کی اصل غرض اصلاح ہے اور انسان موت کے لیے پیدا نہیں کیا گیا (سوائے پہلی موت کے) اس لیے وہ مریں گے نہیں۔ جنت کے لیے تو باب کا لفظ استعمال کیا تھا (رعد ۱۳/۲۴-۲۵) مگر دوزخ کے لیے مکان کا کیا ہے یہ اسلئے ہے کہ سلامتی باہر سے یعنی خدا کی طرف سے آتی ہے اور بدی یعنی ہلاکت انسان اپنے لیے خود پیدا کر لیتا ہے۔

۱۹؎ وہ لوگ خدا کو مانتے تھے اس لیے کفروا بربھم سے اس کی نعمتوں یا طاقتوں سے انکار مراد ہے اس آیت سے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ
وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝
وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا
لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝
وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ
اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ
وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا
كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ
لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

ع ۱۵

(اے مخاطب) کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ (تعالیٰ) نے آسمانوں اور زمین کو
حق (و حکمت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ہلاک
(۲۰) کر دے اور (تمہاری جگہ پر) کوئی (دوسری) نئی مخلوق لے آئے۔
(۲۱) اور یہ بات اللہ (تعالیٰ) کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔
اور وہ سب اللہ (تعالیٰ) کے حضور آ کھڑے ہوں گے تب (ان میں سے)
کمزور (سمجھے جانے والے) ان سے جو تکبر کیا کرتے تھے کہیں گے (کہ)
ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے پس کیا تم اللہ (تعالیٰ) کے
عذاب میں سے (اس وقت) کچھ بھی ہم پر سے دور کر سکتے ہو۔ وہ
(جواب میں) کہیں گے کہ اگر اللہ (تعالیٰ) ہمیں ہدایت دیتا۔ تو ہم (بھی)
تمہیں ہدایت دیتے (لیکن اب کیا ہو سکتا ہے) ہمارا بے صبری دکھانا یا
(۲۲) ہمارا صبر کرنا (اس وقت) ہمارے لیے یکساں ہے (اور) ہمارے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں
اور جب تمام معاملہ کا فیصلہ کیا جا چکے گا۔ تو شیطان (لوگوں سے)
کہے گا۔ (کہ) اللہ (تعالیٰ) نے یقیناً تم سے اٹل وعدہ کیا تھا۔
اور میں نے (بھی) تم سے (ایک) وعدہ کیا تھا پھر میں نے وہ تم سے
(کیا ہوا وعدہ) پورا نہ کیا۔ اور میرا تم پر کوئی تسلط نہ تھا
ہاں میں نے تمہیں (اپنے خیالات کی طرف) بلایا اور تم نے میرا کہا
مان لیا۔ اس لیے (اب) مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپکو

معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمال کوئی روحانی فائدہ نہیں دیتے یہ اس لیے ہے کہ جو کام دنیا کے لیے کیا گیا ہو
اس کا طبعی نتیجہ دنیا ہی میں مل جاتا ہے پھر اس کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ لیکن جس شخص کے ظاہری عمل
کے ساتھ اخلاص باللہ بھی شامل ہو ظاہری عمل کا نتیجہ نکلنے کے باوجود اس کے صلہ کا وہ مستحق رہ جاتا ہے
اسی کو اُخروی ثواب کہتے ہیں۔ اس آیت کے یہ معنے بھی ہیں کہ مسبب الاسباب خدا تعالےٰ ہے اس لیے
جو اسباب اس کے دین کے خلاف ہوں ان کو وہ مٹا دیتا ہے۔

۲۰-۲۱ فرمایا کفار کو سوچنا چاہیئے۔ کہ ہم نے دنیا کو بیکار نہیں بنایا۔ جب وہ اپنے اعمال سے پیدائش
کا مقصد باطل کر رہے ہیں تو خدا تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے کہ انکی جگہ دوسروں کو (یعنی مسلمانوں کو) دیدے اور یہ خدا کے لئے مشکل
نہیں دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

۲۲ یہاں ماضی کا صیغہ مستقبل کے لیے لایا گیا ہے۔ کیونکہ عذاب آئندہ آنیوالا تھا۔ یہ زور دینے کے لئے ہے۔
کہ وہ عذاب ضرور آئیگا۔ وبرزوا للہ جمیعًا۔ یعنی جب ان کی تباہی کا وقت آئے گا۔ تو ان کی کمزوریاں ظاہر ہو جائیںگی

أَنفُسَكُمْ ۖ مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ملامت کرو (اس وقت) نہ میں تمہاری فریاد سُن سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد سن سکتے ہو۔ تم نے جو مجھے (اللہ تعالےٰ کا ایک) شریک بنا رکھا تھا۔ میں (تمہاری) اس (بات) کا پہلے سے انکار کر چکا ہوں (اس قسم کا شریک کرنے والے) ظالموں کے لیے یقیناً دردناک (۲۳) عذاب (مقدر) ہے۔

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) عمل کئے ہوں گے انہیں ان کے رب کی اجازت سے ایسے باغوں میں جن کے (سایوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی داخل کیا جائے گا۔ (اور) وہ اپنے رب کی اجازت سے اس میں (ہمیشہ) بستے رہیں گے (۲۴) اور ان (جنتوں) میں انکی (ایک دوسرے کیلئے یہ) دعا ہوگی (تم پر) سلامتی (ہو)

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

(اے مخاطب) کیا تو نے دیکھا نہیں (کہ) اللہ (تعالیٰ) نے کس طرح ایک پاک کلام کی حالت کو جو ایک پاک درخت کی طرح ہے (اور) جسکی جڑھ (مضبوطی کے ساتھ) قائم ہے اور اسکی (ہر ایک) شاخ آسمان (کی بلندی) میں پہنچی ہوئی ہے۔ کھول کر بیان کیا ہے۔ (۲۵) وہ ہر وقت اپنے رب کے اذن سے اپنا (تازہ) پھل دیتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) لوگوں کے لیے (انکی ضرورت کی) تمام باتیں بیان کرتا ہے تاکہ (۲۶) وہ نصیحت حاصل کریں۔

یہاں یہ نکتہ بتایا کہ قوم اتنا کمزوریوں سے نہیں گرتی جتنا کمزوریاں ظاہر ہونے سے۔ گرنے کا دوسرا سبب سواءٌ علینا میں تبلایا کہ وہ تنزل پر صبر کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ صبر بری حالت سے بچنے کا نام ہے۔

۲۳ عذاب کے وقت شیطان یا شیطانی لوگ اپنے آلۂ کار سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے اپنے اندر گند تھا اس لئے تم نے ہماری بات مانی ورنہ کیا ہم تمہیں مجبور کر سکتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے انسانوں کی نیکی کے معیار کو ظاہر کرتے ہیں شیطان بدی کے معیار کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ یہ نیک و بد بناتے نہیں ۱۰ نی کفرت بما اشرکتمون چونکہ خدا تعالےٰ کا جلال اس کے سامنے ہوگا۔ شیطان توحید کا دعویدار ہوگا بعض کہتے ہیں پھر وہ دوزخ میں کیوں جائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے (خلقتنی من نار) اس لیے آگ اس کے لیے عذاب نہیں۔

۲۴ باذن ربھم سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ (۱) جنت کا ملنا خدا کے فضل سے ہے نہ کہ انسان کے استحقاق سے (۲) مومن جنت میں صرف اس لیے رہیگا کہ خدا تعالےٰ کا حکم ہے ورنہ وہ جنت نہیں چاہتا صرف خدا تعالےٰ کا قرب چاہتا ہے۔

۲۵-۲۶ پچھلی آیات میں کفار کے انجام اور مومنوں کے انعامات کا ذکر تھا۔ طبعًا انسان منعمین یا شہدا یت کی

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٧﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا	اور بری بات کا حال بُرے درخت کی طرح ہے۔ جس کو زمین پر سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو (اور) جسے (۲۷) (کہیں بھی) قرار (حاصل) نہ ہو۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں۔ انہیں اللہ (تعالیٰ) اس قائم رہنے والی

خواہش کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء آئے ہیں اور بعض نے بعض کی تعلیم کو منسوخ کیا ہے پھر کیسے معلوم ہو کہ کونسا کلام قابلِ عمل ہے۔ فرماتا ہے قابلِ عمل کلام کی مثال کلمہ طیبہ سمجھ لو کہ (۱) وہ طیب ہو یعنی اس میں ظاہری باطنی کوئی نقص نہ ہو کوئی ضرر نہ ہو لذیذ پاکیزہ خوبصورت شیریں شاندار اور خوبیوں میں بڑھا ہُوا ہو۔ (۲) اصلها ثابت مضبوط جڑھ والے درخت کی طرح وہ اول تازہ غذا حاصل کر رہا ہو یعنے اسے تازہ بتازہ خدا کے فضل حاصل ہوں۔ جس کی وجہ سے وہ تازہ ضروریات زمانہ کو پورا کرتا رہے دوسرے صدمہ سے جھکے نہیں۔ یعنی نکتہ چینیاں برداشت کر سکے۔ تیسرے اس کی تعلیم پختہ ہو اور اختلاف زمانہ سے بدلے نہیں۔ چوتھے اس کی عمر لمبی ہو۔ پانچویں وہ مومنوں کے قلوب کے اندر مضبوطی سے جڑیں پکڑے۔ چھٹے وہ ایک ہی جگہ سے غذا لینے والا ہو اور اس کی جڑیں گہری ہوں یعنی وہ ہر معاملہ میں سیر کن بحث کرنیوالا ہو۔ لیکن سب تعلیمات ایک ہی اصل کے ماتحت ہوں۔ اور زندگی کا سامان یعنی دلائل و براہین صرف اللہ تعالےٰ سے لے۔

(۳) وفرعها فی السماء۔ یعنی اس پر عمل کر کے خدا تک پہنچا جا سکتا ہو۔ وہ تفصیلاتِ شریعت کو مکمل طور پر کثرت اور وضاحت سے بیان کرے اور اس کی تعلیم بلند اخلاق پر مبنی ہو اور اس سے بہت لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ (۴) وہ اپنا پھل ہر وقت دے رہا ہو یعنی ہر وقت کامل انسان پیدا کر رہا ہو۔ (۵) یہ پھل دینا اذن الہٰی سے ہو۔ اس میں بتایا کہ کلام الہٰی کے نتائج صرف طبعی نہیں ہوتے فوق طبعی بھی ہوتے ہیں یعنی اس پر عمل سے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کی ایسی علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں جو طبعی نتائج سے ممتاز ہوں اور جن سے ثابت ہو کہ اس کا نازل کرنے والا طبعی قوانین پر حاکم ہے۔

یہ تمام خوبیاں قرآن میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔

۲۷ شجرة خبيثة :۔ وہ ہے جس کی شکل مکروہ ہو۔ خالص اور غیر خالص ملا کر پیش کرے۔ اس سے اعلیٰ نتائج نہ نکلیں۔

اجْتُثَّتْ جس کو زمین پر سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو۔ یعنی اس کی تعلیم دیرپا نہ ہو۔ اعتراضات کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تازہ غذا اسے نہ ملتی ہو۔ اس کی شاخیں بلند نہ ہوں یعنی وہ اعلیٰ اخلاق کی حامل نہ ہو۔

مالها من قرار وہ کسی جگہ پاؤں نہ جما سکے۔ اور اس کے اصولوں کو بدلنے کی ضرورت ہو۔

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۟

(اور پاک) بات کے ذریعہ سے (اس) ورلی زندگی میں (بھی) ثبات بخشتا ہے اور آخرت کی زندگی) میں بھی (بخشیگا)، اور ظالموں کو اللہ (تعالیٰ) ہلاک کرتا ہے۔ (۲۸) اور اللہ (تعالیٰ)، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ع ۴/۱۴

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۟

(اے مخاطب) کیا تو نے ان لوگوں (کی حالت) کو (غور کی نظر سے) نہیں دیکھا جنہوں نے ناشکری سے اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کو بدل ڈالا (اور آپ بھی ہلاک ہوئے) (۲۹) اور اپنی قوم کو (بھی) ہلاکت کے گھر میں (لا) اتارا۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۟ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۟

(۳۰) یعنی جہنم میں وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ جگہ (رہنے کے لحاظ سے) بہت بُری ہے اور انہوں نے اللہ (تعالیٰ) کے ہم رتبہ (اور مخالف) شریک بنا لیے ہیں۔ تا (لوگوں کو) اس کی راہ سے برگشتہ کریں تو (انہیں) کہہ (کر اچھا یہ) عارضی فائدہ اٹھالو (پھر اس وقت کو (۳۱) یاد کروگے)، کیونکہ (ایک دن) تمہیں یقیناً (دوزخ کی) آگ کی طرف جانا ہوگا۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۟

(اے رسول) میرے ان بندوں سے جو ایمان لا چکے ہیں (اُن سے) کہہ کہ وہ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ کوئی بیع (و شراء) ہوگی اور نہ ہی کوئی گہری دوستی نماز کو عمدگی سے ادا کیا کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدگی میں (بھی) اور ظاہر میں (بھی ہماری راہ میں) خرچ (۳۲) کیا کریں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۟

اللہ (تعالیٰ)، وہ (ہستی) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا ہے۔ اور بادلوں سے پانی اتار کر اس کے ذریعہ سے تمہارے لیے پھلوں (کی قسم) سے رزق پیدا کیا ہے۔ اور اس نے کشتیوں کو بلا اُجرت تمہاری خدمت میں لگایا (ہوا) ہے تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں۔ اور دریاؤں (اور نہروں) کو (۳۳) (بھی) اس نے بلا اُجرت تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔

۲۸؎ قول ثابت وہی ہے جو کلمہ طیبہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے یعنی اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ الہام نازل کرتا ہے۔

۲۹-۳۰؎ نعمتِ الٰہی کو کفر سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے تو ان پر انعام کیا تھا مگر انہوں نے احسان فراموشی کرتے ہوئے کلمہ طیبہ کا انکار کر دیا اور اس طرح قوم کو ہلاک کر دیا۔

۳۱؎ فرمایا کلمہ طیبہ کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے کہ شرک جیسے لغو عقائد میں گرفتار ہو گئے ہیں۔

۳۲؎ فرمایا اگر مومن کلمہ طیبہ پر ایمان کے نتائج جلد دیکھنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ نماز کو شرائط کے ساتھ ہمیشہ ادا کریں اور ظاہر و پوشیدہ خرچ کریں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝
وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ع ۱۶
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝

اور اس نے سورج اور چاند کو بھی (بلا اجرت تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے جو ہمیشہ بلا وقفہ (۳۳) اپنا مفوضہ کام کرتے ہیں اور اس نے رات اور دن کو بھی (بلا اجرت) تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے۔
اور جو کچھ (بھی) تم نے اس سے مانگا اس نے تمہیں دیا ہے اور اگر تم اللہ (تعالیٰ) کے احسان گننے لگو تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے (۳۵) انسان یقیناً بڑا ظالم (اور) بڑا ناشکر گزار ہے۔
اور (اے مخاطب اس وقت کو یاد کر) جب ابراہیمؑ نے (دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ) اے میرے رب اس جگہ کو امن والی (جگہ) بنا۔ اور مجھے اور (۳۶) میرے بیٹوں کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم معبودانِ باطلہ کی پرستش کریں۔

۳۳،۳۴ رزقاً لکم اور سخر لکم میں یہ اشارہ ہے کہ یہ نعماء تمہارے لیے ہیں اور تمہاری خدمت میں لگائی گئی ہیں اس لیے ان کو خدا نہ سمجھنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ وہ سب کے لئے ہیں اس لیے کوئی ایک انہیں ملک نہ سمجھ بیٹھے۔

۳۵ واٰتٰکم من کل ماسالتموہ ۔ سے مراد تقاضائے فطرت ہیں۔ مثلاً آنکھ کے لیے روشنی۔ کان کے لیے ہوا پیدا کی گئی ہے ورنہ دوسرے سوال رد بھی ہو جاتے ہیں۔ ماضی بمعنے مضارع بھی ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ تم نے جو ایسے علاقوں کی خواہش کی ہے جن میں قرآنی تعلیم جڑھ پکڑے اُسے تم پوری ہو چکی ہی سمجھو۔

۳۶ چونکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں ان کی نسل میں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے ان کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ یوں تو تمام انبیاء ہی غیر مرئی سامانوں کے ذریعہ کامیاب کیے جاتے ہیں مگر محمد رسول اللہ کے لیے تو ابتدائے عالم سے خصوصاً ابراہیمؑ کی دعا کے وقت سے سامان ہو رہے ہیں۔ آیت کے آخری حصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید کا دور پہلے ہوتا ہے۔ اور شرک کا بعد میں۔
یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابراہیمؑ شرک کر سکتے تھے جو یہ دعا کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو طاقتیں خلقتاً انسان کو دی گئی ہیں مثلاً ایک سر دو ہاتھ وغیرہ۔ ان کی زیادتی کے لیے دعا نہیں کی جاتی۔ لیکن جو طاقتیں محنت سے حاصل کی جائیں ان کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اور اس میں یہ اظہار مقصود ہوتا ہے کہ نعماء بھی فضل الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ وہی برقرار رکھے گا تو رہیں گی۔ انبیاء کے استغفار کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ جس مقام طہارت پر وہ ہیں وہ خدا کی طرف سے موہبت ہے۔ اور اس کے جاری رکھے جانے کی دعا کرتے ہیں۔ اگر دعا نہ کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے یہ نعما خود حاصل کی ہیں اور خود انہیں برقرار رکھ سکتا ہے مگر یہ خیال خود شرک ہے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے میرے رب انہوں نے یقیناً بہت سے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے پس جس نے میری پیروی (اختیار) کی وہ تو یقیناً مجھ سے (تعلق رکھتا ہے) اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس کے متعلق بھی میری یہی عرض ہے کہ) تو (۳۷) یقیناً بڑا ہی بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

اے میرے رب میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے معزز گھر کے پاس ایک وادی جس میں کوئی کھیتی (بھی) نہیں (لا بسایا ہے) اے میرے رب (میں نے ایسا اس لیے کیا ہے) تاوہ عمدگی سے نماز ادا کیا کریں۔ پس تو (نیک) لوگوں کے دل ان کی طرف جھکا دے اور انہیں (تازہ) پھلوں (کی قسم) سے (بھی) رزق دیا کر (۳۸) تاکہ وہ (ہمیشہ تیرا) شکر کرتے رہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝

اے ہمارے رب جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں تو یقیناً (سب) جانتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) سے کوئی چیز (۳۹) نہ زمین میں چھپی رہ سکتی ہے۔ اور نہ آسمان میں۔

---

۳۷ حضرت ابراہیمؑ کہتے ہیں کہ جو موحد ہونگے صرف وہی میری اولاد ہوں گے۔ محبت کا کیا اعلیٰ مقام ہے اس میں یہ نکتہ ہے کہ اس حد تک اظہار محبت ہونا چاہیئے۔ کہ اولاد خراب نہ ہو۔ ومن عصانی فانك غفور الرحیم۔ میں یہ نکتہ ہے کہ اولاد سے ناراضگی کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے دل بھی سخت کر لیا جائے۔

۳۸ افئدۃ من الناس میں 'من' بعضیہ نہیں بلکہ زائدہ ہے۔ اور تاکید کے لیے آیا ہے ال چونکہ خصوصیت اور کمال کے لیے بھی آتا ہے من اڑا کر اس جملہ کے معنے کامل اور خاص لوگوں کے دل ہوں گے اور من کے ساتھ نہایت پاک اور نہایت کامل لوگوں کے دل مراد ہوں گے۔

وارزقهم من الثمرٰت۔ ظاہری پھلوں کے علاوہ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ان کی قربانیوں کے نتائج نکلتے ہیں تھوی الیھم کا مفہوم آنحضرتؐ کے ذریعہ پورا ہوا کہ تمام دنیا کے لوگ ادھر دوڑ پڑے اس لیے اس میں آپؐ کے لیے دعا تھی۔ اسمٰعیلؑ کے متعلق جو خواب ابراہیمؑ نے دیکھی تھی۔ اس میں ذبح کرنے سے اصل مطلب ایک غیر ذی زرع وادی میں چھوڑنا ہی تھا۔ رائج انسانی قربانی کو دیکھ کر ابراہیمؑ کو تعبیر میں غلطی لگی اور خدا تعالیٰ نے تعبیر سمجھانے میں اس لیے دیر کر دی کہ انہیں انسانی قربانی کو منسوخ کرنے والا بنائے۔

۳۹ یہاں ابراہیمؑ ہی کے منہ سے کہلوایا کہ ان کی نیت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو جنگل میں چھوڑنے سے محض رضائے الٰہی حاصل کرنا تھی۔

بائیبل کے قول کے مطابق سارہؓ کو خوش کرنا نہیں تھی۔ ما یخفیٰ علی اللہ من شیءٍ کہکر خدا تعالیٰ نے بھی ابراہیمؑ کے قول کی تصدیق فرما دی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○

ہر ایک (قسم کی تعریف) اللہ (تعالیٰ ہی) کے لیے (مخصوص) ہے (وہ اللہ) جس نے (میرے) بڑھاپے کے باوجود مجھے دو بیٹے، اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کیے ہیں (ش۴۰) میرا رب یقیناً خوب (ہی) دعائیں سننے والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○

(اے) میرے رب مجھے اور میری اولاد میں سے (ہر ایک کو) نماز کو عمدگی سے ادا کرنے والا بنا۔ (اے) ہمارے رب (مجھ پر فضل کر) اور میری دعا (ش۴۱) (پوری طرح) قبول فرما۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ ع

(اے) ہمارے رب جس دن حساب ہونے لگے اس دن مجھے (ش۴۲) اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو بخش دیجیو۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ○ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ○

اور (اے مخاطب) یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اس سے تُو اللہ (تعالیٰ) کو بے خبر ہرگز نہ سمجھ۔ وہ انہیں صرف اس دن تک ڈھیل دے رہا ہے (ش۴۳) جس دن (انکی) آنکھیں (فیصلہ کے انتظار میں) کھلی ہوئی ہوں گی۔ (۴۴) اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے خوفزدہ ہو کر دوڑتے آ رہے ہونگے۔ (ان کی) نظریں (لوٹ کر) واپس نہیں آئیں گی۔ اور ان کے دل (ش۴۴) (امیدوں سے) خالی ہوں گے۔

ش۴۰ اوپر کی دعائیں تعمیر کعبہ کے وقت کی ہیں۔ (دیکھو بقرہ $\frac{ع}{۱۲۸-۱۳۰}$) اس لیے یہاں الحمد للہ پیدائش اولاد پر شکر کے لیے نہیں بلکہ اس بات کے شکریہ کے لیے ہے کہ اس کے ذریعہ قیامِ عبادت کی بنیاد رکھی جا رہی تھی۔

ش۴۱ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ میرے اور میری اولاد کے ذریعہ دنیا میں نماز قائم رہے یعنی میری اولاد میں سے ایک شخص نمازوں کو قائم کرنے والا پیدا ہو۔ یہ آنحضرتؐ کے متعلق دعا تھی۔

ش۴۲ غفر کے معنے ڈھانپنے، گناہوں پر پردہ ڈالنے، بالوں کو خضاب سے ڈھانپنے، اور معاملہ کی مناسب طریق پر اصلاح کرنے کے ہیں۔ نبی چونکہ عارف ہوتا ہے چاہتا ہے کہ اس کا وجود زیادہ سے زیادہ مخفی ہو جائے۔ پس اغْفِرْ لِیْ کا یہاں یہ مطلب ہے کہ خدایا مجھے تیری ہی محبت کی قسم کہ اپنا پردہ مجھ پر ڈال دے یعنی میرا وجود مٹا دے۔ اور اپنا وجود اس سے ظاہر فرما۔ اعلیٰ درجہ کے مومنوں کے لیے استغفار کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ جو کمزوریاں حصولِ مراد سے محروم کرتی ہیں۔ ان سے بچالے۔ درمیانی درجہ والے کے لیے یہ کہ گناہوں کو ڈھانپ کر اعلیٰ ترقیات دے اور عام مومن کے لیے یہ کہ ایمان پر استقلال سے قائم رکھ۔

ش۴۳-۴۴ فرمایا۔ غافلوں کو سزا نہ دینے سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالےٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس ڈھیل کی وجہ اور ہے۔ (اور وہ بھی ابراہیم کی دعا ہی ہے۔ دیکھیں آیت ۳۶) عذاب میں دیر کی وجہ ظاہر کرنے کے بعد عذاب کی خبر بھی دے دی۔ اور اس کے بعض حالات بھی بتلا دیئے۔ فتح مکہ کے وقت کا نزول کی بالکل یہی حالت تھی جو یہاں بیان ہوئی ہے۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ
الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ
نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ
اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ
مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ
وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا
لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝
وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ
اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ
مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ
وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
ذُو انْتِقَامٍ ۭ
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ
وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ۝
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ

اور تُو لوگوں کو اس دن سے ڈرا جب ان پر وُہ (موعود) عذاب آئیگا
اور جن لوگوں نے ظلم کا (شیوہ اختیار) کیا ہوگا۔ (اس وقت) کہیں گے۔
(کہ اے) ہمارے رب ہمارے معاملہ کو کسی (اور) قریب میعاد تک (کیلئے) پیچھے
ڈال دے ہم تیری (طرف سے آئی ہوئی) دعوت کو قبول کرینگے اور (تیرے)
رسولوں کی پیروی کرینگے (جس پر انہیں جواب ملیگا کہ کیا ابھی تمام حجت کی کوئی کسر
(۴۵) باقی ہے) اور کیا تم نے پہلے قسم (پر قسم) نہیں کھائی تھی کہ تم پر کسی طرح کا زوال نہیں آئیگا،
حالانکہ تم نے ان لوگوں کے گھروں کو اپنا گھر بنایا ہُوا ہے۔ جنہوں نے
(تم سے پہلے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ اور تم پر یہ بات خوب روشن
ہو چکی تھی کہ ان کے ساتھ ہم نے کیسا معاملہ کیا تھا۔ اور ہم تمام باتیں
(۴۶) تمہارے لیے کھول کر بیان کر چکے ہیں۔
اور یہ (لوگ) اپنی (ہر ایک) تدبیر عمل میں لا چکے ہیں اور انکی (ہر) تدبیر
(اللہ تعالیٰ) کے ہاں (لکھی ہوئی اور محفوظ) ہے (بھولی نہیں)، اور گو انکی
(۴۷) تدبیر ایسی ہی کیوں نہ ہو کہ اسکے نتیجہ میں پہاڑ (بھی اپنی جگہ سے) ٹل جائیں (لیکن پہاڑوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے)
پس (اے مخاطب)، تو (اللہ تعالیٰ) کو اپنے رسولوں سے اپنے وعدہ کے خلاف
(معاملہ) کرنیوالا ہرگز نہ سمجھ۔ (اللہ تعالیٰ) یقیناً غالب (اور بُرے
(۴۸) کاموں کی حقیقی) سزا دینے والا ہے۔
(اور وہ دن ضرور آنیوالا ہے) جس دن اس زمین کو زمین کے سوا (کچھ اور)
بنا دیا جائیگا۔ اور آسمانوں کو بھی (کسی اور صورت میں بدل دیا جائیگا)
(۴۹) اور یہ لوگ (اللہ تعالیٰ) کے جو واحد (اور ہر ایک چیز پر) کامل غلبہ رکھنے والا ہے، سامنے ہونگے۔
اور اس دن تو ان مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے

۴۵؎ یہاں اُخروی عذاب کا ذکر ہے دنیوی عذاب اُخروی عذاب کے لیے بطور ثبوت ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن میں دنیا کے عذاب کے ساتھ اُخروی عذاب کا بھی ذکر ہوتا ہے۔

۴۶-۴۷؎ فرمایا اکثر قومیں وہاں رہتی ہیں۔ جہاں پہلے اقوام رہ چکی ہیں پھر بھی نہیں سوچتے کہ جیسے ان کی تدابیر کام نہیں آئیں اِن کی بھی نہ آئیں گی اور وہی ہوگا جو خدا چاہتا ہے۔

۴۸؎ انتقام کے معنے ناپسند کرنے عیب لگانے اور سزا دینے کے ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں۔

۴۹؎ اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ اگلے جہان کی نعماء اس جہان کی نعماء سے بالکل الگ ہوں گی۔ اس لیے ان پر ان کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ — (۴۹) ہوئے دیکھے گا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى — ان کے کُرتے (گویا) تارکول کے ہونگے اور (دوزخ کی) آگ ان

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ — (۵۱) کے موہنوں کو ڈھانپ رہی ہوگی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ — (یہ اسلیے ہوگا) تا اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو کچھ اس نے (اپنے لیئے) کیا ہوگا۔ اس کا بدلہ دے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ — (۵۲) اللہ تعالیٰ یقیناً (بہت) جلد حساب لے لینے والا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا — یہ (بھی) لوگوں کے (نصیحت حاصل کرنے کے) لیے کافی ہے اور اس بات کیلئے (بھی)

بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ — کہ انہیں (آئیوالے عذاب کے پورے طور پر) ہوشیار کیا جائے۔ اور اسلیے (بھی) کہ انہیں

وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ — (۵۳) معلوم ہو جائے کہ صرف ایک ہی معبود ہے اور اس بات کیلیے (بھی)، کہ عقل والے لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ع ۱۹

---

۵۰ قیامت کے دن رسیوں میں باندھنا یہ تبلانے کے لیے ہوگا کہ برا اتحاد کام نہیں آتا۔ اور یہ ان کے دنیوی اتحاد کے لیے بطور تمثیل ہوگا۔

۵۱ لباس حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں یہ اشارہ ہے۔ کہ اس کا کوئی محافظ نہ ہوگا۔

۵۲ سریع الحساب ۔ کا یہ مطلب ہے کہ حسابہ سریعٌ ۔ جب حساب لینے لگتا ہے تو جلدی لے لیتا ہے۔

۵۳ فرمایا قرآن میں انذار و بشارات دونوں ہیں وہ ایک طرف تباہی کی خبر دیتا ہے تو دوسری طرف مومنوں کی ترقی کے سامان بھی مہیا کرتا ہے۔

اٰیَاتُھَا ۱۰۰	سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (۱) (میں) اللہ تعالیٰ کا نام لیکر شروع کرتا ہوں جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ الٓرٰ یہ (ایک) کامل کتاب اور (اپنے مطالب کو خود ہی) واضح کر دینے والے قرآن کی آیات ہیں۔ (۲)

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ جن لوگوں نے (اس کا) انکار کیا ہے۔ وہ بسا اوقات آرزو کیا کرتے ہیں کہ کاش وہ (بھی اس کی) فرمانبرداری اختیار کرنیوالے ہوتے۔ (۳) الجزء ۱۴

نزول و ترتیب:۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ سورۃ ابراہیمؑ میں انبیاء کے بغیر ظاہری سامانوں کے خاص طور پر کلام الٰہی کی مدد سے کامیاب ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورۃ میں بھی کلام الٰہی کی طاقت پر بحث کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے۔ کہ اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ نیز یہ کہ جھوٹا کلام بنانے والا بچ نہیں سکتا۔

خلاصہ مضامین:۔ فرمایا یہ کلام اپنی مثال آپ ہے دشمن بھی حسرت کریں گے کہ ایسا کلام ان کے پاس کیوں نہ ہوا مگر خود غرضی کی وجہ سے مانتے نہیں اور اس سے نہیں ڈرتے کہ اس طرح انسان عذاب الٰہی کا نشانہ بن جاتا ہے جو کلام اُترا ہے اس نے تو بہر حال قائم رہنا ہے اور جو نہ مانے گا اسی کا نقصان ہے۔ پہلے بھی الٰہی کلام سے تمسخر ہوتا رہا ہے مگر خدا نے اسے امتیاز بخشا اور قبولیت کے سامان کیے اور ان کے ماننے والوں کی ربوبیت کی جیسے پہلے انبیاء کے کلام خزانے تھے جن سے دنیا فتح ہوئی اسی طرح اب بھی ہوگا۔ تو یہ خزانہ مومنوں میں تقسیم کر اور جو اسے قبول نہیں کرتے انہیں سمجھاتا رہ اور دعائیں کر کہ اسی ذریعہ سے تبلیغ کا رستہ صاف ہوگا۔

۲؎ کتاب اور قرآن دو نام نہیں دو صفات ہیں۔ لفظ کتاب میں اس کے لکھے جانے اور لفظ قرآن میں اس کے پڑھے جانے کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ پورا کرنے کے لیے یہ دونوں طریق استعمال کیئے جائیں گے۔ سورۃ نحل میں قرآن کا لفظ پہلے تھا یہاں اسے کتاب کے بعد اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہاں کتاب کی صفت کی بجائے صفت قرآن پہ زور دینا مقصود تھا۔ سورۃ نحل میں صفت مبین کتاب کے ساتھ آئی تھی اور یہاں قرآن کے ساتھ یہ اس لئے ہے کہ اس سورۃ میں اُن انبیاء کا ذکر ہے جن کے زمانہ میں کتابت کا رواج کم تھا۔ اور علوم کو زبانی یاد رکھا جاتا تھا اور سورۃ نحل میں ان کا ذکر ہے جن میں لکھنے کا بہت رواج تھا۔

۳؎ مومنوں کو غلبہ ملنے پر تو کفار ہمیشہ ایسی باتیں کیا ہی کرتے ہیں یہاں یہ بھی مراد ہے کہ وہ قرآنی تعلیم کی دلکشی دیکھ یہ آرزو کرتے ہیں یا کریں گے کہ کاش وہ ایسی کتاب کے ماننے والے ہوتے یعنی ان کی اپنی کتاب ایسی ہوتی۔ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اگر آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہماری کتاب میں اترتی تو ہمارے لئے وہ دن عید کا دن ہوتا اسی طرح ایک اور یہودی نے کہا کہ یہ شریعت انسانی زندگی کے ہر حصہ پر روشنی ڈالتی ہے آجکل بھی شراب اور سود و تعدد وغیرہ کے متعلق تعلیم پھر دنیا تسلیم کر رہی ہے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ٥

تو ان کو (اپنے حال پر) چھوڑ دے کہ وہ (مزیدار کھانے) کھاتے رہیں۔ اور دنیوی سامانوں سے نفع اٹھاتے رہیں اور (ان کی جھوٹی) امیدیں انہیں غافل کرتی رہیں کیونکہ وہ جلد ہی (حقیقت) معلوم کرلیں گے۔ (۴)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ٥

اور ہم نے کبھی کسی بستی کو بغیر اس کے کہ اس کے متعلق (پہلے سے) ایک معلوم فیصلہ ہوچکا ہو ہلاک نہیں کیا۔ (۵)

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ٥

کوئی قوم بھی اپنی (ہلاکت کی) میعاد سے بھاگ (کر آگے نکل) نہیں سکتی۔ اور نہ ہی پیچھے رہ (کر اس سے بچ) سکتی ہے۔ (۶)

وَقَالُوْا يَآ اَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ٥

اور انہوں نے (بڑے زور سے) کہا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر اتارا گیا ہے۔ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ (۷)

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥

اگر تو سچا ہے تو کیوں ملائکہ کو ہمارے سامنے نہیں لاتا۔ (۸)

ؔ یہاں بتلایا گیا ہے کہ اسلامی تعلیم کو پسند کرنے کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ قبولِ صداقت کے لیے طعام کی سادگی دنیا کی حرص سے اجتناب اور طول الامل سے بچنا ضروری امور ہیں ان کے راستہ میں یہی باتیں روک بن رہی ہیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ لو کانوا مسلمین عارضی جذبہ کے ماتحت ہے۔ ورنہ وہ کھانے پینے اور دولت کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ۃ قرآنی محاورہ کے مطابق قریہ سے مراد بستی نہیں بلکہ نبی کے سب مخاطب ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب نبی کی بستی والے ہی ہوتے ہیں دوسروں کو ان کے تابع کر دیا جاتا ہے جو عذاب نبوت کی علامت ہوتا ہے اس وسیع حلقہ کا احاطہ کرتا ہے جو نبی کا مخاطب ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ فلاں گاؤں یا شہر میں کونسا نبی آیا ہے جو وہ تباہ ہوگیا ہے۔ کتابٌ معلومٌ سے مراد وہ مدت ہے جو انبیاء کے ذریعہ بتا دی جاتی ہے۔

ۃ مَا تَسْبِقُ ۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ عذاب آئے مگر نقصان نہ پہنچائے۔ وما یستاخرون ۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ قوم عذاب سے پیچھے رہ جائے یعنی ڈھیل ملتی ہی جائے اور عذاب ظاہر ہی نہ ہو۔

ۃ فرمایا جب وہ یہ دعویٰ سنتے ہیں کہ ایک دن اسلام اتنا مضبوط ہوجائے گا۔ کہ کفار خواہش کرینگے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے تو وہ ایسا دعویٰ کرنے والے (سیدنا حضرت نبی کریم صلعم) کو مجنون خیال کرنے لگتے ہیں۔ ذکر کے معنے شرف کے ہیں (انبیاء ۱۱) یہاں کفار نے طنزاً قرآن کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے قرآن میں دوزخیوں کے متعلق عزیز و کریم کے الفاظ طنزاً آئے ہیں۔ (دخان ۴۹)

ۃ کفار کہتے ہیں کہ تیرا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کلام فرشتے لیکر آتے ہیں مگر وہ دوسروں کو تو نظر نہیں آتے۔ اس لیے یہ صرف تیرا وہم ہے اور مجنون ہونے کی علامت ہے اسی لئے ہم انک لمجنون کہتے ہیں۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝	(کیا انہیں معلوم نہیں کہ) ہم جب بھی فرشتوں کو اتارتے ہیں تو حق کے مطابق (۹) اتارتے ہیں اور جب کافروں کیلئے اتارتے ہیں تو اسوقت انہیں (ذرہ بھی) مہلت نہیں دی گئی۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝	اس ذکر کو ہم نے ہی اتارا ہے۔ اور ہم یقیناً اس کی حفاظت (۱۰) کریں گے۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝	اور ہم نے اگلے (زمانہ کے) لوگوں کی جماعتوں میں (بھی) تجھ سے پہلے (۱۱) رسول بھیجے تھے۔

۹؎ فرمایا فرشتے یا کلام لے کر آتے ہیں مگر تم نبی یا بزرگ نہیں ہو جو تمہارے پاس آئیں یا پھر استحقاق کے مطابق دوسروں پر اترتے ہیں جو مستحق عذاب ہیں ان پر فرشتے اتریں گے بھی تو ان کو کیا فائدہ ہوگا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ جیسا انسان ہوگا ویسے ہی اس کے الہام ہوں گے۔

۱۰؎ الذکر کے معنے شرف اور نصیحت کے ہیں اوپر کفار نے طنزاً یہ لفظ استعمال کیا تھا یہاں خدا تعالے نے تحدی کے طور پر کیا ہے نیز کفار نے کہا تھا ایسے کلام کے ساتھ فرشتے بھی ہونے چاہئیں۔ فرمایا تم فرشتے کہتے ہو اس کی حفاظت تو ہم خود کریں گے۔ یہ آیت چوتھے سال نبوت کی ہے جب مسلمان شعب ابی طالب میں محبوس تھے اور انہیں جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ کتنا بڑا دعویٰ تھا جو پورا ہوا۔ قرآن کی حفاظت اس کے الکتاب اور قرآن مبین ہونے کے ذریعہ یعنی بکثرت لکھے اور پڑھے جانے کے ذریعہ ہوئی۔ علاوہ ازیں اس کی زبان ایسی رکھی گئی جو آسانی سے یاد ہو سکے لاکھوں نے اسے حفظ کیا۔ نمازوں میں اس کی تلاوت فرض کی گئی قلوب میں اس کے پڑھنے کی محبت ڈالی گئی۔ پھر نزول قرآن کے بعد علم عربی کی ترقی بند ہوگئی۔ اور علاوہ اس کے تازہ الہام سے تائید قرآن ہوتی رہی۔

یاد رہے یہاں الذکر کی حفاظت کا وعدہ ہے کسی خاص کتاب کی حفاظت کا وعدہ نہیں اور ذکر کے معنے یاد کرنے کے ہیں۔ اس لیے کوئی کلام اس وقت تک اور اس صورت میں الذکر ہوتا ہے جب ایک طرف وہ بندوں کو خدا کی یاد سے سرشار کردے اور دوسری طرف اسے ایسے مقام پر کھڑا کردے کہ اللہ تعالےٰ بھی اسے یاد کرتا رہے۔ پہلی کتب الہامیہ چونکہ اب الذکر کا مصداق نہیں رہیں۔ ان کے محرف و مبدل ہونے میں کوئی آسمانی روک نہیں رہی لیکن قرآن چونکہ اب بھی الذکر ہے اس لیے الٰہی حفاظت میں ہے۔

۱۱؎ یہاں منہاج نبوت کے مطابق نبیٔ پاک صلعم کے دعوے کو پرکھنے کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ پہلے ہر شِیَع یعنی ہر جتھہ میں جو کسی نہ کسی سبب سے متحد تھا نبی بھیجے گئے جیسے ان کی تعلیم کی حفاظت اس وقت ہوئی جب تک اس کی ضرورت تھی ویسے قرآن کی بھی ہوگی۔

شِیَعَ کے معنے اتباع کے بھی ہیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ ہر انسان کسی نہ کسی کا ماتحت ہوتا ہے بالکل آزاد کوئی بھی نہیں ہوتا۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

اور جو رسول بھی ان کے پاس آتا تھا وہ اس کی ہنسی اڑاتے (۱۲) تھے۔

كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝

اسی طرح ہم اس (عادتِ استہزاء) کو مجرموں کے دلوں میں (۱۳) داخل کرتے ہیں۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝

یہ (لوگ) اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ پہلوں (کے متعلق اللہ (۱۴) تعالےٰ) کی سنت گزر چکی ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝

اور اگر (بالفرض) ہم ان پر (شناخت) کی کوئی آسمانی راہ کھول (بھی) (۱۵) دیتے اور وہ اس میں چڑھنے لگتے (اور قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا ان پر ظاہر ہو جاتا)

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝

تو (بھی) وہ (یہی) کہتے (کہ) محض ہماری نظروں پر پردہ ڈالا گیا ہے (ورنہ (۱۶) حقیقت کچھ بھی نہیں) بلکہ ہم (لوگوں) پر (کوئی) جادو کر دیا گیا ہے۔

ع ۱

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝

اور یقیناً ہم نے آسمان میں (ستاروں کی) کئی منزلیں بنائی ہیں اور ہم نے اسے دیکھنے (۱۷) والوں کیلئے (ستاروں کے ذریعہ) خوبصورت بنایا ہے۔

وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝

اور (نیز) ہم نے اسے ہر ایک سرکش (اور) دھتکارے ہوئے کی (رسائی) سے (۱۸) محفوظ کر دیا ہے۔

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ

(ہاں) مگر جو شخص (وحی الٰہی کی کوئی) سنی ہوئی بات (جس کا اعلان ہو چکا ہو)

---

۱۲ استہزاء اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں تحقیر پائی جائے۔ اس آیت کا ایک تعلق آیت ۷ سے ہے کہ اس میں کفار کے تمسخر کی طرف اشارہ ہے دوسرے نبی کی ظاہری حالت اور اپنی مخالفت کی وجہ سے کفار ہمیشہ انبیاء کے دعاوی پر ہنسی کرتے ہیں اگر نبی کے لئے خاص شان ضروری ہوتی تو پہلوں سے تمسخر کیوں کیا جاتا۔

۱۳ یہاں یہ اشارہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے دل میں گناہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ اس میں گھر کر لیتا ہے نیز یہ کہ خدا تعالےٰ گنہگار نہیں بناتا بلکہ گناہوں کے نتائج مترتب فرماتا ہے۔

۱۴ فرمایا جیسے پہلے ہنسی کرنیوالوں کے دل سخت ہو گئے ان کے بھی ہو جائیں گے اور ان کی طرح یہ بھی ایمان سے محروم رہیں گے۔

۱۵-۱۶ کفار پر فرشتے نازل نہ ہونے کی دو وجوہ اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ اب تیسری وجہ بیان فرماتا ہے کہ جس چیز سے دل کو مناسبت نہ ہو وہ سمجھ نہیں آسکتی۔ اس لئے اگر ان پر کوئی آسمانی دروازہ کھلے یعنی کوئی آسمانی انکشاف ہو جائے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہاں یہ اعتراض کہ آسمانی دروازے کھلنے کے بعد وہ ایمان سے محروم کیسے رہیں گے غلط ہوگا کیونکہ بابًا من السماء کا مطلب یہ ہے کہ ان پر روحانی دروازوں میں سے کوئی ایک بطور نمونہ کھولا جائیگا نہ کہ سب دروازے اور جب تک دل میں مناسبت نہ ہو نمونہ صرف حجت پوری کرنے کے کام آتا ہے ایمان کا سبب نہیں ہو سکتا۔ ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب ان پر رحمتِ الٰہی کا کوئی دروازہ کھلے گا۔ تو ظلوا فیہ یعرجون

شِهَابٌ مُّبِينٌ ۝ (۱۹) چرالے تو دیا درصورت ہے اور اس صورت میں بھی) ایک روشن شعلہ اسکا پیچھا کریگا۔

وہ دنیوی ترقیوں میں مشغول ہو جائیں گے۔

۱۷-۱۹ قرآن کریم نظامِ ظاہری اور نظامِ روحانی میں شدید مشابہت کا دعویدار ہے اور بار بار روحانی عالم کے سمجھانے کے لیے جسمانی عالم کی مثالیں دیتا ہے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ نے رؤیا میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں (یوسف $\frac{۴}{۱}$) اور اس کی تعبیر ان کے بھائی اور ماں باپ تھے (یوسف $\frac{۱۲}{۱۰۱}$) کلام الٰہی کے ذکر کے بعد (دیکھیں آیت ۹) نظامِ شمسی کی تمثیل سے یہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی حفاظت کس طرح کی جائے گی۔ فرمایا جس طرح جسمانی نظام کے کئی طبقات ہیں اوپر کے تو محفوظ ہیں ہی جو نیچے کا طبقہ ہے اسے بھی ستاروں سے مزین کیا گیا ہے اور جس طرح ظاہری آسمان کا نچلا حصہ نظامِ شمسی ہی کا نام ہے اسی طرح روحانی آسمان کا نچلا حصہ بھی روحانی نظامِ شمسی ہی کا بنا ہوا ہے۔ جس کے لیے آنحضرتؐ بطور سراجاً منیرًا یعنی سورج کے ہیں (احزاب $\frac{۴۲}{۴۶}$) اور صحابہ بطور ستاروں کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے اصحابی کالنجوم (مشکوٰۃ مناقب صحابہ) روحانی ستارے روحانی سماء الدنیا کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے جب کوئی ان کے کام میں خرابی پیدا کرنا چاہے تو اس پر مار پڑتی ہے۔ (رجوم اور شہب کے الفاظ ادھر اشارہ کرتے ہیں) آگ اور پتھر کا محاورہ عذاب الٰہی کے متعلق عام ہے فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ (البقرہ $\frac{۳}{۲۵}$) یہاں سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جس طرح شیطانی لوگوں کا ظاہری آسمان پر تصرف نہیں اسی طرح روحانی ستاروں پر بھی ان کا تصرف نہیں فرمایا ان عبادی لیس لک علیھم سلطٰن (الحجر $\frac{۱۵}{۴۲}$) اور جس طرح ظاہری نظامِ سماوی کا کوئی حصہ بے فائدہ نہیں اسی طرح روحانی آسمان کے ستاروں یعنی انبیاء میں سے بھی کوئی بے فائدہ نہیں آیا بلکہ سب کلام الٰہی کی حفاظت کرتے رہے ہیں۔ یہ آیات سورۃ حج $\frac{۲۲}{۵۲}$ کے ہم معنی ہیں۔ شہاب کے معنے شعلہ، آسمانی پتھروں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی روشنی اور ستارہ کے ہیں۔ مگر یہاں ستارے ہی مراد ہیں۔ کیونکہ حفاظت کا کام انہیں کے سپرد کیا گیا ہے (دیکھیں صافات $\frac{۳۷}{۷}$) (ملک $\frac{۶۷}{۵}$) ان میں بتایا ہے کہ جب تک کوئی کلام الذکر کہلانے کا مستحق ہوتا ہے اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ شہاب یعنی مامور بھیجتا رہتا ہے اگر یہ سمجھا جائے کہ حفاظتِ قرآن کے لیے اب کوئی مامور نہیں آئیگا تو ماننا پڑے گا کہ وہ الذکر نہیں رہا حالانکہ قرآن کی اصل فضیلت اسی میں ہے کہ وہ قیامت تک کے لیے الذکر ہے۔ الا من استرق السمع سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں تمثیلاً نظامِ روحانی ہی کا ذکر ہے ورنہ یہ آیت بے معنی ہو جاتی ہے جب کلام الٰہی پردۂ غیب سے پردۂ شہود پر آ جاتا ہے تو انبیاء کے دشمن اسے چرا لیتے ہیں یعنی ناحق لے لیتے ہیں ان کی منشاء اس پر عمل کرنا نہیں ہوتی بلکہ اس کا ناجائز استعمال ہوتی ہے۔ یا وہ اس کے بعض ٹکڑوں کو غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور یا اس کلام کے بعض حصوں کو اپنا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ (الحج $\frac{۲۲}{۵۲}$) ہر نبی ستارہ ہے مگر شہاب صرف وقت کا نبی ہوتا ہے کیونکہ وہی شیطانوں کی ہلاکت کا موجب بنتا ہے یہاں

وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝

اور (ضرور) ہم نے زمین کو پھیلایا ہے اور اس میں ہم نے محکم پہاڑ قائم کئے ہیں اور (نیز) ہم نے اس میں ہر قسم کی موزون (ومناسب) چیزوں کو (پیدا کیا اور) بڑھایا ہے۔ (۲۰)

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝

اور اس میں ہم نے تمہارے لیے اور (ہر) اس (مخلوق) کے لیے (بھی) جسے تم رزق نہیں دیتے معیشت کے سامان پیدا کیے ہیں۔ (۲۱)

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے (غیر محدود) خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور اسے ہم ایک معین اندازے سے ہی اتارتے ہیں۔ (۲۲)

وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ أَنْتُمْ

اور ہم نے (بخارات کو) اٹھانے والی ہوائیں (بھی تمہارے لیے) چھوڑ رکھی ہیں اور (ان کے ذریعہ سے) ہم نے بادلوں سے پانی اتارا ہے۔ پھر وہ تمہیں پینے کو دیا ہے اور تم (خود) اسے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ظاہری شہب گرنے سے بھی کوئی ایسا فائدہ ہوتا ہے جو شیطان پر چوٹ کے برابر ہو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کے وقت میں دو قسم کے نشان ظاہر ہوتے ہیں ایک زمینی اور دوسرے آسمانی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ انبیاء نے کسی ہوشیاری سے یہ کام کر دکھائے ہیں۔ آسمانی نشانوں میں سے ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان مسیح کے وقت میں بھی ظاہر ہوا۔ اور ہمارے نبی کریم صلعم کے وقت میں بھی اس کثرت سے ظاہر ہوا تھا کہ کفار نے خیال کیا کہ شاید آسمان و زمین تباہ ہونے لگے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر زیر سورۃ جن) اور مسیح کی دوبارہ آمد کے متعلق لکھا ہے کہ اس وقت سورج اور چاند اور ستاروں میں نشان ظاہر ہوں گے (لوقا ۲۵/۳۱)

۲۰ حفاظت قرآن کے ضمن میں آسمانی مثال کے بعد اب زمین کی مثال دی اور فرمایا زمین کی حفاظت تین طرح ہوتی ہے۔ (۱) کھاد کے ذریعہ جو اجرام فلکی سے اس پر گرتی رہتی ہے و مددنا کے معنے کھاد ڈالنے کے بھی ہیں) (۲) پہاڑوں کے ذریعہ جو پانی کو ذخیرہ کرتے اور زمین کی حرکت مضرہ کو روکتے ہیں اور (۳) اس کی اندرونی طاقتوں کے ذریعہ۔ یہی حال کتاب الٰہی کا ہے کہ وہ آسمان سے مدد پاتی ہے اس کی تائید میں پہاڑ یعنی ائمہ ہوتے ہیں اور اس میں اندرونی خوبیاں ہوتی ہیں۔

۲۱ یہاں یہ اشارہ فرمایا کہ قرآن میں اس زمانہ اور بعد میں آنے والوں کے لیے سامان موجود ہے اور ایسے وسیع مطلب والے کلام کی حفاظت کی ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو تم دوسروں کی یعنی بعد میں آنے والوں کی ضرورت کا خیال نہیں رکھو گے اور تباہ ہو جاؤ گے۔

۲۲ فرمایا جیسے زمین میں سب کچھ موجود ہے مگر وہ ایک ہی وقت باہر نہیں نکالا جاتا۔ بلکہ ہم ضرورت زمانہ کے مطابق اس کے خزانے نکالتے رہتے ہیں اسی طرح کلام الٰہی بھی ایک خزانہ ہے جس کی حفاظت کی جاتی ہے تا اس کے علوم ضروریات زمانہ کے مطابق ظاہر ہوتے رہیں۔

لَهٗ بِخَازِنِيْنَ ○

(۲۳) محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ○

اور یقیناً ہم ہی (ہر ایک کو) جلاتے اور مارتے ہیں اور (۲۴) ہم ہی (سب کے) وارث ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ○

اور ہم تم میں سے آگے نکل جانے والوں کو (بھی) یقیناً جانتے ہیں۔ اور (اسی طرح) ہم (تم میں سے) پیچھے رہ جانے والوں (۲۵) کو (بھی) یقیناً جانتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ؑ

اور یقیناً تیرا رب ہی انہیں جمع کرے گا وہ یقیناً حکمت والا (اور) (۲۶) بہت جاننے والا ہے۔

ع ۲

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ۚ

اور انسان کو ہم نے یقیناً آواز دینے والی مٹی سے یعنی سیاہ گارے سے (۲۷) جس کی ہیئت تبدیل ہو گئی تھی پیدا کیا ہے۔

---

۲۳ یہاں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ پرانے کلام کی موجودگی میں قرآن کی کیا ضرورت ہے اور بتایا ہے کہ جیسے بغیر لَوَاقِحَ یعنی ان ہواؤں کے جو نر کا مادہ ایک درخت سے دوسرے پر رکھنے والی یا پانیوں کو جمع کرکے بادل بنانے والی ہوں زمینی پانی کام نہیں دیتا ویسے ہی پرانے کلام کو نئے الہام کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ پانی آسمان ہی سے صاف ہو کر آتا ہے۔ جب تم اپنے خیالات شامل کرکے کلام الٰہی کے مطالب کو گندا کر دو گے تو خدا تعالیٰ ان غلطیوں کو پھر الہام کے ذریعہ سے دور کر دے گا۔

۲۴ فرمایا صرف ہم جو غیر فانی ہیں کلام کی حفاظت کر سکتے ہیں اس لیے ہم اپنا کلام بندوں کے سپرد نہیں کرتے۔

۲۵ فرمایا یہ خیال نہ کرو کہ آخر مومن دنیا میں موجود ہیں وہ کیوں حفاظت کلام کا کام نہیں کر سکتے۔ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ مومن و متقی ہے۔ اس لیے یہ کام اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ جسے مستقدم سمجھے گا اس کے سپرد کر دے گا۔

۲۶ حَشْرٌ کے معنے جمع کرنے کے ہیں اور اس آیت میں اُخروی اور دنیوی دونوں حشر کی طرف اشارہ ہے دنیوی حشر کی طرف اس طرح کہ ایک دن مختلف الخیال لوگوں کو رسول کریمؐ کے ہاتھ پر جمع کر دیا جائیگا۔ اس وقت ایسا کرنے میں دیر اس لیے ہو رہی ہے کہ خدا حکیم ہے اور ایسا کرنا خلاف حکمت ہے۔ اگر وہ جبر کرے تو اول وہ ثواب کے مستحق نہ رہیں گے۔ دوسرے پختہ ایمان والوں اور کمزوروں میں امتیاز نہ رہے گا۔ مگر اس دیر سے مایوس نہ ہو خدائے علیم بتاتا ہے کہ آئندہ چل کر ایسا ہو جائے گا۔ اُخروی زندگی کے لحاظ سے بتایا کہ اصل روز جزا تو یوم حشر ہوگا۔ اس لیے دنیا میں تکالیف پہنچنے کی وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان ناکام ہو گئے ہیں۔

۲۷ سن کے معنے خاص شکل پر بنی ہوئی یا آواز دینے کے قابل بنی ہوئی شے کے ہیں۔ اور صلصال اس مٹی کو کہتے ہیں جو ٹھکورنے پر آواز دے اس میں بتایا کہ تعجب اس پر نہ کرو۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم کو الہام کیونکر ہو گیا یا اس الہام کی حفاظت کے لیے اس کے اتباع کو کس طرح الہام ہوگا۔ تعجب اس پر کرو نہ کہ صلصال ہوتے ہوئے تم کو

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ اور (اس سے) پہلے جنّوں کو یقیناً ہم نے سخت گرم ہوا کی (قسم کی) (۲۸) آگ سے پیدا کیا تھا۔

کیوں الہام نہیں ہوتا۔ قرآن میں جہاں بھی پیدائش انسانی کا ذکر ہے ساتھ حشر کا ذکر ضرور ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں پیدائش آدم کے ذکر سے پہلے حشر کا ذکر ہے (آیت ۲۹) سورۃ اعراف رکوع ۱ میں حشر کا اور رکوع ۲ میں خلقِ آدم کا ذکر ہے۔ الحجر کی اس آیت سے پہلی آیت میں بھی حشر کا ذکر ہے۔ سورۂ کہف ۱۸/۴۸ اور طٰہٰ ۲۰/۱۰۲ تا ۱۱۸ میں بھی پہلے حشر کا ذکر ہے پھر خلقِ آدم کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی پیدائش کا تقاضا ہے، کہ کوئی حشر ہو اور حشر کا تقاضا ہے کہ شریعت ہو ورنہ بغیر حجت کے سزا و جزا بے معنی ہوجاتی ہے۔ فرشتے جزا کے مستحق نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ یفعلون مایؤمرون کا مقام رکھتے ہیں نہ شیطان ہوسکتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنا فرض پورا کررہا ہے۔ انسانی پیدائش کا کائنات کی ادنیٰ ترین حالتوں سے ترقی کرکے مکمل ہونا، انسان میں خیر و شر کی طاقت کا ہونا اور پھر ان دونوں پر غلبہ کی مقدرت کا ہونا اور انسانی پیدائش کا بڑا جزو اخلاقی اور روحانی حالات کا ہونا بتاتا ہے کہ دنیوی ترقیات اس کا مقصود نہیں ہیں بلکہ اس کے لیے کوئی دار الجزا ہونا ضروری ہے۔

انبیاء آیت ۳۰ میں پانی سے پیدائش کا ذکر ہے اور آل عمران ۳/۵۹ میں مٹی سے مگر یہاں فرمایا حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے انسان پیدا ہوا ہے یعنی اس مٹی سے جس میں پانی ملایا گیا ہو۔ پھر انسانی پیدائش میں صلصال کے ذکر سے قوتِ ناطقہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اسی لحاظ سے حدیث میں انسان کو ھالۃ بھی کہا گیا ہے صل یا صلصال ایسی آواز پر دلالت کرتی ہے جو ٹھکورنے پر پیدا ہوتی ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے۔ کہ انسان جس کلام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ خداتعالیٰ کے ٹھکورنے یعنی الہام نازل کرنے پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مٹی کا بت بنایا اور خدا نے اسے زندہ کردیا۔ قرآن نے پیدائش میں تدریج کا ہونا بوضاحت بتلایا ہے۔ پہلے خشک مٹی پھر مٹی اور پانی، پھر نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر ان پر گوشت چڑھنا اور پھر خلقاً آخر اتنی حالتیں بتلائی ہیں۔ (دیکھیں مومنون ۲۳/۱۲ تا ۱۵۔ روم ۳۰/۲۰۔ فاطر ۳۵/۱۲۔ مومن ۴۰/۶۷، الحج ۲۲/۵) پیدائش انسانی پر تفصیلی بحث (سورہ بقرہ یا اعراف میں دیکھیں)

۲۸ جن اسے کہتے ہیں جو پوشیدہ رہے یا دوسروں کو پوشیدہ کرے۔ قرآن کی رو سے وہ نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی فرمایا منا الصّٰلحون و منا دون ذٰلک (جن ۷۲/۱۱) وہ انسانوں کے تابع بھی ہوتے ہیں (سبا ۳۴/۱۲) جن موسیٰ پر بھی ایمان لائے تھے اور حضرت نبی پاک صلعم پر بھی (سورۃ جن ۷۲/۱) ابلیس بھی جنّوں میں سے تھا کان من الجنّ ففسق عن امر ربّہ۔ کہف ۱۸/۵۰) وہ شہوانی قوتیں بھی رکھتے ہیں جیسا آیت لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (رحمٰن ۵۵/۵۶) سے پتہ لگتا ہے۔ جن عبادتِ الٰہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون (ذاریات ۵۱/۵۶) جنوں میں سے بعض لوگوں کو گمراہ بھی کرتے ہیں۔ (الناس ۱۱۴/۶، حٰم سجدہ ۴۱/۲۹) اور آیت یامعشر الجنّ قد استکثرتم من الانس

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝
فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِي فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ ۝ۙ

اور (اے مخاطب اسوقت کو یاد کر) جب تیرے رب نے فرشتوں کو فرمایا تھا کہ میں یقینا آواز دینے والی مٹی یعنی سیاہ گارے سے جسکی ہیئت تبدیل ہو چکی ہو ایک بشر (۲۹) پیدا کرنیوالا ہوں پس جب میں اسے مکمل کر دوں اور اس (کے دل) میں اپنا کچھ کلام ڈال دوں - تو تم سب اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اللہ (۳۰) تعالیٰ کے حضور) گر جانا۔ (۳۱) جس پر رب کے سب فرشتوں نے (اسکی) کامل فرمانبرداری اختیار کر لی۔

لوگ ان کو خدا کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں (انعام ٦/١٠١) جنّ دوزخ میں بھی جائیں گے۔ (اعراف ٧/٣٩، ١٨٠) بعض انسان بعض جنّات کی پناہ میں رہتے ہیں (جنّ ٧٢/٦)

قرآن میں مندرجہ ذیل معنوں میں جنّ کا لفظ آیا ہے (۱) شیطان کی انطلال مخفی مخلوق - جو اسی طرح بدی کی محرک ہے جس طرح فرشتے نیکی کے (الناس ١١٤/٤-٦) (۲) وہ خیالی وجود جن کو کافر پوجتے تھے جعلوا للّٰه شرکآء الجن وخلقھم یعنی باوجود اس کے کہ انکا خالق خدا ہے وہ جنّوں کو اس کا شریک یعنی خالق بناتے ہیں یہ بات اس طرح بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں خدا کی بیٹیاں قرار دینے کو شرک کہا گیا ہے (ویجعلون للّٰه البنات سبحانہ۔ نحل ١٦/٥٨) اور کفار فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے گویا شریک ٹھہراتے تھے (صافّات ٣٧/١٥٠-١٥١) مگر جب خدا تعالےٰ فرشتوں سے پوچھیگا کہ یہ لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے تو وہ انکار کرینگے اور کہیں گے یہ در اصل جنوں کی پرستش کرتے تھے (سبا ٣٤/٤٠-٤١) اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ کا سوال ظاہر کے متعلق تھا اور فرشتوں کا جواب باطن کے متعلق۔ گویا فرشتوں نے کہا کہ یہ لوگ تو ہماری حقیقت سے ناواقف تھے انہوں نے اور نظر نہ آنے والے وجود (جنّ) اپنے ذہن میں بنا لیے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے (۳) شمالی علاقوں کے وہ لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے مخفی رہتے تھے۔ یعنی ان سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے (سورۃ رحمٰن ٥٥/١٨) (۴) جنّ بشری ترقی کے دَور کے اس حصّہ کے افراد کا بھی نام ہے جو تمدّن سے عاری تھے اور غاروں وغیرہ میں رہتے تھے آدم اس حصّہ کا نام ہے جس نے نظام اور تعاون کو اختیار کیا۔ آئندہ سے یہ نام صفات کے ساتھ وابستہ ہو گئے جو لوگ نظام کے پابند ہوں ان کا نام ذریت آدم اور جو نظام کے باغی ہوں ان کا نام جن رکھا گیا حضرت نبی کریم صلعم پر ایمان لانے والے جن بھی یہودی انسان تھے کیونکہ خدا فرماتا ہے رسول من انفسھم اور منھم ہوتے ہیں (نحل ١٦/٨٤ اور انعام ٦/١٢٩) اس لیے جب حضرت نبی پاک صلعم انسانوں میں سے تھے تو وہ جنّ بھی یقیناً انسان ہی تھے نبی کریم صلعم کا صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہونا اس آیت سے بھی ظاہر ہے وما ارسلنٰک الّا کآفّۃً للنّاس (سبا ٣٤/٢٩) اگر یہ اعتراض ہو کہ خلقتہٗ من نار السموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں تھے۔ تو جواب یہ ہے خلق الانسان من عجل اور خلقکم من ضعف بھی آیا ہے جس طرح ضعف اور عجل کوئی مادہ نہیں بلکہ صفات ظاہر کرتے ہیں اسی طرح خلقناہ من قبل

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

سوائے ابلیس کے (کہ) اس نے (اس کی) کامل فرمانبرداری اختیار کرنے (۳۲) والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔
(اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا (کہ) اے ابلیس تجھے کیا ہوا ہے کہ تو (اسکی) کامل (۳۳) فرمانبرداری کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہوتا۔
اس نے کہا (کہ) میں ایسا نہیں کہ ایک ایسے بشر کی کامل فرمانبرداری اختیار کروں جسے تو نے آواز دینے والی مٹی سے یعنی ایسے سیاہ گارے سے

من النّار سے مراد یہ ہے کہ ان کی فطرت ناری ہوگی۔

۳۲-۲۹ یہاں تبلایا ہے کہ ابتدائے عالم سے کامل انسان کو الہام ہوتا ہے اور اس کی حفاظت پر فرشتے لگائے جاتے ہیں چونکہ ملائکہ تمام اسباب کی علتِ اولیٰ ہیں ان کے حکم میں سب کو انسان کی فرمانبرداری کا حکم مل گیا۔ جو عام حالات میں یہ ہے کہ انسانی فعل کے مطابق نتائج نکالتے رہیں اور انبیاء کے زمانہ میں یہ کہ ان کی تائید کریں اور ان کے دشمنوں کو ناکام بنائیں۔

فقعوا لہٗ سٰجدین میں لہٗ کی ضمیر تمام انسانوں کی طرف جاتی ہے۔ کیونکہ نفخ رُوح ہر انسان میں ہوتی ہے۔ اور ملائکہ (الفقدر مدارج) مجملاً سب انسانوں کی مدد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور خصوصاً انبیاء کے لیے آیت وسخّر لکم مّا فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعًا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۳۳ اگر سوال ہو کہ حکم تو فرشتوں کو تھا پھر ابلیس سے بازپرس کیوں ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اول تو فرشتوں کے ماتحت سب مخلوق اس حکم میں شامل تھی دوسرے آیت ما منعک الّا تسجد اذ امرتک۔ (اعراف ع ۱۲) سے بھی ظاہر ہے کہ اسے حکم دیا گیا تھا یہاں جو مکالمہ کا رنگ ہے یہ عام عربی محاورہ ہے کہ حقیقت واقعہ کے اظہار کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اسی طرح مکالمہ ہوا ہو جیسے کہتے ہیں امتلاء الحوض فقال قطنی اور قرآن میں ہے فوجد فیھا جدارًا یرید ان ینقض ظاہر ہے کہ نہ حوض بولتا ہے نہ دیوار ارادہ کرتی ہے اور یہ زبان سمجھانے کے لیے ہے قرآن کریم نے اگرچہ کہیں تصویری زبان استعمال کی ہے یعنی بعض جگہ مقام آدم کا نام جنت رکھا ہے تو دوسری جگہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ کہکر اس کی حقیقت بھی بیان کر دی ہے۔ جو شیطان بطور محرک بدی پیدا کیا گیا ہے۔ اور غیر مرئی ہے وہ خود لوگوں کو نظر نہیں آتا نہ ان سے باتیں کرتا ہے وہ اپنے اظلال سے کام لیتا ہے جو انسان ہوتے ہیں مگر مقامِ نیکی سے گر جاتے ہیں۔ جو دوسرے محرکات بدی ہیں وہ بھی شیطان کہلاتے ہیں۔ جیسے نبی کریم صلعم نے فرمایا۔ میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے جس کا یہی مطلب تھا کہ جو اسباب لوگوں کو بدی کی تحریک کرتے ہیں میرے کامل تقوٰے کی وجہ سے میرے لیے نیکی میں ترقی کا موجب ہو جاتے ہیں۔

۳۴ یہاں بھی تمثیلی زبان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدم کے نظام کو اس کے بڑے دشمن نے حریت ضمیر کے خلاف سمجھا اور اپنے طریق کو اس سے بہتر قرار دیا۔ اور کہا کہ وہ تو نقال ہے۔ اسی مضمون کو طبعی اور ناری

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (۳۳) جس کی ہئیت تبدیل ہو چکی تھی پیدا کیا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ (۳۵) فرمایا (اگر تیرا یہ خیال ہے) تو تُو اس (مقام) سے نکل جا۔ کیونکہ تو یقیناً دھتکارا ہوا ہے

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (۳۶) اور جزا (و سزا) کے دن تک یقیناً تجھ پر (میری) لعنت رہے گی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ اس نے کہا (کہ) اے میرے رب (پھر) تو مجھے ان کے (دوبارہ) اٹھائے (۳۷) جانے کے دن تک مہلت دے

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ (۳۸) فرمایا تو مہلت پانے والوں میں سے ہے (ہی)

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ (۳۹) معین وقت (کے آنے) کے دن تک۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اس نے کہا (کہ) اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہی والا ٹھہرایا ہے میں ضرور ہی ان کے آگے (۴۰) (تیری) ساری زمین میں (گمراہی کو) خوبصورت کر کے دکھاؤں گا اور ضرور ہی ان سب کو [illegible]

طبیعت کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۵ یہاں آخرت کی جنت مراد نہیں کیونکہ وہاں شیطان داخل نہ ہو سکتا تھا اور آدم داخل ہو کر نکل نہیں سکتا تھا۔ ارضی جنت مراد ہو پھر بھی جب شیطان کو نکال دیا گیا تو وہ آدم کو بہکانے وہاں کیسے آگیا اسی لیے یہاں یہ دونوں مراد نہیں بلکہ رضاء الہٰی کا وہ مقام مراد ہے جو نبی سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ غلطی پر ہونے کے باوجود چونکہ حجت تمام نہیں ہوئی ہوتی۔ خدا کے فضل سے وہ محروم نہیں ہوتے لیکن جب نبی حجت پوری کر دیتا ہے تو پھر وہ افضال الہٰی کی جنت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۳۶ نبوت ایک زنجیر ہے اس لیے گو انبیاء کے دشمنوں کا نام مٹ جاتے پھر بھی ان کے افعال کا ذکر بُرے رنگ میں ہوتا رہتا ہے۔ اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ یہاں اُخروی عذاب مراد نہیں کیونکہ وہ یوم الدین کے بعد شروع ہوگا۔

۳۷ یہ کلام بھی زبانِ حال کی قبیل میں سے ہے ظاہری مکالمہ نہیں۔ انسانی موت کے بعد نیکی اور بدی کے محرک اسے کوئی تحریک نہیں کر سکتے۔ اس لیے یوم البعث تک مہلت مانگنے سے ظاہر ہے کہ یہاں حشر اجساد نہیں بلکہ روحانی بعث مراد ہے یعنی انبیاء کے لحاظ سے ان کی کامیابی کے زمانہ تک اور عام بنو آدم کے لحاظ سے ان کے نفس ناطقہ کی تکمیل ہونے تک۔

۳۸-۳۹ الی یوم الوقت المعلوم۔ یعنی یہ مہلت اس وقت تک ہوگی جب تک الہٰی تقدیر نے نبیوں کی ترقی کو روکا ہوا ہوگا۔

۴۰ یہ کلام بھی زبانِ حال ہے۔ رُبَمَا یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین (آیت ۳) کے مطابق کفار چاہتے تو تھے کہ کاش اسلام لائے ہوتے مگر جب شروع میں ایمان نہ لا کر عزت کا مقام کھو چکے تو بجائے ایمان لے آنے کے حسد کی وجہ سے دوسروں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی ٹھانی فرمایا۔ فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل (اعراف ۱۰۲)۔ لاغوینھم: یہ وہی کوشش ہے جس کا ذکر بقرہ ۲/۱۸، نساء ۴/۵۰، اعراف ۷/۸۹، ۱۰۲ اور ابراہیم ۱۴/۱۴ میں ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ (۴۱) سوائے ان میں سے تیرے برگزیدہ بندوں کے (جو میرے زیرِ اثر ہیں نہیں آ سکتے) فرمایا کہ یہ (حفاظتِ الٰہی) میری طرف (آنے کی)

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ○ (۴۲) سیدھی راہ ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا ہرگز کوئی تسلط نہیں ہوگا۔ سوائے ایسے افراد کے جو تیرے پیچھے چلیں یعنی (۴۳) گمراہ ہوں۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (۴۴) اور یقیناً جہنم ان سب کے (لیے) وعدہ کی جگہ ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ○ اس کے سات دروازے ہیں (اور اس کے) ہر دروازہ کے لیے (۴۵) ان میں سے ایک مقرر حصہ ہوگا۔

ع ۳

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ (۴۶) متقی (لوگ) یقیناً باغوں اور چشموں (والے مقام) میں ہوں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ○ (۴۷) (انہیں کہا جائیگا کہ) تم سلامتی کیساتھ بے خوف (و خطر) ان میں داخل ہو جاؤ۔

۴۱-۴۲ پہلے فرمایا کہ مخلصین شیطانی تصرف سے بچ جاتے ہیں پھر تشریح فرمائی کہ مخلص کیسے بنتے ہیں اور بتایا ھذا صراط علیّ اس راستہ کا بتانا میرے ذمہ ہے اور مخلص وہی ہے جو الہام کے پیچھے چلے نہ کہ خالی عقل کے۔ یہ مطلب بھی ہے کہ مخلصین تو مجھ کو پا چکے ہوتے ہیں ان کی بقیہ زندگی اس راستہ پر چلنے میں گزرتی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ میری صفات کو حاصل کرنے میں صرف ہوتی ہے نہ کہ میری طرف آنے میں جو شیطان انہیں گمراہ کر سکے۔

۴۳ یہاں دوسرے درجہ کے محفوظ گروہ کا ذکر ہے جن پر شیطان حملہ تو کر سکتا ہے مگر تسلط نہیں پا سکتا۔ کیونکہ ان میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہوتی ہے۔ ہاں جن کے ایمان میں ابھی کمزوری ہوتی ہے وہ کبھی کبھی شیطان کی پیروی کر لیتے ہیں۔ ان کے لیے کسی وقت شیطان کے شکار ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسانی فطرت پاک ہے وہی گمراہ ہوتا ہے جو شیطان کے پیچھے چل کر اپنے نفس کو گناہ کی مٹی میں دفن کر دیتا ہے (قد خاب من دسّٰھا۔ الشمس $\frac{۹۱}{۱۱}$)

۴۴-۴۵ لھا سبعۃ ابواب۔ سات کا عدد کثرت اور تکمیل کے لیے آتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمام گناہوں کا خیال رکھا جائے گا اور ان کے مطابق جہنم کے دروازے ہوں گے۔ لکل باب منھم جزءٌ مقسوم یعنی جیسے گناہ ہوں گے ایسے ہی دروازہ سے وہ داخل ہوں گے۔

۴۶ جنات اور عیون کے اکٹھے ذکر سے بتایا کہ مومن فضل الٰہی کے سایہ تلے ہوں گے۔ اور علوم و محبت کے چشمے ان کے دلوں سے پھوٹ رہے ہونگے جن کی وجہ سے وہ سائے اور ترقی کرینگے۔

۴۷ اندرونی کشمکش سے امن کی طرف سلٰم میں اور بیرونی خطرہ یعنی عذاب سے نجات کی طرف اٰمنین کے لفظ میں اشارہ ہے نیز سلٰم میں الٰہی وعدہ سلامٌ قولاً من ربٍّ رحیم (یٰس $\frac{۳۶}{۵۹}$) کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝

اور ان کے سینوں میں جو کینہ (وغیرہ) بھی ہوگا اسے ہم نکال دینگے (۵) بھائی بھائی بنکر (جنت میں رہیں گے اور) تختوں پر ایک (۴۸) دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝

نہ انہیں اس میں کوئی تکان ہوگی اور نہ انہیں ان سے (۴۹) کبھی نکالا جائے گا۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(اے پیغمبر) میرے بندوں کو آگاہ کردے کہ میں بہت ہی بخشنے والا (۵۰) (اور) بار بار رحم کرنے والا ہوں۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

(۵۱) اور (یہ) کہ میرا عذاب ہی (حقیقتاً) دردناک عذاب (ہوتا) ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝

(۵۲) اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کے متعلق (بھی) آگاہ کر۔

ع ۳ / وقف لازم

---

۴۸ آیت ولمن خاف مقام ربہ جنتٰن (رحمٰن ۵۵/۴۷) کے مطابق مومنوں کو دو جنتوں کا وعدہ ہے اور یہاں جنتوں کی نشانی یہ بتلائی ہے۔ کہ ان کے دلوں میں کینہ نہیں ہوگا۔ اس لیے جو دنیا میں کینہ نہ رکھے وہی جنتی بن سکتا ہے۔ سُرُرٍ میں یہ اشارہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بادشاہ ہوگا اور اپنے دائرہ میں آزاد ہوگا جیسے لھم فیھا مایشاءون (النحل ۱۶/۳۲) میں اشارہ ہے۔ متقابلین کہہ کر ان کی باہمی محبت کا اظہار کیا کیونکہ جب محبت ہوتی ہے تب ہی ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے بیٹھتے ہیں۔

۴۹ چونکہ تکان نہ ہوگی اس لیے تحلیل جسم اور موت بھی نہ ہوگی لہٰذا ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جنت میں لوگ نکمے نہیں رہیں گے۔ ورنہ تکان کی نفی کا کوئی مطلب نہیں تھا۔ دراصل جنت کامل عبودیت کا مقام ہے جیسے آیت فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر ۸۹/۳۰-۳۱) سے ظاہر ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ وہاں مومن ذوق شوق سے عبادت کریں گے۔ کیونکہ تکان اسی کام سے نہیں ہوتی جو شوق سے کیا جائے۔ اور جس میں لذت محسوس ہو۔

۵۰ یہاں عبادی کا لفظ عام ہے۔ بدوں کو یہ بتلایا کہ میں غفور ہوں کثرت گناہ سے مایوس نہ ہو اور نیکوں کو یہ سمجھایا کہ کسی مقام پر مطمئن نہ ہو کیونکہ میں رحیم ہوں بار بار رحم کرنے والا ہوں۔ اور ہر کوشش کا بڑھاکر بدلہ دینے والا ہوں۔

۵۱ فرمایا میں غفور الرحیم ہوں لیکن جب گرفت کروں تو لا ملجاء ولا منجاء منک الا الیک ہی کہنا پڑتا ہے پھر کیوں میری غفوریت اور رحیمیت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۵۲ قرآن میں لوطؑ کا تفصیلی ذکر ہمیشہ ابراہیمؑ کے ذکر سے شروع کیا گیا ہے۔ اس میں یہ راز ہے کہ وہ ابراہیمؑ کے تابع تھے۔ اہل مکہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے اس لیے انہیں بتلایا کہ وحی صرف آدمؑ پہ ہی نہیں ابراہیمؑ اور لوطؑ پر بھی اتری تھی پھر تم اس کے متعلق شبہ کیوں کرتے ہو۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ؕ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ○
جب وہ اس کے پاس آئے۔ اور کہا (کہ ہم تمہارے لئے) سلامتی (۵۳) (کا پیغام لائے ہیں) اس نے کہا (کہ) ہم (تو) یقیناً تم سے ڈر رہے ہیں۔

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○
انہوں نے کہا (کہ) تو خوف نہ کر ہم تجھے یقیناً ایک بہت علم (پانے) والے (۵۴) لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

قَالَ أَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰى أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○
اس نے کہا (کہ) کیا تم نے مجھے (اب فی الواقع) بشارت دی ہے باوجود اسکے کہ مجھ پر (۵۵) بڑھاپا آچکا ہے پس بتاؤ کہ کس بنا پر تم مجھے (یہ) بشارت دیتے ہو۔

قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ○
انہوں نے کہا (کہ) ہم نے تجھے سچی بشارت دی ہے۔ پس تو (۵۶) ناامید مت ہو۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○
اس نے کہا (کہ میں کیونکر ناامید ہو سکتا ہوں) اور گمراہوں کے سوا اپنے (۵۷) رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○
(پھر) کہا (کہ اچھا) تو اے (خدا کے فرستادو) (وہ) تمہارا اہم کام کیا ہے (۵۸) (جو تمہارا اصل مقصد ہے)

قَالُوٓا إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلٰى قَوْمٍ
انہوں نے کہا (کہ) ہمیں یقیناً ایک مجرم قوم کی طرف (ان کی ہلاکت

---

۵۳ ابراہیمؑ یا اس لیے ڈرے کہ کہیں میزبانی میں کمی نہ رہ گئی ہو۔ یا ان کے چہروں پہ غم کے آثار دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ان کا سفر خیر کا سفر نہیں۔

۵۴ حضرت ابراہیمؑ کی فکر دیکھ کر انہوں نے کہا کہ تکلیف دہ خبر آپ کے لیے نہیں آپ کے لیے تو بیٹے کی بشارت ہے۔ حدیث نبوی یرٰلھا المومن اور تری لہ کے ماتحت کبھی دوسروں کو بھی مومن کے متعلق خبر دی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ مہاجر تھے۔ (دیکھیں عنکبوت $\frac{29}{27}$ اور انبیاء $\frac{21}{72}$) اس لئے ممکن ہے اللہ تعالےٰ نے وہاں کے بعض لوگوں کو اطلاع دے دی ہو تاکہ وہ آئندہ قیام کے متعلق انہیں مشورہ و تسلی دیں۔ اسی سورۃ کی آیت وامضوا حیث تؤمرون میں بھی ادھر کا اشارہ ہے۔ لڑکے کی بشارت دے کر ابراہیمؑ کو تسلی دی کہ اگر ایک قوم کو خدا تباہ کر رہا ہے تو ایک اور نیک قوم کی بنیاد بھی رکھ رہا ہے

۵۵ فَبِمَ تبشرون کا یہاں یہ مطلب ہے کہ تم کس بنا پر یہ بشارت دیتے ہو۔

۵۶ بشرنٰک بالحق کہکر انہوں نے اشارہ کر دیا کہ یہ خبر الہامی ہے۔ فلا تکن من القانطین کے الفاظ فرشتے نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کے مقام کو جانتے تھے اس لیے وہ خبر لانے والے یقیناً انسان تھے۔

۵۷ ان کے یہ الفاظ ابراہیمؑ کی غیرت نہ برداشت نہ کر سکی۔ اور انہوں نے جوش سے فرمایا میرا یہ سوال رحمت الٰہی سے ناامیدی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اسلیے تھا کہ معلوم ہو کہ یہ خبر ڈھکوسلہ ہے یا الہام پر مبنی ہے۔

۵۸ ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ اگر بیٹے کی بشارت دینا اصل مقصد ہوتا تو وہ اس قدر غمزدہ نہ ہوتے اسی لئے انہوں نے دریافت فرمایا

مُّجْرِمِيْنَ ۝ (۵۹) کے لئے) بھیجا گیا ہے۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ سوائے لوطؑ کے پیروؤں کے (کہ) ان سب کو ہم یقیناً (۶۰) بچا لیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ۧ اس کی بیوی کے سوا (کہ) ہمارا اندازہ ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہنے (۶۱) (اور ہلاک ہونے) والوں میں سے ہوگی۔

فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (۶۲) پھر جب وہ (ہمارے) بھیجے ہوئے (لوگ) لوط (اور اس کے) اتباع کے پاس آئے۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ (۶۳) تو اس نے (انہیں) کہا (کہ) آپ (اس علاقہ میں) اجنبی (معلوم ہوتے) ہیں۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ انہوں نے کہا کہ (ایسا) نہیں بلکہ ہم (تو) تمہارے پاس (وہی) آئے ہیں (اور) وہ چیز (۶۴) لیکر آئے ہیں جس کے متعلق یہ (لوگ) شک کرتے رہے ہیں۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (۶۵) اور ہم تمہارے پاس یقینی خبر لائے ہیں اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ سو تم رات کے آخری حصہ میں (کسی وقت) اپنے گھر والوں کو لیکر (یہاں سے) چلے جاؤ اور (خود) ان کے پیچھے (پیچھے) رہو۔ اور تم میں سے کوئی (ان کی طرف) التفات (ظاہر) نہ کرے اور جہاں (جانے) کا حکم تمہیں (۶۶) دیا جاتا ہے (سب وہاں) چلے جاؤ۔

۵۹-۶۰ انہوں نے غم کی وجہ بتلا دی کہ ہم مجرموں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ لفظ اجمعین سے ظاہر ہے کہ بائیبل کے بیان کے خلاف صرف دو لڑکیاں ہی عذاب سے نہیں بچی تھیں۔ بلکہ ایک جماعت بچا لی گئی تھی۔

۶۱ قدرنا کا لفظ بندے استعمال کریں تو مطلب اندازہ کرنا ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ استعمال کرے تو مطلب فیصلہ کرنا اور مقرر کرنا ہوتا ہے۔ یہ قول بندوں کا ہے اس لیے مطلب یہ ہے کہ الہام سے ہمارا یہ استدلال ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی نہیں بچے گی۔

۶۲ مرسلون کہکر پھر ان کے انسان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ مگر بائیبل نے کبھی انہیں انسان کہا ہے اور کبھی فرشتہ (پیدائش ۱۸/۲-۱۶ و ۱۹/۱) اور فرشتہ کہہ کر یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لیے لوطؑ نے روٹی پکائی (پیدائش ۱۹/۲)

۶۳-۶۴ ان رسولوں کا یہ کہنا کہ ہم اس عذاب (کے قریب ہونے) کی خبر لائے ہیں جس میں وہ شک کر رہے ہیں۔ بتاتا ہے کہ لوط علیہ السلام کو عذاب کی خبر پہلے دی جا چکی تھی۔

۶۵ انہوں نے جو اپنے سچے ہونے پر زور دیا تو اس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ انسان تھے فرشتوں پر شبہ نہیں ہو سکتا۔

۶۶ لوطؑ کو سب سے پیچھے رہنے کو اس لیے کہا گیا کہ اصل حفاظت نبی کو حاصل ہوتی ہے "ھم" مردوں اور عورتوں کی مخلوط جماعت یا تین سے زیادہ مردوں کے لیے آتا ہے اسلئے واتبع ادبارھم کے الفاظ سے ثابت ہے کہ لوطؑ پر کچھ لوگ ضرور ایمان لے آئے تھے۔ لایلتفت احدٌ منکم سے مراد پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کفار کی طرف توجہ نہ کرو اور ان کو ہلاک ہونے دو۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝
اور یہ بات ہم نے اسے یقینی طور پر بتادی ہے کہ ان لوگوں کی جڑھ صبح ہوتے (ہی) کاٹ دی (۶۶) جائے گی۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (۶۸) اور ادھر اس شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے (اس کے پاس) آئے

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝
(جس پر اس نے (ان سے) کہا (کہ) یہ لوگ یقیناً میرے مہمان ہیں (۶۹) اس لیے تم (انہیں تکلیف دیکر) مجھے رسوا نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝
(۷۰) اور اللہ (تعالیٰ) کا تقویٰ اختیار کرو اور مجھے ذلیل نہ کرو

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
(۷۱) انہوں نے کہا اور کیا ہم نے تمہیں (غیر ملکی) لوگوں (کو اپنے پاس ٹھہرانے) سے روکا نہ تھا۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝
اس نے کہا (کہ) اگر تم نے (میرے خلاف) کچھ کرنا (ہی) ہو تو یہ (۷۲) میری بیٹیاں (تم میں موجود ہی) ہیں۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝
(اے ہمارے نبی) تیری زندگی کی قسم (کہ) یہ (تیرے مخالفین بھی) (۷۳) یقیناً (انہی کی طرح) اپنی بدمستی میں بہک رہے ہیں۔

وامضوا حیث تؤمرون سے پتہ لگتا ہے کہ وہ لوگ لوطؑ کو بتانے آئے تھے کہ وہاں سے نکل کر وہ کہاں جائیں۔

ش۶۶ یہ خدا کا کلام ہے جو ان مرسلوں کی صداقت کی گواہی کے طور پر لوطؑ پر نازل ہوا۔ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ سے یہ مراد ہے کہ ان کا آگا پیچھا کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

ش۶۸ لوگ لوطؑ کو مہمان لانے سے منع کرتے تھے جب وہ مہمان لے آئے تو یہ لوگ خوش ہوئے کہ اب ان کو ملزم بنا سکیں گے مگر انہوں نے کہا مہمان نوازی نیک فعل ہے خدا سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔

ش۷۰-۷۲ بعض نے کہا ہے کہ لوگ مہمانوں سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے فٰعِلِيْنَ کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ غلط ہے اگر ان کا ایسا ارادہ ہوتا تو وہ مہمان لانے سے حضرت لوطؑ کو کیوں منع کرتے۔ دوسرے عربی میں لفظ فاعل ان معنوں میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ تیسرے نبی انہیں خود ایک بدکاری کی جو پہلی سے کم نہیں کس طرح تعلیم دے سکتا ہے۔ حضرت لوطؑ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر میں ان لوگوں کی مدد سے تمہیں نقصان پہنچا کر بھاگ جاؤں تو تم میری لڑکیوں کو سزا دے سکتے ہو۔ پھر میں کیسے بھاگ سکتا ہوں۔ (مزید تشریح کے لیے دیکھیں نوٹ سورۃ ہود $\frac{11}{79}$)

ش۷۳ یہاں قسم آنحضرتؐ کی عمر کی کھائی گئی ہے۔ (ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۳۲۹ بحوالہ حضرت ابن عباس) اس اعتراض کا جواب کہ یہاں آپؐ کی جان کی قسم کیوں کھائی گئی ہے یہ ہے کہ جب بندہ کسی کی قسم کھائے۔ تو اس کی عظمت کا اظہار کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ قسم کھائے تو اسے گواہ ٹھہراتا ہے۔ یہاں حضرت نبی کریمؐ کے واقعات کو اوپر کے واقعات کے لیے بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں ان کی بستی میں بیاہی ہوئی تھیں۔ اور حضرت نبی کریم صلعم

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ۝ (۷۴) اس پر اس (موعود) عذاب نے دن چڑھتے (ہی) انہیں پکڑ لیا۔

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۝ جس پر ہم نے اس (بستی) کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور (۷۵) ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ۝ (۷۶) اس (ذکر) میں فراست سے کام لینے والوں کے لیے یقیناً کئی نشان (موجود) ہیں

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ۝ (۷۷) اور وہ (کوئی گمنام جگہ نہیں بلکہ) ایک بڑے مستقل راستے پر (واقع) ہے۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ (۷۸) اس (واقعہ) میں مومنوں (کے فائدہ) کیلئے یقیناً ایک نشان (موجود) ہے

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ۝ اور ایکہ والے (بھی) یقیناً ظالم (۷۹) تھے۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ‌ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ۝ اس لئے ہم نے انہیں (بھی) اسی طرح سخت سزا دی تھی۔ اور یہ دونوں (۸۰) جگہیں (ایک صاف اور) واضح راستے پر (واقع) ہیں۔

کی تین صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو تو ابولہب نے طلاق دلوائی اور حضرت زینبؓ کی سواری کو مروا کر انہیں گرا دیا گیا جس سے ان کا حمل ضائع ہو گیا یا اہل مکہ نے وہ کیا جو قوم لوطؑ بھی کرنے سے رک گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۷۴ پہلے مصبحین کہا تھا اب مشرقین فرمایا چونکہ واقعہ سورج نکلتے وقت ہوا تھا دونوں الفاظ صحیح ہیں

۷۵ چونکہ انہوں نے بلند اخلاق کی جگہ ادنیٰ اخلاق کو دے دی تھی اس لیے خدا تعالےٰ نے بھی ان کے شہر کے اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے زلزلہ سے ان کے مکان جو گارہ ملے ہوئے پتھروں سے بنے ہوئے تھے ان کے اوپر گر پڑے تھے۔

۷۶ عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ نبی کریم صلعم کے واقعات کو لوطؑ کے واقعات سے مشابہت ہے۔ اس لئے آپ کے دشمن بھی اسی طرح تباہ کئے جائیں گے۔ چنانچہ بدر میں اہل مکہ پر پتھر برسے اور عملاً بھی ان کے بڑے چھوٹے گئے۔

۷۷ لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ میں بتایا کہ ان کی بستیاں جس راستہ پہ واقعہ ہیں وہ اب تک چلتا ہے۔ فی الواقعہ لوطؑ کی بستیاں اس راستہ پر واقع ہیں جو عرب سے شام کو جاتا ہے۔

۷۸ پیچھے مُتَوَسِّمِيۡنَ کے یہ نشان قرار دیا تھا۔ یہاں مومنین کے لیے قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں نبی کریم صلعم اور لوطؑ کے واقعات میں تشبیہہ کا ذکر تھا جسے عقلمند ہی سمجھ سکتے تھے مگر اس آیت کا مضمون ہر مومن سمجھ سکتا ہے۔

۷۹ اصحاب الایکہ حضرت شعیب کی قوم کا دوسرا نام ہے (شعراء $\frac{۲۶}{۱۷۷-۱۸۰}$) ایکہ گھنے جنگلوں والی جگہ کو کہتے ہیں اور ایسی جگہ کو بھی جہاں بیری اور پیلو کے درخت بکثرت ہوں اور مدین میں جو خلیج عقبہ کے سر پر واقع ہے واقعی ایسے جنگل ہیں۔

۸۰ قوم لوطؑ کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ سبیل مقیم پر واقعہ ہے اور اصحاب الایکہ کا مقام ایک امام مبین پر بتلایا اس میں یہ

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

حجر والوں نے بھی (یقیناً ہمارے) پیغمبروں کو (۸۱) جھٹلایا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝

اور انہیں (بھی) ہم نے اپنے (ہر قسم کے) نشانات دیئے تھے۔ (۸۲) جسکا نتیجہ (الٹا) یہ ہوا کہ وہ ان سے روگردان ہوگئے تھے۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝

اور وہ پہاڑوں کے بعض حصّوں کو کاٹ کر امن سے مکان (۸۳) بناتے تھے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝

(۸۴) پھر (وعید کے مطابق) صبح ہوتے (ہی) اس (موعودہ) عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

اور جو (مال) وہ جمع کیا کرتے تھے اس نے انہیں (اس وقت کچھ (۸۵) بھی) فائدہ نہ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو حق (و حکمت) کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور وہ (موعودہ) گھڑی یقیناً آنیوالی ہے۔ اس لئے تو (ان کی زیادتیوں پر) مناسب درگذر سے (۸۶) کام لے۔

اشارہ ہے کہ اول الذکر راستہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن آخر الذکر کے صرف نشان رہ جائیں گے چنانچہ واقعات نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔

۸۱ حجر اس احاطہ قلعہ یا شہر کو کہتے ہیں جس کے گرد پتھروں کی مضبوط دیوار ہو۔ اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمودؑ، صالحؑ ہے۔ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے حضرت رسول پاکؐ اس بستی کے پاس سے گزرے تھے اور وہاں کا پانی پینے سے صحابہؓ کو منع فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ بستی عذابِ الٰہی کا مقام ہے۔ یہاں بھی اور سورۃ شعراء ۲۶/۹۸ میں بھی ایک نبی کے انکار کو سب انبیاء کا انکار قرار دیا گیا ہے۔ یہ اسی لیے ہے کہ جو ایک نبی کو سمجھ کر مان لے وہ سب کو مان سکتا ہے۔ مگر جو وقت کے نبی کو نہیں مانتا وہ ثابت کرتا ہے کہ پہلوں پر بھی اس کا ایمان صرف رسمی تھا۔

۸۲ پہلے قوم صالحؑ ہوئی پھر قوم لوطؑ اور پھر قوم شعیبؑ۔ یہاں ترتیب اس لئے بدل گئی ہے کہ اہل مکہ کو منکروں کے انجام سے عبرت دلانا مقصود تھا۔ اس لئے سب سے پہلے دور فاصلہ والی لوطؑ کی بستی کا پھر اس سے قریب شعیبؑ کی بستی کا اور پھر بالکل قریب کی یعنی ثمودؑ کی بستی کا ذکر فرمایا۔

۸۳ اس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ قوم پہاڑ کاٹ کر مکان بنانے میں ماہر تھی، متمول و مضبوط تھی اور گرمیوں میں امن سے پہاڑوں پر جا کر رہتی تھی۔

۸۴ سورۃ اعراف ۷۹ میں تبلایا گیا ہے۔ کہ یہ عذاب زلزلہ کا تھا۔

۸۵ بڑے مکان تو وہ حفاظت کیلئے بناتے تھے مگر زلزلہ کے وقت انہوں نے کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ الٹا نقصان پہنچایا۔ کیونکہ بڑا مکان گرے تو زیادہ تباہی لاتا ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝	(۸۷) یقیناً تیرا رب ہی بہت پیدا کرنے والا (اور) خوب جاننے والا ہے
وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝	اور ہم نے یقیناً تجھے دہرائی جانے والی سات (آیات) اور بہت بڑی (۸۸) عظمت والا قرآن دیا ہے۔
لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝	اور وہ جو ہم نے ان میں سے کئی گروہوں کو عارضی نفع کا سامان دیا ہے اس کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھ اور ان (کی تباہی) پر غم نہ کھا۔ اور مومنوں پر اپنا شفقت کا بازو (۸۹) جھکائے رکھ۔
وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۝	(۹۰) اور (لوگوں سے) کہہ (کہ) میں ہی کھول (کھول کر) بیان کرنیوالا کامل نذیر ہوں۔
كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝	(۹۱) ایسے ہی ہم نے باہم بانٹ لینے والوں کے متعلق (اپنا انذاری کلام) نازل کیا ہے۔

۸۶؎ فرمایا زمین و آسمان کا نظام لغو نہیں آسمان سے جدا ہو کر زمین قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح روحانی آسمان یعنی انبیاء سے علیحدگی پر روحانی زمین کی تباہی لازمی ہے اور ساعۃ کا آنا یقینی ہے ساعۃ سے مراد قیامت بھی ہوتی ہے اور دشمنانِ انبیاء کی تباہی اور مومنوں کی ترقی کی موعود گھڑی بھی۔ آیت کا پہلا حصہ ان دونوں ساعتوں کیلئے بطور دلیل ہے۔ اس آیت میں مکہ والوں کی تباہی پر خاص زور ہے اس لیے یہ مکی زندگی کے آخری ایام کی ہے۔
فاصفح الصفح الجمیل وصفح کے معنے معاف کرنے کے علاوہ رک جانے کے بھی ہیں اور یہاں یہی لگتے ہیں فرماتا ہے اب ان سے بحث کرنے سے رک جاؤ کیونکہ ان کی تباہی کا وقت قریب آگیا ہے۔ مگر اعراض جمیل ہو یعنی ہر رنگ میں اچھا ہو یہ نہیں کہ وہ خود توجہ کریں پھر بھی تم ان کو نہ سمجھاؤ۔

۸۷؎ فرمایا ہم خلاق ہیں اور قوم پیدا کر سکتے ہیں۔ اور علیم ہیں جانتے ہیں کہ نئی قوم پہلی سے بہتر ہوگی پھر ہمیں موجودہ کو تباہ کرنے سے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ اس پیشگوئی کے ماتحت خدا تعالےٰ نے مدینہ میں آنحضرتؐ کے لیے نئی قوم پیدا کر دی۔

۸۸؎ مثانی کے معنے قوت وطاقت کے بھی ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے جو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات (سورۃ فاتحہ) تجھے دی ہیں ان میں قرآنی قوتوں کا نچوڑ ہے اور اجمالاً یہ قرآن عظیم ہی ہیں یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم نے تجھے خلاصہ قرآن یعنی سورۃ فاتحہ کے علاوہ تفصیلی قرآن بھی دیا ہے۔ اب جبکہ یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں اور مسلمان ان کی جگہ لینے والے ہیں تو تو ان میں قرآنی تعلیم کو زیادہ پھیلا۔

۸۹؎ لاتمدنّ عینیک۔ سے یہ مراد نہیں کہ ان کے مال کو حرص کی نگاہ سے نہ دیکھ بلکہ یہ ہے کہ ان کی ظاہری شان کو دیکھ کر یہ غم نہ کر کہ عذاب الٰہی انہیں کنگال کر دے گا ورنہ پہلے معنوں کی صورت میں آیت کے پچھلے اور پہلے لفظ کا ربط نہیں رہتا۔

۹۰؎ چونکہ میں نذیر ہوں اس لیے میں الٰہی منشا کے ماتحت اعلان کرتا ہوں کہ تمہاری تباہی کا وقت آگیا ہے۔

۹۱؎ مقتسمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت نبی کریمؐ کے خلاف دشمنی کے کاموں کو بانٹ لیا تھا۔ بہانے کے

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ (۹۲) جنہوں نے قرآن کو جھوٹی باتوں کا مجموعہ قرار دیا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۹۳) سو تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے باز پرس کرینگے۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۹۴) ان کاموں کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ سو جس بات (کے پہنچانے) کا تجھے حکم دیا جاتا ہے وہ کھولکر (لوگوں کو) بتادے (۹۵) اور ان مشرکوں (کی بات) سے اعراض کر۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ (۹۶) ہم یقیناً تجھے ان تمسخر کرنے والوں (کے شر) سے محفوظ رکھیں گے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ جو اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ کوئی (نہ کوئی) اور معبود بنا رہے ہیں۔ (۹۷) سو وہ عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لیں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے تیرا (۹۸) دل تنگ پڑتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ پس تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے (اس کی) تسبیح کر اور (۹۹) (اسکے) کامل فرمانبرداروں میں سے بن۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ تجھ پر موت (کی گھڑی) آجائے۔ (۱۰۰)

ع ۶

معنے کیونکر کیے گئے ہیں اور یہ معنے سورہ بقرہ ۲/۱۹۹ سے ثابت ہیں۔

۹۲ یہاں جعلوا کا مطلب سمجھ رکھا ہے اور "عضین" کا مطلب جھوٹوں کا مجموعہ ہے۔

۹۳-۹۴ یہاں نسئلنّھم کا مطلب باز پرس کرنا ہے نہ کہ سوال کرنا۔

۹۵ صدع کے معنے حق کے ساتھ فیصلہ کرنے اور کھول کر بیان کرنے کے ہیں یعنی اے رسول تو انہیں وضاحت سے بتلادے کہ اب عذاب آنیوالا ہے اور اب تو بھی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار کی تباہی کے بعد یہ موقع تجھے ملنے والا ہے اس لیے تیار ہوجا۔

۹۶-۹۷ یعنی تجھے انکی طرف توجہ کی اس لیے ضرورت نہیں کہ بحث مباحثہ والے جوابوں کی جگہ ہم اس کو آسمانی نشانوں کا جواب دینے والے ہیں چنانچہ اس کا قومی ظہور فتح مکہ سے ہوا۔ اور انفرادی ظہور اس طرح ہوا کہ آنحضرت کے رویا کے عین مطابق ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب اور حرث بن علاطہ ہلاک ہوئے۔ (ابن کثیر جلد ۵ بروایت عروہ بن زبیر)

۹۸-۹۹ یعنی ہم جانتے ہیں کہ ان کے مشرکانہ عقائد پر ہماری محبت کی وجہ سے تیرے دل کو دکھ ہوتا ہے۔ مگر اب شرک مٹنے والا ہے۔ اس لیے تو تسبیح و شکر میں (اور بھی زیادہ) مصروف ہوجا۔

۱۰۰ یہاں یقین سے مراد وقت رحلت ہے یا وہ ساعت جس کا اوپر وعدہ تھا۔ اور یہ مطلب ہے کہ اس وقت تک خاص عبادتیں کر یہ معنی ہرگز نہیں کہ یقین آنے کے بعد عبادت چھوڑ دینا کیونکہ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضور کو کبھی یقین حاصل نہیں ہوا کیونکہ عبادت تو

رکوعاتها ۱۶	سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ	ایاتها ۱۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝

(۱) (میں) اللہ (تعالیٰ) کا نام لیکر (شروع کرتا ہوں) جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے
(جکرو) اللہ (تعالیٰ) کا حکم آگیا ہے اسلیے (اب) تم اسکے جلد آنیکا مطالبہ نہ کرو۔ وہ
(۲) پاک (ذات) ہے اور جن چیزوں کو وہ (لوگ) شریک قرار دیتے ہیں اس سے بہت بالا ہے۔
وہ فرشتوں کو اپنے ان بندوں پر جنہیں وہ پسند کرتا ہے (اپنی) خاص
وحی یعنی یہ حکم دے کر اتارتا ہے کہ (لوگوں کو) آگاہ کر دو کہ بات
یہی (درست) ہے کہ میرے سوا کوئی بھی (سچا) معبود نہیں ہے اس لئے
(۳) تم مجھے ہی (اپنے بچاؤ کا ذریعہ بناؤ۔

نزول و ترتیب:- یہ سورۃ مکی ہے۔ اس کے شروع میں مقطعات نہیں۔ اس لیے یہ پہلی سورۃ یعنی الحجر کے تسلسل میں ہے اور اس میں تبلایا گیا ہے کہ کلام الٰہی کی کیا شان ضرورت اور قوت جاذبہ ہوتی ہے اور پھر ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی قوتِ جذب اور قوت قدسی بے حساب ہے پھر مسلمانوں کی کامیابی میں کیا شبہ ہے پچھلی سورۃ سے سورۃ النحل کا یہ تعلق بھی ہے کہ اس میں ان الساعۃ لاٰتیۃ اور فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ کہکر کفار سے عذاب کا وعدہ کیا تھا یہاں اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ کہکر یہ بتایا ہے کہ وہ موعود وقت اب آہی گیا ہے یعنی اس کے آنے میں شک نہیں۔

۲ے اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ سے یہ مراد ہے کہ وہ وعید جس کا ان الساعۃ لاٰتیۃ میں ذکر تھا اسے آیا ہی سمجھو اور وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ میں جو وعدہ تھا اسے بھی پورا ہو چکا ہی سمجھو۔ پچھلی سورۃ میں فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کہکر مباحثات کو چھوڑ کے تسبیح میں لگنے کا حکم دیا تھا اب سُبْحٰنَهٗ کہہ کر تبلایا کہ اس کی سبوحیت ظاہر ہونے کا وقت آگیا ہے۔ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ یعنی (۱) مسلمانوں کو غالب کرنے کے لئے اسے کسی شریک کی ضرورت نہیں (۲) وہ اس سے بالا ہے کہ ان کا شرک اس کے کام میں روک ڈال سکے۔ اس آیت سے خدائی کلام اور بندے کے افترا میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ جھوٹے مدعی اپنے اکیلا ہونے کا ماتم کرتے ہیں مگر سچا خدا اپنے اکیلے ہونے کو اپنی بڑائی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔

۳ے الروح سے مراد مُردوں کو زندہ کرنے والا کلام ہے اسی نسبت سے انبیاء کا کلام روح کہلاتا ہے جو وحی انسان کے اپنے نفس کے لیے ہو اس کے اظہار کا حکم نہیں ہوتا گو اجازت ہوتی ہے مگر بنی نوع کے فائدہ کے لیے جو وحی ہوتی ہے اس کے پھیلانے کا حکم ہوتا ہے۔ انذروا کہکر بتایا کہ اس جگہ وحی نبوت مراد ہے۔ من امر ربہ میں بتایا کہ فرشتے اذنِ الٰہی سے وحی لاتے ہیں۔ جب وحیٔ نبوت امر الٰہی سے ہوئی تو نبی کا انکار خدا کا انکار ہوا۔

علیٰ من یشاء من عبادہٖ میں یہ تبلایا ہے کہ صرف عابدوں پر کلام نازل ہوتا ہے اور عبادہٖ میں یہ بھی اشارہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝
وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝
وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق (و حکمت) کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جن چیزوں کو (۴) یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ اس سے بہت بالا ہے۔
اس نے انسان کو ایک حقیر نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ پھر (اسکے باوجود) وہ (۵) اچانک کھلم کھلا جھگڑنے والا بن جاتا ہے۔
اور نیز چار پایوں کو (پیدا کیا ہے اور) انہیں اس نے ایسا بنایا ہے کہ ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان اور (اور بھی) کئی نفعے ہیں (۶) اور تم ان (کے گوشت) کا کچھ حصہ کھاتے ہو۔
اور (اسکے علاوہ) تمہارے لئے انہیں ایک (قسم کا) زینت کا سامان بھی) ہے جب تم (۷) (انہیں) ہر آگ شام کو (انکے تھانوں کی طرف) واپس لاتے ہو اور جب تم (انہیں ہانکی [illegible]

[illegible]

کہ نبوت گو وہبی ہے مگر اس کے ساتھ کسب بھی لگا ہوا ہے۔ مَنْ يَّشَاءُ سے یہ مراد بھی ہے کہ نبی کو خدا خود منتخب فرماتا ہے
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ تنزیل کے معنے آہستہ آہستہ اتارنے کے ہوتے ہیں۔ سنت اللہ یہی ہے کہ انبیاء پر وحی آہستہ آہستہ ہی
اتاری جاتی ہے۔ تاکہ جو پیشگوئیاں شروع میں کی گئی ہوں۔ بعد میں ان کے پورا ہونے کا ذکر کیا جائے اور اس
طرح دلوں کو ثبات حاصل ہو فرمایا (وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة
كذلك لنثبت به فؤادك (الفرقان ۲۵/۳۲) ان انذروا انه لآ اله الا انا فاتقون:
دین کا خلاصہ یہی تعلیم ہے کہ خدا تعالٰی ایک ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت نے ابوہریرہؓ کو اس اعلان کا حکم دیا کہ جس نے
لآ اله الا الله کہا داخل جنت ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کہ یہ اعلان ہو گیا تو پھر لوگ اسی پر
اکتفا کر لیں گے۔ یعنی عمل کی ضرورت نہیں سمجھیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ رہنے دو۔
سے بالحق سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک کا حق مقرر کر دیا ہے کچھ کام آسمان کے کچھ زمین کے سپرد ہے اور دونوں ایک دوسرے
کے دست نگر ہیں کم لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ خود بخود ہیں یا انہیں مختلف وجودوں نے بنایا ہے۔
سے فرمایا پیدائش عالم کے بعد ہم نے انسان کو حقیر چیز سے پیدا کر کے ترقیاں دیں مگر وہ بجائے شکر کرنے کے
ہمارے حقوق کے متعلق بحث کرنے لگتا ہے مثلاً یہ کہ خدا نے عدم سے وجود کیسے بنایا یا یہ کہ دنیا تو خود بخود
ہے۔ یا یہ کہ میں آزاد ہوں اپنے لیے خود قانون بناؤں گا۔ حالانکہ خلق کا مقصد نافرمان انسان کو پیدا کرنا
نہیں ہو سکتا خلق کا مقصد تو عبد کامل کی پیدائش ہی ہو سکتا ہے۔
سے فرمایا ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پھر بھی تم ہم سے آزاد ہونے کے مدعی ہو حالانکہ تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ
جسے تم نے پیدا بھی نہیں کیا اس پر اتنا تصرف جائز سمجھتے ہو کہ اسے ذبح تک کر لیتے ہو۔ یہاں کفار کے اس اعتراض
کا جواب دیا ہے کہ بندوں کو الہام ہو کیسے سکتا ہے اور بتلایا ہے کہ جب خدا کی کسر شان جسمانی ضروریات پورا کرنے میں نہیں ہوتی
تو روح کی ضرورت پوری کر دینے میں کیوں ہو گی۔
سے فرمایا تم جن چیزوں کے خالق بھی نہیں انہیں اپنے جمال کا ذریعہ بناتے ہو لیکن خدا جو خالق ہے اس کے متعلق جھگڑتے

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ
تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ
إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ
لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝
وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا
جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ
أَجْمَعِينَ ۝
هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً ۖ لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ
شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝
يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ

اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر اس (دور کے) شہر تک بھی لے جاتے
ہیں - جہاں تک تم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچا سکتے
(۸) تمہارا رب یقیناً (تم پر) نہایت شفقت کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔
اور (اس نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (بھی) تمہاری
سواری کیلئے اور (نیز) زینت (و شان) کیلئے (پیدا کیا ہے) اور (آئندہ بھی)
(۹) وہ تمہارے لئے سواری وغیرہ کا مزید سامان جسے تم (ابھی) نہیں جانتے پیدا کریگا۔
اور (تمہیں) سیدھی راہ (دکھانا بھی) اللہ (تعالیٰ) ہی کے ذمہ ہے اور (اسکی
ضرورت اس لئے ہے کہ) ان میں سے بعض (راستے) ٹیڑھے (ہوتے) ہیں اور اگر
(۱۰) وہ اپنی (ہی) مشیت نافذ کرتا تو تم سب کو ہدایت (ہی) دیتا۔ ع

وہ وہ (پاک) ذات ہے جس نے بادلوں سے پانی اتارا ہے اسی میں سے
تمہارے پینے کا (پانی جمع کیا جاتا) ہے اور اسی سے وہ درخت (اُگتے)
(۱۱) ہوتے ہیں جن میں تم (مویشیوں کو) چراتے ہو۔
وہ اس کے ذریعہ سے تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور

ہو کہ وہ اپنی مخلوق کو بھی کیوں جمال کا ذریعہ بناتا ہے - یعنی کیوں انہیں اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے -

ف ان آیات میں یہ اشارہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے مادی ضروریات کو پورا کیا ہے تو روحانی ضروریات کو کیوں پورا نہ کرتا ایسا کرنے میں خدا تعالیٰ کی ہتک نہیں کیونکہ اگر وہ بڑی شان والا ہے تو ساتھ رؤف الرحیم بھی تو ہے۔

فلہ وعلی اللہ قصد السبیل کا مضمون آیت ان علینا للھدیٰ والا ہے یعنی یہ کہ افراط و تفریط سے محفوظ راہ خدا تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے کیونکہ انسان جنبہ داری کرتا ہے یا جذبات کی پیروی کرتا ہے اور پھر ہر بات وہ سمجھ بھی نہیں سکتا ممکن ہے وہ جائر یعنی ٹیڑھی راہ ہی اختیار کرے یہ تو درست ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو ہدایت پر مجبور کر سکتا تھا مگر یہ خلاف حکمت ہے اس لیے انصاف یہی تھا کہ وہ نیک و بد میں تمیز کے لیے ہدایت بھیجتا رہتا۔

اسلوب بیان سے ظاہر ہے کہ جو باتیں جانوروں کے متعلق اوپر بیان ہوئی ہیں وہ کلام الٰہی میں بھی ہونی چاہئیں یعنی یہ کہ (۱) وہ گرمی سردی یعنی افراط و تفریط سے بچاوے (۲) غذا کا کام دے یعنی بدی سے روکے اور نیکی کی طاقت بخشے (۳) وہ جب جمال ہو یعنی پاک تبدیلی پیدا کرے (۴) سواری کا کام دے یعنی لوگوں کو جلد خدا تک پہنچا دے (۵) انسانی بوجھوں کو اٹھانیوالا ہو اور (۶) طاقت دینے والا ہو۔

فلہ یہاں بتلایا ہے کہ انسان کے لیے آسمان کا پانی اور زمین کے (جانور اور) درخت وغیرہ ہر چیز پیدا کی گئی ہے پس اس کا

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

کھجور کے درخت اور انگور اور (دوسرے) ہر قسم کے پھل (بھی) پیدا کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو فکر سے کام لیتے ہیں اس میں یقیناً ایک نشان (۱۲) (پایا جاتا) ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور اس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے بے اجرت خدمت پر لگا رکھا ہے اور دوسرے تمام (سیارے اور) ستارے (بھی) اسی کے حکم سے بلا اجرت (تمہاری) خدمت پر متعین ہیں جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کیلئے اس میں یقیناً کئی نشان (پائے جاتے) ہیں۔ (۱۳)

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝

اور جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں (وہ بھی تمہارے کام آرہا ہے) اسمیں (بھی) ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں یقیناً ایک نشان (پایا جاتا) ہے۔ (۱۴)

آخری نقطہ انسان ہی ہے اس لیے اس کی روحانی ترقی کے سامان پیدا کرنا خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں۔

؎۱۲ یہاں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح زمین سبزیاں اور پھل اگانے کی سب طاقتیں رکھنے کے باوجود آسمانی پانی کی محتاج ہوتی ہے یہی حال انسانی فطرت کا ہے۔ صرف عقل پر روحانی ترقی کا انحصار رکھنا ایسا ہی ہے جیسے بغیر پانی کے کھیتی اگانا کیونکہ انسانی عقل خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو وہ الہام کی محتاج ہوتی ہے اور خواہ انسان کے اندر کتنی ہی طاقتیں موجود ہوں انہیں ابھارنے کے لیے آسمانی پانی ضروری ہوتا ہے۔ غذاؤں کے ذکر کے بعد اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ کہہ کر بتایا کہ جیسے مادی دماغ غذا سے نشوونما پاتا ہے اسی طرح روحانیت سے تعلق رکھنے والا دماغ روحانی غذاؤں سے نشوونما پاتا ہے نیز یہ کہ مادی عالم کی طرح روحانی عالم میں بھی قوتِ فکریہ کو ابھارنے کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔

؎۱۳ پہلے پانی اور جانوروں کا اور انسانوں کے براہِ راست کام آنے والی دوسری خوراک کا ذکر کیا تھا اب جمادات میں سے ان کا ذکر فرمایا ہے جو انسانی دماغ کی نشوونما پر خاص اثر ڈالتی ہیں۔ رات دن چونکہ اجرام فلکی پر منحصر ہیں۔ اس لیے جمادات ہی کے حکم میں ہیں۔ خوراک وغیرہ کے متعلق پیدا کرنے کا لفظ تھا۔ جمادات کے متعلق سخر کا لفظ ہی یہ اسلیئے ہے کہ ان چیزوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے تو بظاہر کچھ اس کا بھی دخل ہوتا ہے مگر جمادات ویسے ہی خدمت پہ لگی ہوئی ہیں۔

قوتِ فکریہ قریب کی چیزوں کا حال معلوم کرتی ہے مگر قوت عقلیہ دور کی چیزوں سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ اسلیے اوپر جہاں غذا کا ذکر تھا یتفکرون کا لفظ رکھا اور یہاں چونکہ دور کی چیزوں کا ذکر ہے یعقلون کا لفظ رکھا۔

؎۱۴ لون کا مطلب نوع بھی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف رنگ اور اقسام کی چیزیں تمہاری مختلف طبائع کے لحاظ سے بنائی ہیں تم ایسا نہیں کر سکتے پھر مختلف طبائع کو مطمئن کرنے والا کلام تم کیسے بنا سکتے ہو۔ ان آیات میں فکر، عقل اور ذکر کو درجہ بدرجہ استعمال فرمایا ہے جب انسان تغیرات کی طرف جھکتا ہے تو پہلے فکر پیدا ہوتا ہے۔ پھر عقل

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى
الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ
تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○
وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○

اور وہ وہ (پاک) ذات ہے جس نے سمندر کو (بھی تمہاری) بے اجرت کی خدمت پر لگا رکھا ہے تاکہ تم اس میں سے (مچھلی وغیرہ کا) تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور کا سامان نکالو۔ جسے تم (لوگ) پہنتے ہو۔ اور (اے مخاطب) تو اس میں کشتیوں کو پانی پھاڑتے اور (زور سے) چلتے ہوئے دیکھتا ہے (جو اسلیے چلتی ہیں کہ تم سمندری سفر طے کرو) اور تاکہ تم اسکے بعض اور فضل (بھی) تلاش کرو اور تاکہ تم اسکا شکر (۱۵)

اور اس نے زمین میں (بہت سے) محکم پہاڑ (گاڑ) رکھے ہیں تاکہ وہ تمہیں چکر میں نہ ڈالے اور اس نے (تمہارے لیے) کئی دریا (چلائے ہیں) اور کئی (خشکی کے) رستے (بھی بنائے) ہیں تاکہ تم آسانی سے اپنی منزل (مقصود تک) راہ پا سکو۔ (۱۶)

اور (انکے علاوہ اس نے) کئی (اور) علامات بھی (قائم کی ہیں) اور ستاروں کے ذریعہ (بھی) وہ (لوگ) (۱۷)

جس سے عمل میں اصلاح شروع ہو جاتی ہے اس کے بعد تذکر کا درجہ ہے کہ ہر قدم پر انسان کو اس کا فرض یاد آتا رہتا ہے۔

۱۵؎ آیت ۱۳ کی طرح یہاں سخر یا مرہ نہیں فرمایا کیونکہ اجرام فلکی سے کام لینے کے لیے انسان کچھ بھی نہیں کرتا اس لیے ان کی تسخیر کامل طور پر بامرہ ہوتی ہے۔ لیکن سمندر وغیرہ سے فائدہ اٹھانے کے لیے کچھ نہ کچھ کام کرنا پڑتا ہے یہاں یہ اشارہ ہے کہ (۱) جب مادی ضروریات خدا تعالیٰ خشکی اور تری سے پوری کرتا ہے۔ پھر روحانی ضروریات کیوں پوری نہ کرتا (۲) جیسے سمندر کا پانی ہوتے ہوئے انسان آب پی نہیں سکتا جب تک کہ آسمان سے صاف ہو کر نہ آئے اسی طرح موجودہ صداقتوں کا فائدہ بھی اسی وقت ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو قابل استعمال بنا دے۔

۱۶؎ القی کے معنے پھینکنے کے ہیں مگر رواسی انہار اور سبل ہی کے متعلق جعل کا لفظ بھی قرآن میں آیا ہے (دیکھیں نمل ۲۷/۶۲) مرسلات ۷۷/۲۸- انبیاء ۲۱/۳۲) جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ چیزیں زمین ہی میں بنی ہیں باہر سے اس پر پھینکی نہیں گئیں۔ اس لیے یہاں القی کے کوئی اور معنے ہیں۔ اس کے لغوی معنے (منبع، پہنچانے، لگانے، سنانے اور حسن سلوک کے ہیں جو چسپاں نہیں ہوتے۔ اس لئے مجازی معنے ہی ہوں گے۔ دراصل یہاں القی کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ تمام دنیا میں ہم نے یہ چیزیں پھیلائی ہیں۔ جیسے کثرت کے اظہار کے لیے کہتے ہیں فلاں چیز بکھری ہوئی ہے۔ یا اس کا چھڑکاؤ ہوا ہوا ہے۔ پچھلی آیات میں متفرق چیزوں کا ذکر تھا اور یہاں ان کا ذکر ہے جو ذخائر کو جمع رکھتی اور ایک قانون کے ماتحت لوگوں تک پہنچاتی ہیں اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسانی تدابیر صرف وقتی اور چند لوگوں کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہیں مستقل ذخائر جو دنیا بھر کے کام آئیں۔ خدا ہی جمع کر سکتا ہے اور وہی ایسا کلام بھیج سکتا ہے جو مختلف وقتوں اور مختلف فطرتوں کی ضرورت کو پورا کر سکے اور جس کے ذریعہ دنیا روحانی مسافت طے کر سکے۔

۱۷؎ علامات کا عطف بھی القی پر ہے اور اس میں بھی اشارہ ہے کہ سطح زمین یکساں نہیں یہ تو زمین پر راستے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ آسمانی ذریعہ ستارے ہیں روحانی سفر میں بھی علامات یعنی ترقی کے مدارج ہیں جن کو دیکھ کر پتہ لگتا ہے کہ کونسا راستہ آگے جاتا ہے اور کونسا پیچھے۔ اسی طرح انبیاء کے وجود سے انسان روحانی سیر

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

پھر (بتاؤ تو سہی کہ) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتا۔ کیا تم پھر (بھی) نہیں سمجھتے۔ (۱۸)

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اگر تم اللہ (تعالیٰ) کے احسان شمار کرنے لگو تو (کبھی) تم ان کا احاطہ نہ کر سکو گے اللہ (تعالیٰ) یقیناً بہت ہی بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (۱۹)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اللہ (تعالیٰ) (سب) کو جانتا ہے۔ (۲۰)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) کے سوا جن (معبودانِ باطلہ کو) وہ پکارتے ہیں وہ کچھ (بھی) پیدا نہیں کر سکتے۔ اور (اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ) وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ (۲۱)

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ع ۸

وہ (سب) مردے ہیں نہ زندہ اور وہ (یہ بھی) نہیں جانتے کہ کب (دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے۔ (۲۲)

میں راستہ پاتا ہے۔ اور جس طرح ایک ستارہ دوسرے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اسی طرح ہر نبی دوسرے کی خبر دیتا ہے۔

۱۸؎ بعض نے اعتراض کیا ہے کہ فقرہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ کیا جو پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ خالق کی مانند ہو سکتا ہے مگر یہاں اُلٹ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں طاقت کا اظہار مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کفار کو کہا جاتا ہے کہ تمہارے معبود الہام کیوں نہیں بھیجتے تو وہ کہتے ہیں کہ اس میں ان کی ہتک ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اصل میں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ پھر کیا خدا تعالےٰ جو ایسا کر سکتا ہے۔ وہ بھی ان کی طرح ہو جائے۔

۱۹؎ فرمایا خدا تعالےٰ ان گنت احسان فرمانے والا ہے۔ وہ معبودانِ باطلہ کی طرح گونگا ہو کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ غفور الرحیم ہے کمزوروں کو حصول معافی اور قابلوں کو قابلیت کے اظہار کا موقعہ دیتا ہے۔

۲۰؎ فرمایا خدا تعالےٰ ہی ظاہر و باطن کو جانتا ہے اس لیے صرف وہی ہدایت کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔

۲۱؎ مشرک کہہ سکتے تھے۔ کہ ہمارے معبود بھی دلوں کے بھید جانتے ہیں اس لیے وہ بھی ہدایت بھیج سکتے ہیں۔ جواباً فرماتا ہے علم غیب صرف خالق ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی اور کو ہو سکے تو وہ بھی خالق ہو جائے۔ مگر تمہارے معبود خالق نہیں خود مخلوق ہیں چونکہ مسیحؑ کو بھی معبود سمجھا جاتا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ انہوں نے بھی کچھ پیدا نہیں کیا۔

۲۲؎ فرمایا ان کے معبود سب مردہ ہیں حالانکہ ہادی کے لیے زندہ ہونا ضروری ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں۔ ان دو آیتوں میں شرک کے ردّ میں چار دلیلیں دی ہیں (۱) جھوٹے معبود خالق نہیں ہیں (۲) وہ مخلوق ہیں یعنی ان میں احتیاج الی الغیر پائی جاتی ہے (۳) وہ مردہ ہیں (۴) انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل (حق سے) ناآشنا ہیں۔ (۲۳) اور وہ تکبر سے کام لے رہے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ جو کچھ وہ پوشیدہ (طور پر) کرتے ہیں (اسے بھی) اور جو کچھ وہ ظاہر (طور پر) کرتے ہیں (اسے بھی) اللہ (تعالیٰ) (۲۴) جانتا ہے۔ وہ تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے (کہ) وہ کلام جو تمہارے رب نے اتارا ہے کیا (ہی شاندار) ہے تو وہ کہتے ہیں (کہ) یہ (خدا تعالیٰ کا کلام نہیں (۲۵) بلکہ) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ جس (قول) کے نتیجہ میں وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ (بھی پورے (پورے) اٹھائیں گے۔ اور ان کے بوجھ بھی جن جاہلوں کو وہ گمراہ کر رہے ہیں۔ سنو! جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں، (۲۶) وہ بہت (ہی) برا ہے۔ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے (بھی اپنے (اپنے) زمانہ کے انبیاء کے خلاف) تدبیریں کی تھیں جس کے نتیجہ میں اللہ (تعالیٰ) ان کی عمارتوں کے پاس ان کی بنیادوں کی طرف سے آیا جس پر چھت ان کے اوپر

ع ۳ ۹

۲۳؎ اوپر کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ایک زنجیر میں پروئی ہوئی ہے اسکا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ جو یہ نہیں مانتے ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے یعنی (جزاء و سزا کے) قائل نہیں اس لیے وہ ان باتوں کو سنجیدگی سے سوچتے ہی نہیں یا یہ وجہ ہے کہ وہ متکبر ہیں۔

۲۴؎ فرمایا۔ اوپر کی آیات سے جیسے ایک خدا کا ثبوت ملتا ہے ویسے ہی اسکے عالم الغیب ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے جب وہ انکے ظاہر و باطن کو جانتا ہے تو ان کو ضرور سزا دیگا۔ انہ لا یحب المستکبرین میں یہ اشارہ ہے کہ تکبر کرنے والوں کو سزا زیادہ ملے گی۔ جاہلوں کو کم۔

۲۵؎ جب بھی ائمۃ الکفر دیکھیں کہ دلائل زبردست ہیں وہ ان کا اثر مٹانے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں گویا ان کے نزدیک کلام الٰہی میں نئی نئی باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ خدائی کلام کی غرض گمشدہ صداقتوں کو قائم کرنا ہوتا ہے گو ساتھ ضرورت کے مطابق نئے علوم بھی ہوتے ہیں۔

۲۶؎ لیحملوا کا لام لام عاقبت ہے۔ اور بتاتا ہے کہ پہلی بات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی سزا بھی پائیں گے۔

مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥
ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ
وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ
الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ٥
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ص فَاَلْقَوُا
السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ
سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥
فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ٥
وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ

کی طرف سے اُن پر آن گری - اور (اس کا یہ) عذاب اُن پر ایسی طرف سے
(۲۷) آیا کہ وہ (کچھ) نہیں سمجھتے تھے (کہ کہاں سے آگیا)
پھر وہ قیامت کے دن (وہ دِن وہ) انہیں رسوا کریگا - اور کہیگا (کہ اب)
کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی وجہ سے تم (میرے انبیاء سے)
دشمنی (اور مخالفت) رکھتے تھے (اور) جنہیں علم دیا گیا ہوگا وہ
(اس وقت) کہیں گے کہ آج کافروں پر یقیناً رسوائی اور
(۲۸) مصیبت (آنے والی) ہے۔
(ان پر) جن کی روحوں کو فرشتے (نیں) اس وقت کہ وہ اپنی
جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں نکالتے ہیں تو وہ (یہ کہکر) صلح کی طرح ڈالتے
ہیں (کہ) ہم (تو) کوئی بھی برائی (کا کام) نہیں کیا کرتے تھے (سوا نہیں
کہا جائیگا کہ واقعہ) یوں نہیں بلکہ (اس کے برعکس ہے یاد رکھو) جو
(۲۹) کچھ تم کرتے تھے اسے اللہ (تعالیٰ) یقیناً خوب جانتا ہے۔
اسلیے (اب) تم جہنم کے دروازوں میں سے اس میں ہمیشہ کیلئے ٹھکانا بناتے ہوئے داخل ہو
(۳۰) کیونکہ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت برا (ہوتا) ہے۔
اور (جب) ان لوگوں سے جنہوں نے تقویٰ (کا طریق) اختیار کیا ہے کہا گیا
(کہ) تمہارے رب نے کیا (ارشاد اور کلام) اتارا ہے تو انہوں نے کہا (کہ ہاں) بہترین۔
جنہوں نے نیکوکاری (کی راہ) اختیار کی ان کے لیئے اس (دنیا کی زندگی) میں
بھی) بھلائی (مقدر) ہے اور آخرت کا گھر (تو ان کے لئے) اور بھی

۲۷؎ بنیان اور سقف سے مراد توابع اور افسر بھی ہو سکتے ہیں۔ فرماتا ہے تم کہتے ہو قرآن پہلی کتابوں کی نقل ہے (آیت ۲۵) تم نے بھی تو پہلے کفار کی نقل کی ہے اسلیے وہی انجام تمہارا ہوگا نہ توابع رہیں گے نہ افسر۔

۲۸؎ یہاں یہ بتایا ہے کہ نبی کریم صلعم کے دشمنوں پر جو عذاب آئیگا اس میں ہلاکت اور رسوائی دونوں ہوں گے۔

۲۹؎ فرمایا یہ عذاب ان پر آئے گا جو موت تک ظالمی انفسہم کے مصداق رہیں گے۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ وہ صلح کی طرح ڈالیں گے یعنی شرک سے انکار تو نہیں کر سکیں گے مگر یہ کہیں گے کہ ہماری نیت نیک تھی۔ ما کنّا نعمل من سوٓءٍ کا یہاں یہی مطلب ہے کہ ہمارے افعال کا محرک سوٓء نہیں تھا۔ ان اللہ علیم کہکر بتا دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے نیک نیت ہوتی تو ہمارے قانون (والذین جاھدو افینا لنھدینّھم سبلنا) کے ماتحت تم ضرور سیدھی راہ پا لیتے۔

۳۰؎ فرمایا جو حق جانتے ہوئے تکبّر کی وجہ سے انکار کرتا ہے وہ دوسرے منکروں سے زیادہ مستحق سزا ہوگا۔

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ

بہتر ہوگا۔ اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کا گھر یقیناً بہت (۳۱) (ہی) اچھا (ہوتا) ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ

(وہ گھر) دائمی رہائش کے باغات (ہیں) جن میں وہ داخل ہونگے ان کے اندر نہریں بہتی ہوں گی۔ ان (باغوں) میں جو کچھ وہ چاہیں گے انہیں ملے گا۔ تقوےٰ اختیار کرنے والوں کو (۳۲) اللہ (تعالیٰ) اسی طرح جزا دیا کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

(وہ متقی) جن کی روحوں کو فرشتے اس حالت میں کہ وہ پاک نفس ہوں (یہ) کہتے ہوئے قبض کرتے ہیں کہ (اب) تمہارے لیے سلامتی (ہی) سلامتی ہے۔ جو کچھ (تم) کرتے تھے۔ اس کے (۳۳) مطابق تم جنت میں داخل ہوجاؤ۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

(اب) یہ (لوگ) اس بات کے سوا کس کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے انکے پاس (آسمانی عذاب لیکر) آئیں یا تیرے رب کا (فیصلہ کن) حکم آجائے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا۔ جو ان سے پہلے (زمانوں کے) تھے۔ اور اللہ (تعالےٰ) نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا (۳۴) بلکہ وہ (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

پس انکے عملوں کی سزا نے انہیں آ پکڑا۔ اور جس (عذاب کی خبر) پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔ (اور تباہ کردیا)

ع ۷

۳۱ قالوا خیراً۔ یعنی یہ کتاب مناسب کمالات کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ احسنوا۔ انہیں بتایا کہ نقطۂ نگاہ بدلنے عمل میں فرق پڑجاتا ہے جنہوں نے اسی خیر سمجھا اس پر عمل کرکے مقام خیر تک پہنچ گئے جنہوں نے اساطیر الاولین سمجھا انکے وعید سے نہ ڈرے اور ہلاک ہوگئے۔

۳۲ تجری من تحتہا الانھٰر:۔ میں یہ اشارہ ہے کہ وہاں نہریں ان کے قبضہ میں ہوں گی۔ اس لیے پورا فائدہ اٹھاسکیں گے۔ جنّٰت عدن میں یہ اشارہ ہے وہ مقام نقائص سے پاک ہوگا۔ کیونکہ فنا نقص ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ لھم فیھا مایشآءون کیونکہ وہ ماتشآءون الّا ان یّشآء اللہ کے مصداق ہونگے اور ان کی ہرخواہش منشاء الٰہی کے ماتحت ہوگی اس لئے پوری کی جائے گی۔

۳۳ طیّبین کے معنوں کے لیے دیکھیں سورۃ ابراہیم نوٹ زیر آیت ۲۵)

۳۴ تاتیھم الملٰٓئکۃ میں انفرادی اور امر ربّک میں قومی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔

۳۵ سیّاٰت ما عملوا سے مراد عمل کے بدنتائج ہیں اور اس میں بتایا ہے کہ عذاب کوئی بیرونی چیز نہیں بلکہ بداعمال کا طبعی نتیجہ ہے۔ حاق بھم ما کانوا بہٖ یستھزءون ۔ میں بتلایا ہے کہ جیسے اعتراض وہ انبیاء پر کرتے ہیں ویسے ہی الزام میں خود گرفتار ہوجاتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ٥

اور جن لوگوں نے شرک (کا طریق اختیار) کیا انہوں نے (یہ بھی) کہا ہے کہ اگر اللہ (تعالیٰ بھی) چاہتا (کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے) تو نہ ہم (ہی) اس کے سوا کسی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (ایسا کرتے اور نہ (ہی) ہم اس کے (فرمان کے) بغیر کسی چیز کو (خود بخود) حرام ٹھہراتے جو (لوگ) ان سے پہلے (سچائی کے دشمن) تھے انہوں نے (بھی) ایسا ہی کیا تھا بھلا (کیا یہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ) رسولوں پر (خدا کا پیغام) پہنچا دینے کے سوا (اور) کیا ذمہ داری ہے۔ (۳۶)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٥

اور ہم نے یقیناً ہر قوم میں (کوئی نہ کوئی) رسول (یہ حکم دے کر) بھیجا ہے کہ تم اللہ (تعالیٰ) کی عبادت کرو اور حد سے بڑھنے والے سرکش سے کنارہ کش رہو۔ اس پر ان میں سے بعض (تو) ایسے (اچھے ثابت) ہوئے کہ انہیں اللہ (تعالیٰ) نے ہدایت دی اور بعض ایسے کہ ان پر ہلاکت واجب ہو گئی۔ پس تم (تمام) ملک میں پھرو اور دیکھو کہ (انبیاء کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا تھا۔ (۳۷)

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ٥

(اے رسول) اگر تو ان (لوگوں) کی ہدایت یابی کی بہت خواہش رکھتا ہے۔ تو (سمجھ لے کہ) جو لوگ دوسروں کو (دانستہ) گمراہ کر رہے ہوں انہیں اللہ (تعالیٰ) ہرگز ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔ (۳۸)

---

۳۶ کفار کہتے تھے کہ اگر شرک برا ہے تو خدا تعالیٰ قادر ہے وہ کیوں ہمیں روک نہیں دیتا۔ فرمایا اس کا ایک ہی طریق ہو سکتا ہے کہ انبیاء کو ہم جبر کا حکم دیں۔ مگر تمہارے مسلمہ انبیاء میں سے بھی کسی نے جبر نہیں کیا تو محمد رسول اللہ کیوں کریں۔

۳۷ فرمایا اگر تمہارا یہ دعویٰ کہ چونکہ خدا جبراً تمہیں شرک سے نہیں روکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے پسند کرتا ہے غلط ہے کیونکہ (۱) اگر جبر کرنا ہوتا تو پھر بعثنا فی کلّ اُمّۃ رسول کی ضرورت نہیں تھی (۲) تمام انبیاء نے توحید کی تعلیم دی ہے اور صحبتِ بد سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اگر خدا نے خود ہی بعض کو مشرک بنایا ہے تو ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت کی تعلیم کیوں دی جاتی۔ (۳) اور اگر خدا نے خود ہی بعض کو مشرک بنایا ہے تو پھر وہ مجبور تھے ان پر عذاب کیوں نازل ہوتا رہا ہے۔

۳۸ یہاں یہ بتایا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے جبر سے کافر و مشرک نہیں بناتا اسی طرح جبر سے مومن و موحد بھی نہیں بناتا۔ یضلّ کی ضمیر مَن کی طرف پھرتی ہے یعنی جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اسے خدا ہدایت نہیں دیتا۔ یہ معنے نہیں کہ جسے خدا گمراہ کرتا ہے اسے ہدایت نہیں دیتا۔ کیونکہ اسی مضمون کو تو پہلی آیت میں رد کیا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَایَبْعَثُ اللّٰہُ مَنْ یَّمُوْتُ بَلٰی وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ ۙ

اور انہوں نے (اللہ تعالیٰ) کی بڑی زور دار قسمیں کھائی ہیں۔ (کہ) جو مرجائے (اللہ تعالیٰ) اسے (پھر) زندہ نہیں کریگا (مگر حقیقت) یوں نہیں ہے (تو ایک ایسا) وعدہ ہے جس (کے پورا کرنے) کا وہ ذمہ دار ہے لیکن اکثر (۳۹) لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

لِیُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰذِبِیْنَ ○

(یہ دوبارہ زندگی اس لئے ہوگی کہ) تا وہ ان پر اس (حقیقت) کو ظاہر کرے جس میں وہ (آج) اختلاف کر رہے ہیں اور تا جن لوگوں نے کفر (کا طریق) اختیار کیا ہے انہیں معلوم ہوجائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ (۴۰)

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰہُ اَنْ نَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۚ

ہمارا قول کسی (ایسی) چیز کے متعلق جس (کے پورا کرنے) کا ہم ارادہ کریں صرف (۴۱) یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ؕ وَلَاَجْرُ

اور جن لوگوں نے اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا (اللہ تعالیٰ) کے لیے ہجرت اختیار کی (ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ) ہم انہیں ضرور ہی دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر

---

۳۹ جب کفار دلائل سے مقابلہ نہیں کر سکتے تو کمزوروں کو قسموں سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں حالانکہ قسم تو نیکوں کی قابلِ اعتبار ہوتی ہے یا جن امور میں جھوٹی قسم پر دنیا میں سزا دینے کا فیصلہ خدا تعالےٰ نے کیا ہوا ہے ان میں وہ شہادت کا کام دیتی ہے ورنہ ہر جھوٹی قسم کی سزا دنیا میں نہیں ملتی۔

۴۰ اس میں اوپر کے مضمون کی دلیل دی ہے اور وہ یہ ہے کہ حشر بعد الموت روحانی امور میں یقین پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے۔ دوسری یہ کہ اگر یہیں انسانی زندگی ختم ہوجائے تو پھر منکرین کبھی عبد نہیں بن سکتے حالانکہ پیدائش کا مقصد یہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایک اور زندگی ہو جس میں حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ اسی سورۃ کی آیت ۶۵ میں فرماتا ہے کہ کتاب تبیّن کے لیے آئی ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب اسی دنیا میں حقیقت کھول دی گئی، تو اگلے جہان کی ضرورت کیا رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے متعلق تبیّن کے لفظ کے معنے عقلی طور پر حقیقت کھول دینے کے ہوتے ہیں مگر یہ تبیّن صرف حق کے متلاشیوں کو فائدہ دیتا ہے۔ ولیعلم ...... کٰذبین۔ سے ظاہر ہے کہ یہاں اس تبیّن کا ذکر ہے جس کے بعد کافر انکار کر ہی نہیں سکتے۔

۴۱ فرمایا۔ قیامت کے انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اسے ناممکن سمجھتے ہیں حالانکہ ہم ایسے قادر ہیں کہ جیسا چاہتے ہیں ایسا ہوجاتا ہے۔ گویا یہاں ان پیشگوئیوں کو بھی دلیل قیامت ٹھہرایا گیا ہے جو اس دنیا میں نبی کرتے ہیں اور پوری ہوجاتی ہیں "کن" کے لفظ سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ پہلے مادہ تھا جبھی اسے خدا نے حکم دیا۔ یہ غلط ہے کیونکہ حکم تو مادہ ہوتا پھر بھی اس وقت تک نہ دیا جا سکتا تھا جب تک اس میں شعور نہ ہوتا۔ یہاں کُن کے معنے چاہنے کے ہیں جیسے ایک دفعہ دور سے گرد اٹھتی دیکھی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کن ابا خیثمۃ۔

وقف لازم

اَلْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۙ

(۴۱) (تو) اور بھی بڑا ہوگا۔ کاش یہ (منکر اس حقیقت کو) جانتے

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

جو (ظلموں کا نشانہ بنکر بھی) ثابت قدم رہے اور (جو ہمیشہ ہی) اپنے رب (۴۲) پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ

اور ہم تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا کرتے تھے ہم انکی طرف وحی بھیجتے تھے اور (اے منکرو) اگر تم (اس حقیقت کو) نہیں جانتے تو اس اللہ تعالیٰ کے (۴۳) بھیجے ہوئے، ذکر (کو ماننے) والوں سے (ہی) پوچھ (کر معلوم کر) لو۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ۭ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(ہم نے انہیں) روشن نشانات اور (الہامی) نوشتے دیکر (بھیجا تھا) اور تجھ پر ہم نے یہ کامل، ذکر نازل کیا ہے۔ تاکہ تو سب لوگوں کو وہ (فرمانِ الٰہی) جو (تیرے ذریعہ سے) ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ کھول کر (۴۴) بتائے اور تاکہ وہ (اس پر) تدبر کریں۔

۴۱؎ فرمایا ہم مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی نعمائیں دیں گے اور یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ ہم جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ فی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ (۱) ان کی ہجرت محض اللہ تھی یا فی دین اللہ تھی۔ (۲) انہوں نے اللہ میں ہو کر یعنی اس کی صفات کو اپنے پر مستولی کر کے ہجرت کی گویا ان کے نکلنے سے خدا بھی مکہ والوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ من بعد ما ظلم میں بتایا کہ جب تک نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جائے ہجرت نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسی ہجرت کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اسی دنیا میں حسنہ یعنی پہلے سے بڑھ کر مقام مل جاتا ہے۔

۴۲؎ فرمایا ہم نے مسلمانوں کو بلا وجہ منعمین میں شامل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا ہے کہ ان پر ظلم ہوئے اور انہوں نے صبر کیا۔ گھروں سے بے گھر کئے گئے مگر خدا پر توکل نہ چھوڑا۔

۴۳؎ فرمایا تمہیں یہی اعتراض ہے کہ محمد رسول اللہ بھی ہمارے جیسا آدمی ہے مگر تمہیں یاد نہیں رہا۔ تو ان لوگوں سے یا جنہیں یاد ہے یعنی مسلمانوں سے) پوچھ لو کہ پہلے انبیاء بھی انسان ہی تھے۔

۴۴؎ یہاں الذکر کو زبر کے مقابلہ پر آیا ہے جب دو لفظ ایک ہی قسم کی اشیاء پر دلالت کریں تو بعد کا لفظ یا پہلے سے ادنیٰ معنے دیتا ہے یا اعلیٰ۔ یہاں موقعہ اعلیٰ معنوں کا ہے اس لیے الذکر کا ال اظہار کمال کے لیے ہے۔ فرمایا پہلے انبیاء کو بینات اور زبر ملیں تجھے بیّنات اور الذکر ملے ہیں۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ تو ان سے اعلیٰ الہام کا مورد ہو کر کامیاب نہ ہو جائے۔

ذکر کے معنے ہیں دعا۔ محکم۔ ثنا۔ کسی چیز کا اس طرح ذہن میں رکھنا کہ بھول نہ سکے۔ یعنی قرآن میں بہترین دعائیں ہیں۔ اس کی تعلیمات و دلائل محکم ہیں اس میں خدا کی بہترین ثنا ہے یہ عمل کرنے والوں کو قابل تعریف بنانے والا ہے اور ایسا مقبول ہونے والا ہے کہ بھلایا نہیں جائیگا۔ نزل علیھم میں یہ اشارہ ہے قرآن سب کی طرف آیا ہے لتبیّن میں بتایا ہے کہ قرآن ایسی شریفانہ باتوں پر مشتمل ہے کہ ہر مجلس میں سنایا جا سکتا ہے لعلّھم یتفکرون میں یہ اشارہ ہے کہ الہام فکر انسانی کو تیز کر دیتا ہے چنانچہ اَن پڑھ صحابہؓ قرآن پڑھ کر دنیا کے معلم بن گئے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝

پھر کیا جو لوگ (تیرے خلاف) بُری (بُری) تدبیریں کرتے چلے آئے ہیں وہ اس بات سے امن میں ہیں کہ اللہ (تعالیٰ) انہیں اس ملک میں (ہی) ذلیل (ورسوا) کردے یا وہ عذاب (جس کی خبر دی جاچکی ہے) جہاں سے (۴۶) وہ جانتے (بھی) نہ ہوں اُن پر آجائے۔

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝

یا وہ انہیں (قومی معاملات میں) انکے آزادانہ تصرف کی حالت میں ہلاک کردے (۴۷) پس (وہ یاد رکھیں کہ) وہ (ہرگز اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کے پورا کرنے سے) عاجز نہ پا سکیں گے۔

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝

یا وہ انہیں آہستہ آہستہ گھٹا کر ہلاک کردے۔ کیونکہ تمہارا رب یقیناً (مومنوں پر) (۴۸) بہت (ہی) شفقت کرنیوالا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ۝

اور کیا باوجود اس کے کہ وہ ذلیل ہو رہے ہیں انہوں نے (کبھی) اللہ (تعالیٰ) کے حضور (تذلل کے ساتھ) جھکتے ہوئے جو کچھ بھی اللہ (تعالیٰ) نے (ان کے لیے) پیدا کیا ہے اسے غور سے نہیں دیکھا۔ کہ اس کے سائے دائیں (۴۹) جانب سے اور شمالی جانبوں سے ادھر اُدھر ہو رہے ہیں۔

۴۶؎ یخسف اللہ میں یہ پیشگوئی تھی کہ کفار کو زمین میں دھنسا دیا جائیگا یعنی انہیں گمنام اور چلتے جی دفن کر دیا جائیگا چنانچہ آج صنادید عرب کے ناموں تک کو کوئی نہیں جانتا لیکن اکابر مسلمانوں اور ان کی نسلوں کو آج بھی لوگ سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

۴۷؎ تقلب کے معنے سفر اور تصرف کے ہیں۔ فرمایا کفار اپنے سفروں کو طاقت کا ذریعہ نہ سمجھیں۔ انہیں ان سفروں ہی میں عذاب ملے گا۔ چنانچہ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ ان کے تصرف میں کمی آجائے گی چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض کافر قبائل نے مکہ والوں کے جتھہ میں شمولیت سے انکار کر دیا۔

۴۸؎ یہاں یہ پیشگوئی ہے کہ مکہ والوں کے تابع جو علاقے ہیں وہ آہستہ آہستہ انہیں چھوڑتے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اہل مکہ باوجود زیادہ ہونے کے مسلمانوں سے مرعوب ہوں گے اور خوف کھائیں گے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نصرت بالرعب۔ ان ربکم لرؤف رحیم میں غائب سے خطاب کی ضمیر کو بدل دینا بتاتا ہے کہ کفار پر عذاب اور مسلمانوں پر رافت اور رحم ہوگا۔

۴۹؎ فرمایا کیا کفار اس پر غور نہیں کرتے کہ ہر ایک قوم و ملک پر ایک دن زوال آجاتا ہے اور ہر چیز کا سایہ ایک وقت آکر سمٹ جاتا ہے اور یہ عام قانون ان پر بھی لگ سکتا ہے۔ یمین وشمال۔ سے یہاں مکہ اور مدینہ مراد ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی سرحد پر کھڑے ہو کر مشرق کو منہ کریں تو مکہ دائیں آتا ہے اور مدینہ بائیں۔ یمین کو مفرد اور شمال کو جمع استعمال کر کے یہ بتلایا ہے کہ کفار کا سایہ محدود ہوگا۔ اور وہ بھی گھٹ جائیگا اور محمد رسول اللہ صلعم (جو مدینہ جانے والے ہیں) کے کئی سائے ہوں گے۔ یعنی وہ مختلف جہات سے ترقی کریں گے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

اور جو شئے بھی) آسمانوں میں ہے۔ اور (نیز) زمین پر جو بھی جاندار (موجود) ہے۔ اور (تمام فرشتے بھی اللہ (تعالیٰ) کے حضور ہیں ہی جھکے رہتے ہیں اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔ (۵۰)

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ السجدة

وہ اپنے رب سے جو ان پر غالب ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے (وہی) کرتے ہیں۔ (۵۱)

رکوع ۱۲ / ۶

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) نے (ہمیشہ ہر قوم کو یہی) فرمایا ہے کہ، تم دو معبود مت بناؤ۔ وہ (یعنی معبود برحق تو) ایک ہی ہے۔ پس تم مجھ سے ہی (ڈرو) پھر (تم سے کہتا ہوں کہ) مجھ سے ہی ڈرو۔ (۵۲)

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

اور جو کچھ (بھی) آسمانوں اور زمین میں (پایا جاتا) ہے اسی کا ہے اور اطاعت ہمیشہ اسی کا حق ہے پھر کیا تم اللہ (تعالیٰ) کے سوا اوروں کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بناتے ہو۔ (۵۳)

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝

اور جو نعمت بھی تمہارے شاملِ حال ہے وہ اللہ (تعالیٰ) ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں (کوئی تنگی اور) تکلیف پہنچتی ہے تو (اس وقت بھی) تم اسی کے حضور فریاد کرتے ہو۔ (۵۴)

---

۵۰ یہاں یہ فرما کر کہ زمین و آسمان کی تمام قوتیں خدا تعالےٰ کی کامل فرمانبردار ہیں اس کے سامنے تکبر نہیں کرتیں۔ یہ اشارہ کیا ہے کہ جب وہ ان تمام قوتوں کو اپنے رسول ؐ کی خدمت میں لگا دے گا تو وہ کس طرح کامیاب نہیں ہوگا۔ یاد رہے کہ دآبّۃ میں انسان بھی شامل ہیں۔

۵۱ اس سے اروت و ماروت کا قصہ بھی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ فرشتے حکم عدولی نہیں کر سکتے۔

۵۲ دو کی منا ہی کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زیادہ معبود بنانا جائز ہے کیونکہ آگے ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ زیادہ خدا تو الگ رہے دو بھی بنانے جائز نہیں۔ دو کے لفظ سے کفار کے اس خیال کا بطلان کیا گیا ہے کہ نیکی و بدی کے علیحدہ علیحدہ خدا ہیں۔ اور پر مسلمانوں کی کامیابی کی خبر دی گئی تھی۔ یہاں بتایا ہے کہ ان کی کامیابی خدا تعالےٰ کی توحید کا ثبوت ہوگی۔ یہاں یہ بھی بتایا کہ سچی توحید کی رہنمائی الہام ہی کرتا ہے۔

۵۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ دو خدا ہوں تو یا دوسرا پہلے کی اطاعت کرے گا یا الگ قانون بنائے گا۔ پہلی صورت میں اس کا وجود بے معنی ہے کیونکہ جو کام ایک کر سکتا ہے دو کیوں کریں۔ دوسری صورت میں نظام عالم میں اختلاف ہونا چاہیئے تیسری صورت یہ ہے کہ یہ خدا معطل ہو جائے اور نئے کی ضرورت پڑے مگر ولہ الدین واصبا اس کا قانون ازلی اور مستقل ہے اسلیئے کسی اور معبود کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

۵۴ فرمایا تمہیں سب نعماء ہماری طرف سے ملی ہیں پھر بھی تم بعض کو اوروں کی طرف منسوب کرتے ہو حالانکہ تمہاری فطرت شرک کی مخالفت کرتی ہے جبھی مصیبت کے وقت تم ہمیشہ خدا ہی کو پکارتے ہو۔

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ
إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُونَ ۝
لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوا
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝
وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ
نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ
لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ۝
وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا
يَشْتَهُونَ ۝
وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى
ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ
هُوَ كَظِيمٌ ۝
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ

پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے
تو تم میں سے بعض لوگ جھٹ (اوروں کو) اپنے رب
(۵۵) کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اچھا تم عارضی اور
(۵۶) وقتی سامانوں سے) فائدہ اٹھا لو اور اس کا (انجام بھی) تم جلد معلوم کر لوگے۔
اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے ایک حصہ وہ (اپنے) ان (جھوٹے
معبودوں) کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ جن (کی حقیقت) کے
(۵۷) متعلق وہ (کچھ) علم نہیں رکھتے۔
اللہ (تعالیٰ) کی قسم جو کچھ تم (جھوٹ سے کام لیکر) اپنے پاس سے گھڑ رہے ہو (ایک دن)
اس کی نسبت تم سے یقیناً باز پرس ہوگی اور وہ اللہ (تعالیٰ) کی طرف لڑکیاں منسوب کرتے ہیں
(۵۸) (یہ کیسا جھوٹ ہے) وہ پاک (ذات) ہے (اور لطف یہ کہ) انہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے)
۔۔۔ وہ (کچھ) ملتا ہے جو (وہ) خود چاہتے ہیں۔
اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی بشارت دی جائے تو اس کا منہ
جبکہ وہ اپنے غیظ (و غضب) کو سینہ میں دبا رہا ہوتا ہے۔ سیاہ
(۵۹) ہو جاتا ہے۔
(اور) جس بات کی اسے بشارت دی گئی ہے اس کی (مزعومہ) شناعت کے

۵۵-۵۶ بربھم: کہکر انہیں غیرت دلائی کہ وہ تو تمہارا رب ہے تم اس کے نہیں بنتے اور مصیبت ٹل جائے تو پھر شرک کرنے لگتے ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ چند دن فائدہ اٹھانے کے بعد تم عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

۵۷ یہاں شرک کے رد میں زبردست دلیل دی ہے کہ کسی اور معبود کا ہو سکنا امر دیگر ہے اور ہونا امر دیگر۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اور معبود ہو سکتا ہے تو یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ جسے یہ معبود کہتے ہیں وہ فی الواقع معبود ہے بھی۔ بما لا یعلمون ہ۔ لا یعلمون کی ضمیر معبودوں کی طرف بھی جا سکتی ہے۔ اور یجعلون کے فاعل کی طرف بھی۔ پہلی صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ وہ معبود ان باطلہ جانتے بھی نہیں کہ انہیں خدا بنایا جا رہا ہے اور دوسری صورت میں یہ کہ انہیں خدا بنانے والوں کے پاس کوئی دلیل ان کے خدا ہونے کی نہیں۔ لتسئلن کے معنے پوچھنے کے علاوہ سزا دینے کے بھی ہیں اور یہی یہاں مراد ہے۔

۵۸-۵۹ بیٹیاں نہ بنانے کے حکم سے یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کے بیٹے بنانا جائز ہے کیونکہ مریم ۹۱-۹۲ میں اس کا رد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غلط راہ پر چل کر انسان اپنے مسلمات کے بھی خلاف باتیں کرنے لگتا ہے خود اپنے لیے وہ بیٹی پسند نہیں کرتے خدا کے لیے کرتے ہیں۔

سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِکُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝

باعث وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے کہ) آیا وہ اُسے (آیندہ آنیوالی) ذلت کے باوجود (زندہ) رہنے دے یا اُسے (کہیں) مٹی میں گاڑ دے۔ سنو! جو رائے وہ قائم کرتے ہیں۔ (۶۰) بہت بری ہے۔

لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کی حالت بُری ہے اور (ہر) اعلیٰ صفت (اور شان) اللہ (تعالیٰ) ہی کی ہے اور وہی غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (۶۱)

ع ۷ ۱۴

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہوتی کہ وہ) لوگوں کو ان کے (ارتکاب) ظلم پر (فوراً) پکڑ لیتا (اور توبہ کے لیے مہلت نہ دیتا) تو وہ اس (زمین) پر کسی جاندار کو (زندہ) نہ چھوڑتا۔ مگر (اس کی یہ سنت ہے کہ) وہ (اصلاح کیلئے) انہیں ایک معین وقت تک مہلت دیتا رچلا جاتا ہے پھر جب ان (کی سزا) کا وقت آجاتا ہے تو وہ نہ تو ایک گھڑی پیچھے (۶۲) رہ (کر بچ) سکتے ہیں اور نہ (اس سے) آگے نکل (کر بچ) سکتے ہیں۔

---

۶۰ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۔ میں بتایا کہ بیٹیوں کو بُرا سمجھنا نہایت ہی گندہ فعل ہے

۶۱ یہاں مثل کا لفظ بات کے معنوں میں آیا ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ منکرینِ آخرت کی ہر بات بری ہی ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ کی ہر بات اچھی۔ اس لیے منکرینِ آخرت کلام الٰہی کے بھی منکر ہو جاتے ہیں اور اپنی طرف سے بھی قانون بنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ اور جو بات کرتے ہیں اُلٹی ہی نکلتی ہے مگر کلامِ الٰہی سب خوبیوں کا جامع ہوتا ہے پھر اس کی ضرورت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ یہاں کلامِ الٰہی کے انکار کی بجائے یومِ آخرت کے انکار کا ذکر اس لئے ہے کہ وہ کلامِ الٰہی کے انکار کا باعث ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ فرمایا العزیز الحکیم کی تعلیم ہی اعلیٰ ہو سکتی ہے کیونکہ دوسرا نہ حکمت کی بات کر سکتا ہے نہ اسے پورا کر سکتا ہے۔ یہ معنے بھی ہیں کہ خدا غالب ہے اس کے غلبہ کے اظہار کے لیے آخرت کا وجود ضروری ہے۔ یہیں غلبہ کامل کا اظہار اس لیے نہیں ہوتا کہ اس طرح ایمان بے فائدہ ہو جائے گا۔ مگر وہ حکیم ہے ایسی بات نہیں کر سکتا۔

۶۲ اوپر بتایا تھا کہ ہدایت صرف کلامِ الٰہی سے ملتی ہے اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اس صورت میں سب کفار کو ہلاک ہو جانا چاہیے۔ مگر ان کا ہلاک نہ ہونا بتاتا ہے کہ وہ بھی حق پر ہیں۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرماتا ہے کہ انکارِ کلامِ الٰہی کے علاوہ بھی تو کئی باتیں ہیں جنہیں تم بھی جرم سمجھتے ہو۔ مگر انکا مرتکب فوراً پکڑا نہیں جاتا۔ اگر ہر جرم پر خدا تعالیٰ بندوں کو ہلاک کرنے لگے تو نسلِ انسانی ختم ہو جائے۔ اور باقی جانور بھی۔ کیونکہ وہ انسان کے لیے ہی بنائے گئے ہیں معلوم ہوا کہ ہر گناہ کی سزا فوراً نہیں ملتی یہ مزید ثبوت یومِ آخرت کا ہے جہاں جزا سزا کا عمل تکمیل تک پہنچ جائے گا۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ○

اور وہ اللہ (تعالیٰ) کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے وہ (خود اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں۔ اور ان کی زبانیں (بڑی جرأت سے کام لیکر یہ) جھوٹ بولتی ہیں کہ انہیں بھلائی ملیگی۔ یہ اٹل بات ہے کہ ان کے لیے (دوزخ کی) آگ (کا عذاب مقدر) ہے اور یہ کہ انہیں (اسمیں) چھوڑ دیا جائیگا۔ (۶۳)

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

(اللہ تعالیٰ) کی قسم! ہم نے تجھ سے پہلے کی (تمام) امتوں کی طرف رسول بھیجے تھے۔ پھر انہیں شیطان نے ان کے (بد) اعمال خوبصورت کر کے دکھائے۔ سو آج وہی ان کا آقا (بنا ہوا) ہے اور ان کیلئے (آخر) دردناک عذاب (مقدر) ہے۔ (۶۴)

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○

اور ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اسی لیے اتارا ہے کہ جس (جس) بات کے متعلق انہوں نے (باہم) اختلاف (پیدا) کر لیا ہے اس (کی اصل حقیقت) کو ان پر روشن کرے اور (نیز) جو (اس پر) ایمان لائیں انکی (راہنمائی) کے لئے اور (ان پر) رحمت (نازل) کرنے کے لئے۔ (۶۵)

وَاللّٰهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ○ ع

اور اللہ (تعالیٰ) نے (ہی) آسمان سے (عمدہ) پانی اتارا ہے اور اس کے ذریعہ سے اس نے تمام زمین کو اس کے مردہ ہو چکنے کے بعد (از سرِ نو) زندہ کیا ہے جو لوگ (حق بات کو سنتے اور اسے قبول کرنے کیلئے تیار رہتے) ہیں ان کیلئے اس میں یقیناً ایک (بہت بڑا) نشان (پایا جاتا) ہے۔ (۶۶)

ع ۸ / ۱۴

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ

اور تمہارے لیے چارپایوں میں (بھی) یقیناً نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ (موجود) ہے (کیا تم دیکھتے نہیں کہ) جو کچھ ان کے پیٹوں میں (اگند

---

۶۳ ؎ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ یعنی جیسے انہوں نے خدا کو چھوڑ دیا ہے خدا ان کو عذاب میں ڈال کر چھوڑ دے گا۔
۶۴ ؎ یعنی پہلے انبیاء کے مخالفین کو بھی شیطان نے یہ کہکر گمراہ کیا تھا کہ ہمارے اعمال پہ گرفت نہیں، یہی حال ان کا ہے کہ غلطیوں پر مطمئن بیٹھے ہیں اور نہیں جانتے کہ عذاب ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔
۶۵ ؎ فرمایا کلامِ الٰہی کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر مذہبی اور اخلاقی امور میں اختلافات دور نہیں ہو سکتے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک نبی کے بعد تم نے اختلاف کیا جبھی دوسرا نبی آیا۔ ورنہ اگر سب فرشتے یعنی نیک ہوتے تو ان میں سے ہر اک پہ کلام نازل ہوتا اور کفر کا سوال ہی نہ رہتا۔
۶۶ ؎ یَسْمَعُونَ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہاں مَاءً سے مراد کلامِ الٰہی ہے ورنہ مادی پانی سے سننے کا تعلق نہیں ہوتا۔
احیا بہ الارض سے اس کلام کے هُدًى وَرَحْمَةً ہونے کی دلیل دی کہ جیسے پہلے کلام مردہ قوموں کو زندہ کرتے رہے ہیں (اسی طرح یہ بھی کریگا)۔

مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝

وغیرہ بھرا) ہوتا ہے اس میں سے یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں پینے کے لیے (پاک اور) صاف دودھ (مہیا کر) دیتے ہیں جو (اس کے) (۶۶) پینے والوں کے لیے (خوشگوار بھی) ہوتا ہے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

اور کھجوروں کے پھلوں اور انگوروں سے (بھی کہ) جن سے تم شراب (بھی) بناتے ہو اور اچھا رزق (بھی) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے اس میں یقیناً ایک بڑا نشان (۶۸) (پایا جاتا) ہے۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف (بھی) وحی کی (ہوئی) ہے کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جو (انسان انگوروں وغیرہ کے لیے) ٹیک (۶۹) بناتے ہیں ان میں (اپنے) گھر بنا۔

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے تھوڑا تھوڑا (لیکر) کھا اور اپنے رب کے (بتائے ہوئے) طریقوں پر جو تیرے لیے آسان (کیے گئے) ہیں چل۔ ان (مکھیوں) کے پیٹوں سے (تمہارے) پینے کی ایک (لطیف) چیز نکلتی ہے

---

۶۷ لعبرۃ کے معنے ایک چیز کو دیکھ کر اس کے مشابہ دوسری چیز کا قیاس کرنا ہوتے ہیں۔ فرمایا جیسے خوراک کے ذریعہ خدا تعالےٰ جانوروں میں گندگی سے خون اور خون سے دودھ بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان فطرت کے مطابق (الہامی) تعلیم پر عمل کرے تو خدا تعالےٰ اس کے گند دھو کر اسے باکمال بنا دیتا ہے۔ لیکن جیسے انسان خوراک سے خود دودھ نہیں بنا سکتا ویسے وہ فطرت کے ان گھڑے جذبات کو اعلیٰ تعلیم میں بھی از خود تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہ آیت شاہد ہے کہ قرآن خالق دنیا نے نازل کیا تھا کیونکہ دودھ بننے کا جو طریق اس نے بتلایا ہے اس وقت دنیا کو معلوم نہیں تھا۔

۶۸ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ وہی چیز جو تازہ ہونے کی حالت میں رزقاً حسناً ہوتی ہے تم تصرف کر کے اس کو سکراً بنا دیتے ہو اس سے عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالےٰ جس مقصد کے لیے کسی چیز کو بناتا ہے اس میں تغیر موجب اصلاح نہیں ہوتا۔

۶۹ فرمایا بقدر ظرف ہر ایک کو حتیٰ کہ مکھی کو بھی وحی سے حصہ ملتا ہے اور سارا انتظام وحی کے ماتحت چل رہا ہے کہیں وحی جلی ہے کہیں خفی جیسے سب مکھیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں کوئی پہاڑوں پر کوئی درختوں پر اور کوئی مکانوں میں چھتے بناتی ہیں اسی طرح مورد وحی انسان ایک سے نہیں ہوتے۔ مثلاً بعض نبی دوسرے نبیوں پر فضیلت رکھتے ہیں (بقرہ ۲/۲۵۴)۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ۔ فرمایا صرف خدا ہی علیم و قدیر ہے اس لئے الہام نازل کرنا اسی کا کام ہے۔

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ
لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ؕ
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ
الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ
عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
قَدِيْرٌ ۝
وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ
فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا
بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ
اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

جو مختلف رنگوں کی ہوتی ہے (اور) اس میں لوگوں کیلئے شفاء کی
خاصیت رکھی گئی) ہے جو لوگ سوچ (اور فکر) سے کام لیتے ہیں۔
(۷۰) ان کے لیے اس میں یقیناً کئی نشان (پائے جاتے) ہیں۔
اور اللہ (تعالیٰ) نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہ تمہاری روحیں قبض
کرتا ہے اور تم میں سے بعض (بعض آدمی) ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ عمر کی بدترین
حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ علم والا ہونے) کے
بعد (پھر) بے علم ہو جاتا ہے اللہ (تعالیٰ) یقیناً بہت جاننے والا (اور)
(۷۱) ہر بات پر پورا (پورا) قادر ہے۔

ع ۵/۱۵

اور اللہ (تعالیٰ) نے رزق میں (بھی تو) تم میں سے بعض کو بعض سے
بڑھایا (ہوا) ہے۔ پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے اور
اپنا (مقبوضہ) رزق (کسی صورت میں بھی تو) ان کی طرف جن پر ان
کے دائیں ہاتھ قابض ہیں لوٹانے والے نہیں تا وہ اس میں برابر کے
(۷۲) حصہ دار ہو جائیں۔ پھر کیا وہ (اس حقیقت کے جاننے کے باوجود) اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

ن۱ جس طرح جگہ کی مکھیوں کا شہد مختلف رنگ کا ہوتا ہے مگر سب میں ایک چیز یعنی شفاء مشترک ہوتی ہے وہی حال
مختلف کتب الہامی کا ہے فرمایا وننزّل من القرآن ما ھو شفآءٌ ورحمۃٌ للمؤمنین۔
(بنی اسرائیل ۱۷/۸۳ نیز دیکھیں یونس ۱۰/۵۸ اور حٰم سجدہ ۴۱/۴۵)۔
فاسلکی سبل ربک ذُللًا میں اشارہ ہے کہ ہر آدمی صاحب وحی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ خدا تعالیٰ کی
بتائی ہوئی راہ پر چلے اور اس وحی پر عمل کرے جو بطور وحی خفی ہر انسان پر نازل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا
کی بتلائی ہوئی آسان راہ پر چلے اِنّ فی ذٰلک لاٰیۃ لقوم یتفکرون میں یہ اشارہ ہے۔ کہ بغیر وحی کے
کوئی کام نہیں چلتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دنیوی امور میں انسانی کوشش بمنزلہ دعا ہے
اور اس کے نتیجہ میں جو تدبیر انسانی ذہن میں آئے وہ بھی (ایک قسم کی) وحی ہے۔
ن۲ جب انسان کی یہ حالت ہے تو وہ ہدایت کیسے دے سکتا ہے اور خود کلام کیسے بنا سکتا ہے ایک عجیب
نکتہ یہ ہے۔ کہ کوئی نبی ارذل العمر تک نہیں پہنچا کہ دماغی کمزوری کی وجہ سے اس کی باتوں کا اعتبار نہ رہا ہو۔
ن۳ یہاں ضرورت وحی کی ایک اور دلیل دی ہے جو یہ ہے کہ انسان خود تعلیم بنائیں تو اس میں دوسروں
کا حق نہیں رکھیں گے افبنعمۃ اللہ یجحدون فرمایا نبی تو نعمت ہے کیا تم اس کے آنے پر جھگڑتے
ہو بر اددی جس کے معنے لوٹانے والے کے ہیں کہ مگر یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے مالک عوام الناس ہیں مگر بر فہم
سے پتہ لگتا ہے کہ مالدار اپنے اموال کے مالک ہیں یہ اس لیے ہے کہ اسلام نے ہر چیز کی دو ملکیتیں تسلیم کی ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے لیے خود تم ہی سے بیویاں بنائی ہیں اور (نیز) اس نے تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں اور اس نے تمہیں تمام (قسم کی) پاکیزہ چیزوں سے رزق بخشا ہے کیا پھر (بھی) ایک ہلاک ہونے والی چیز پر (تو) وہ ایمان رکھیں گے (۷۳) اور اللہ (تعالیٰ) کے انعام کا وہ انکار کر دیں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝

اور وہ اللہ (تعالیٰ) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین میں سے ان کے (دینے کے) لیے کسی رزق کے ذرہ بھر (بھی) مالک نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ (۷۴)

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

پس (اے مشرکو)، تم اللہ (تعالیٰ) کے متعلق (اپنے پاس سے) باتیں مت بناؤ (اللہ تعالیٰ) یقیناً (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور تم (کچھ بھی) نہیں جانتے۔ (۷۵)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ (تعالیٰ) تمہارے سمجھانے کو ایک ایسے بندے کی حالت بیان کرتا ہے جو غلام ہو (اور) جو کسی بات کی (بھی) طاقت نہ رکھتا ہو اور (اس کے مقابلہ میں اس کے بندے کی حالت کو بھی) جسے ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق دیا ہو۔ اور وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر (بھی) اور علانیہ طور پر (بھی ہماری راہ میں) خرچ کرتا ہو (کیا وہ دونوں قسم کے لوگ) برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں) تمام تعریف (تو) اللہ (تعالیٰ) ہی کو زیبا ہے، لیکن ان میں سے اکثر (لوگ اس کو) نہیں جانتے۔ (۷۶)

ایک اس کی جس نے کمایا۔ دوسرے اس کی جس نے کسی رنگ میں مدد کی۔

۷۳-۷۴ ؎ یہاں یہ بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ جو نعماء تمہیں دیتا ہے ان پر تمہارا حقِ قبضہ تسلیم کرتا ہے اور تمہارے حقوق ورثاء کی طرف منتقل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ تم اپنے اموال جو درحقیقت خدا تعالیٰ کے ہیں غیروں کو نہیں دیتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق باطل یعنی شرک میں مبتلا ہوتے ہو اور چاہتے ہو کہ اس کے اختیارات ان کے سپرد کر دو جنہیں اس نے اپنا وارث نہیں بنایا۔ اسے حق ہے کہ جسے چاہے اپنے دین کا وارث بنائے یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ شرک کی وجہ سے انسانی توجہ ان ہستیوں کی طرف ہو جاتی ہے جو کوئی طاقت نہیں رکھتیں اسلئے ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹنے کا نقصان پہنچ جاتا ہے۔

۷۵ ؎ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق خود قانون نہ بناؤ خدا تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ دین کے بارہ میں کسی کو کس قدر اختیار دینا ہے مگر تم نہیں جانتے۔

۷۶ ؎ یہاں یہ بتایا ہے کہ ہوا و ہوس اور رسوم و توہمات کا شکار جو عبدِ مملوک کی حیثیت رکھتا ہو۔ وہ اس شخص جیسا یعنی محمد رسول اللہ صلعم جیسا) نہیں ہو سکتا جو ظاہر و مخفی طور پر بندوں کی خدمت کرتا رہتا ہے یقیناً

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۧ

اور اللہ (تعالیٰ) دو اور شخصوں کی حالت (بھی) بیان کرتا ہے جن میں سے ایک (تو) گونگا ہو جو کسی بات کی طاقت نہ رکھتا ہو اور وہ اپنے مالک پر بے فائدہ بوجھ ہو جدھر بھی (اس کا آقا) اسے بھیجے (وہ) کوئی بھلائی (کما کر) نہ لائے (واپس) کیا وہ (شخص) اور وہ (دوسرا) شخص جو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہو اور وہ (خود بھی) سیدھی راہ پر (قائم) ہو باہم (۷۷) برابر ہو سکتے ہیں۔

ع ۱۰ / ۱۶

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز (بھی) اللہ (تعالیٰ) ہی کی ہے اور اس (موعودہ) گھڑی (کی آمد) کا معاملہ تو ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ وہ (اس سے بھی) قریب تر (وقت (۷۸) میں واقع ہو جانیوالا) ہے۔ اللہ (تعالیٰ) یقیناً ہر بات پر پورا (پورا) قادر ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ تم کچھ (بھی) نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے ہیں (۷۹) تاکہ تم شکر ادا کرو۔

خدا کی مدد اسی کے ساتھ ہو سکتی ہے جو اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کرے سِرًّا وَجَهْرًا کے تین معنے ہو سکتے ہیں۔ (۱) پوشیدہ طور پر بھی اور ظاہر بھی یعنی دعا کے ذریعہ بھی جو نظر نہیں آتی اور نظر آنیوالے اخلاقی فاضلہ کے ذریعہ بھی (۲) رات کو بھی اور دن کو بھی (۳) ان کاموں کے ذریعہ بھی جن کی قدر لوگ جانتے ہیں اور انکے ذریعہ بھی جن کی قدر وہ نہیں جانتے۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ بعض نیک اعمال مخفی ہوتے ہیں انسان ان کا بدلہ نہیں دے سکتا اس لئے یوم الجزاء ہونا چاہیئے۔ تا ایسے اعمال کا بھی بدلہ ملے۔

ﷺ اوپر ایسے شخص کی مثال دی تھی جو طاقت تو رکھتا ہو مگر بوجہ غلام ہونیکے اظہار طاقت نہ کر سکے یہاں ایسے شخص کی مثال دی ہے جو نیکی کی طاقت ہی نہیں رکھتا اور فرماتا ہے اگر دو شخص ہوں ایک دینی معاملات میں گونگا ہو اور اس نے دنیوی ترقی بھی کوئی نہ کی ہو بلکہ دوسروں پر بوجھ ہو اور ایک ایسا شخص ہو یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے ہماری عزت قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہو اور عدل اور صراط مستقیم کی تعلیم دیتا ہو تو ظاہر ہے کہ ہماری مدد مؤخر الذکر کے ساتھ ہی ہوگی۔

ﷺ یہاں گونگے اور نااہل کفار کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے یہ پیشگوئی کتنی عظیم الشان ہے کہ اس وقت کی گئی جب مکہ سے ہجرت ہو رہی تھی قدیر کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ یہ تباہی اتفاقی نہ ہوگی بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہوگی۔

ﷺ یہاں بتلایا ہے کہ ہر چیز کے ذرائع ہوتے ہیں مثلاً دنیوی علوم (بالترتیب) کان آنکھ دل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور یہ اشارہ کیا ہے کہ جب تم ان ذرائع سے کام لیتے ہو تو دینی علوم کے ذریعہ یعنی الہام سے کیوں انکار کرتے ہو۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

کیا انہوں نے پرندوں کو جو آسمان کی فضا کے اندر مسخر کئے گئے ہیں۔ (غور کی نظر سے) نہیں دیکھا۔ انہیں (تم پر آگرنے اور نوچ کھانے سے) اللہ (تعالیٰ) کے سوا (اور) کوئی نہیں روک رہا۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے اسمیں یقیناً کئی نشان (پائے جاتے) ہیں۔ (۸۰)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) نے تمہارے گھروں کو تمہاری رہائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور اس نے چارپایوں کے چمڑوں سے (بھی) تمہارے لیے گھر بنائے ہیں۔ جنہیں تم سفر کے وقت ہلکا (پھلکا) پاتے ہو۔ اور (نیز) اپنے قیام کے وقت (ان سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ اور ان (جانوروں) کی باریک اُونوں اور (نیز) انکی موٹی اُونوں اور ان کے بالوں کو بھی مستقل سامان اور ایک وقت تک (کے لئے) عارضی سامان (بنایا ہے)۔ (۸۱)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ۝

اور اللہ (تعالیٰ) نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں اس نے تمہارے لئے کئی سایہ دینے والی چیزیں بنائی ہیں (جن کے نیچے تم آرام پاتے ہو) اور پہاڑوں میں (بھی) تمہارے لیے پناہ کی جگہیں بنائی ہیں اور (نیز) اس نے تمہارے لیے کئی (قسم کی) قمیصیں بنائی ہیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کئی (قسم کی) قمیصیں (یعنی زرہیں) جو تمہیں تمہاری (آپس کی) جنگ (کی سختی) سے بچاتی ہیں اسی طرح وہ تم پر اپنے (روحانی) انعام کو (بھی) پورا ... کرتا ہے تاکہ تم (اس کے) فرمانبردار بنو۔ (۸۲)

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

پس اگر وہ (اب بھی) پھر جائیں تو (اس کی وجہ سے) تجھ پر کوئی الزام نہیں آئیگا (کیونکہ) تیرے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔ (۸۳)

---

۸۰ پرندے اُڑنا محاورہ ہے کسی قوم کی شکست اور ہلاکت کے اظہار کے لیے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ ابھی ہم نے عذاب کو روکا ہوا ہے جب آگیا تو پھر پرندے انکی لاشوں سے بوٹیاں کھائیں گے (جیسا اصحاب الفیل سے ہوا۔ دیکھو سورۃ فیل) اور گو انہیں اس پیشگوئی پر تعجب ہے مومن اس میں خدا تعالیٰ کے نشان مشاہدہ کر رہے ہیں۔

۸۱ فرمایا ہم نے تمہیں مستقل گھر بھی دیئے ہیں اور سفر کے سامان بھی اس انعام کو اپنے اعمال سے کیوں ضائع کرتے ہو۔

۸۲ یہاں اوپر کا مضمون جاری رکھا ہے اور مزید نعماء گنوائی ہیں۔ "تقیکم الحر" میں صرف گرمی کا ذکر ہے مگر عربی قاعدہ کے مطابق اس کی ضد یعنی سردی محذوف سمجھی جائے گی اور گرمی سردی دونوں کے بچاؤ کے کپڑے مراد لیے جائیں گے۔

۸۳ یعنی اس مصالحانہ گفتگو کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں تو تُو اپنا فرض پورا کرچکا۔ نتائج کے یہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

وہ اللہ (تعالیٰ) کے (اِس) انعام کو (بخوبی) پہچانتے ہیں (مگر) پھر (بھی) اس کا انکار (۸۴) کر رہے ہیں اور ان میں سے اکثر تو پکے کافر ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝

اور (اس دن کو بھی یاد کرو) جب ہم ہر ایک قوم میں ایک گواہ کھڑا کرینگے پھر اسوقت ان لوگوں کو جنہوں نے کفر (کا طریق) اختیار کیا ہے (عذرخواہی یا تلافی کی) اجازت نہیں دی جائیگی۔ (۸۵) اور نہ (ہی) ان کا کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ظلم (کا طریق اختیار) کیا ہے وہ جب اس (موعود) عذاب کو دیکھیں گے تو (اسوقت) نہ (تو) وہ (عذاب) ان پر سے ہلکا کیا جائے گا۔ (۸۶) اور نہ (ہی) انہیں مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کے) شریک بنائے ہیں جب وہ (ان) اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے (کہ) اے ہمارے رب یہ ہمارے (بنائے ہوئے) شریک ہیں جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ جس پر وہ (بڑی جلدی سے) انہیں کہیں گے (کہ) (۸۷) تم یقیناً جھوٹے ہو۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۣالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اور (اس حالت کو دیکھ کر) وہ (ظالم جلدی سے) اللہ (تعالیٰ) کے حضور (اپنی) اطاعت کا اظہار کرینگے اور جو کچھ وہ اپنے پاس سے گھڑا کرتے

---

۸۳ فرمایا وہ خود اپنے نفوس میں نعماء کا وجود پاتے ہیں مگر پھر بھی عملاً انکار یعنی ناقدری کرتے ہیں۔

۸۴ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم میں نبی آتے ہیں۔ انبیاء کی شہادت سے مراد ان کا نمونہ ہے کہ انہوں نے کلام الٰہی پر عمل کیا تو کتنی ترقی پالی۔ اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہاں سے کہاں جا گرے۔ لَا يُؤْذَنُ:۔ سے یہ مطلب نہیں کہ کفار کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ یہ دوسری آیات کے خلاف ہے۔ اس لیے مراد یہ ہے کہ تلافی کی یا عذرخواہی کی اجازت نہ ہوگی۔ (المرسلات ۲۷) یا جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ انبیاء کو ان کے لیے شفاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ جیسے فرمایا۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا ۲۴/۳۴) یہی مضمون یونس ۳/۱۰ طٰہٰ ۱۰۸/۲۰ النجم ۲۷/۵۳، بقرہ ۲۵۶/۲ میں ہے حدیث میں بھی شفاعت کے لیے اذن کا لفظ آتا ہے چنانچہ لکھا ہے ثُمَّ يُؤْذَنُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ اَنْ يَّشْفَعُوْا (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۳)

۸۶ یہاں عذاب آخرت مراد ہے۔

۸۷ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ کفر و گناہ کی دوستی کبھی پکی نہیں ہوتی۔ اَلْقَوْا کے معنے اچھی طرح کہنے اور پھینکنے کے ہیں اس لئے مطلب یہ ہے کہ وہ فوراً جواب دیں گے اور زور سے کہہ دیں گے۔

يَفْتَرُوْنَ ۝ — (۸۸) تھے وہ سب ان کے ذہنوں سے) غائب ہو جائے گا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝

جن لوگوں نے (خود بھی) کفر (کا طریق) اختیار کیا ہے۔ اور (دوسروں کو بھی) اللہ (تعالیٰ) کی راہ سے روکا ہے۔ ان کو ہم اس عذاب سے بڑھ کر ایک اور عذاب دیں گے کیونکہ (۸۹) وہ (ہمیشہ) فساد (کے کام) کرتے تھے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور (اس دن کو بھی یاد کرو) جس دن ہم ہر ایک قوم کے اندر ان کے خلاف خود انہی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ اور (اے رسول) تجھے ہم ان (سب) کے خلاف گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور ہم نے یہ کتاب ہر ایک بات کو کھول کر بیان کرنے کے لئے اور (تمام لوگوں کی) راہنمائی کے لیے اور (ان پر) رحمت کرنے اور کامل فرمانبرداری اختیار (۹۰) کرنیوالوں کو بشارت دینے کے لیے اتاری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

اللہ (تعالیٰ) یقیناً عدل کا اور احسان کا اور (غیر رشتہ داروں کو بھی) قرابت والے (شخص) کی طرح (جاننے اور مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور (ہر ایک قسم کی) بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور (۹۱) بغاوت سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

---

۸۸ یعنی یہ دیکھ کر کہ ان کے معبود بھی مخالف ہو رہے ہیں وہ لجاجت کا طریق اختیار کریں گے۔

۸۹ فرمایا گمراہوں سے زیادہ ان کو سزا ملے گی جنہوں نے خود بھی کفر کیا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

۹۰ یہاں پچھلا مضمون مکمل کیا ہے فرمایا ہم تجھے بھی گواہ ٹھہرائیں گے یعنی تیرا نمونہ پیش کرکے پوچھیں گے کہ کیا یہ تم میں سے نہیں تھا۔ جو اس قدر روحانی ترقی کر گیا۔ كُلِّ شَيْءٍ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو روحانیت کی ترقی کے لیے ضروری ہوں۔ ان سب کے اصول قرآن میں آگئے ہیں۔ احادیث میں ان کی تفسیریں ہیں۔ جو رسول کریم صلعم نے اپنے کامل فہم سے قرآنی مضامین سے استنباط کرکے بیان فرمائے ہیں۔ آنحضرتؐ کا استنباط اس لیے ماننے کے قابل ہے کہ وما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحیٌ یوحیٰ (النجم ۵۳ ع۱)

۹۱ پچھلی آیت میں قرآن کی چار خوبیاں یعنی (۱) تبیانًا لکلّ شیءٍ (۲) ہدایت (۳) رحمت اور (۴) بشارت ہونا بیان ہوئی تھیں۔ اس رکوع اور اگلے رکوعوں میں اس کا ثبوت بیان ہوا ہے۔ اس آیت میں تین باتوں کے کرنے کا حکم ہے اور تین باتوں سے روکنے کا جو ہدایت اور رحمت پر دلالت کرتا ہے اور تبیانًا لکلّ شیءٍ کے ماتحت اخلاقی امور کے تمام مدارج کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لعلکم تذکرون میں بتایا کہ یہ احکام اس لیے ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو یاد رکھو اور چونکہ انسانی پیدائش کے یہی مقاصد ہیں اس لئے اس

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اور (چاہیئے کہ) اللہ (تعالیٰ) کے (ساتھ کئے ہوئے) اپنے عہد کو جب تم نے (اس سے کوئی) عہد کیا ہو پورا کرو اور قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد جبکہ تم نے اللہ (تعالیٰ) کو (اس کی قسم کھا کر) اپنا ضامن بنا لیا ہے مت توڑو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً جانتا ہے۔ (۹۲)

آیت میں بشارت ہے کہ اس حکم پر عمل سے یہ مقصد پا لو گے۔

فرمایا (۱) معاملات میں عدل یعنی انصاف کیا کرو (۲) احسان کیا کرو یعنی یہ نہ دیکھا کرو کہ دوسرا کیا سلوک کرتا ہے بلکہ دوسرے کا سلوک بُرا بھی ہو پھر بھی تمہارا اچھا ہونا چاہیئے۔ اس میں عفو، درگزر، صدقہ، خیرات سب شامل ہیں (۳) ایتاءِ ذی القربٰی ہونا چاہیئے یعنی سلوک محبت طبعی کی وجہ سے بغیر خواہشِ معاوضہ کے کیا جائے۔ پھر تین چیزوں کی مناہی ہے (۱) "فحشاء" وہ بدی جو صرف کرنے والوں کو نظر آئے۔ (۲) منکر وہ جو دوسروں کو بھی نظر آئے۔ مگر اس کا اثر دوسروں پر کم پڑے (۳) بغی کسی کا حق مار لینا۔ ان احکام کی ترتیب سے بتایا کہ پہلے چھوٹی نیکی کی جاتی ہے پھر بڑی مگر بدی چھوڑتے ہوئے پہلے بڑی ترک کی جاتی ہے پھر اس سے چھوٹی۔ اللہ تعالیٰ سے احسان اور ایتاءِ ذی القربٰی کا معاملہ ممکن نہیں اس کا حق عدل میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے عدل یہ ہے کہ (۱) اس کا حق غیر اللہ کو نہ دیا جائے (۲) جیسے خدا نے اس سے نیک معاملہ کیا ہے وہ بھی اپنے وجود سے خدا تعالیٰ کے لیے اعتراض کا موقع پیدا نہ کرے۔

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم کہ "خدا سے سارے دل، ساری جان اور ساری عقل سے محبت رکھ" اور یہ تعلیم کہ "اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ" اس قرآنی تعلیم سے بہتر ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ دل، جان اور عقل سب خدا داد ہیں ان کی قربانی بہرحال عدل سے زیادہ نہیں ہو سکتی مگر عدل کا لفظ اس سے بہت وسیع ہے کیونکہ ان چیزوں کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جن کی قربانی ضروری ہے مثلاً جب تک انسان اپنے ہر ارادہ اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ خدا تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا وہ عدل نہیں کرتا (دیکھیں توبہ آیت ۲۵)۔ بائیبل کے دوسرے حکم میں کہ پڑوسی سے اپنے برابر محبت کر صرف عدل کا سبق ہے مگر قرآن نے احسان اور ایتاءِ ذی القربٰی کا بھی حکم دیا ہے۔

۹۲ عهد الله سے مراد عہدِ بیعت ہے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح ۴۸/۱۱)۔ نیز دیکھیں آل عمران ۳/۷۷۔ اس کی تشریح سورۃ توبہ ۹/۱۱۲ میں ہے۔ چونکہ اوپر کی آیت میں اسلامی تعلیم کا خلاصہ تھا یہاں اس پر عمل کی تلقین فرمائی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ صرف وہ عہد پورے کئے جائیں جن میں خدا کو ضامن بنایا گیا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف انہی عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے جن کا خدا ضامن ہے یعنی جو اس کے حکم کے مطابق ہوں دوسروں کا پورا کرنا نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ گناہ ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اور تم اس ڈر سے کہ کوئی قوم ایسی (نہ) ہو جائے جو (کسی) دوسری قوم سے زیادہ طاقتور ہو اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ کرنے کا ذریعہ بناتے ہوئے اس عورت کی طرح مت بنو جس نے اپنا (محنت سے کاتا ہوا) سوت (اس کے) مضبوط ہو چکنے کے بعد توڑ کر پارہ پارہ کر دیا تھا۔ (اس ذریعہ) سے اللہ (تعالیٰ عنقریب) تمہارا امتحان لے گا۔ اور جس بات کے متعلق تم آپس میں اختلاف کرتے رہے ہو گے (۹۳) اس (کی حقیقت) کو وہ قیامت کے دن ضرور تمہارے سامنے کھول (کر رکھ) دیگا۔

اور اگر اللہ (تعالیٰ) اپنی (ہی) مشیت نافذ کرتا تو وہ تم (سب) کو ایک ہی جماعت بناتا لیکن (وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ) جو شخص (گمراہی کو) چاہتا ہے اسے وہ گمراہ کرتا ہے اور جو (ہدایت کو) چاہتا ہے اسے وہ ہدایت (۹۴) دیتا ہے اور جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ اسکی بابت (قیامت کے دن) تم سے پوچھا جائیگا۔

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ ورنہ (تمہارا) قدم بعد اس کے کہ وہ (خوب مضبوطی سے) جم چکا ہو۔ (پھر) پھسل جائیگا۔ اور تم اس بدی کا مزہ چکھو گے کیونکہ تم نے اس طرح سے (اور لوگوں کو بھی) اللہ (تعالیٰ) کی راہ سے روکا۔ اور تم پر بڑا عذاب (۹۵) (نازل) ہوگا۔

۹۳ یہاں یہ سبق دیا گیا ہے کہ (۱) کسی طاقتور قوم سے اس لئے صلح نہ کرو کہ وہ معاہدہ کی وجہ سے غافل ہو جائے اور تم اس پر حملہ کر دو (۲) ایسے معاہدات نہ کرو جن میں بظاہر کمزور قوموں کی مدد نظر آئے مگر ارادہ انہیں ہڑپ کرنے کا ہو (۳) ایسی صلح نہ کرو جس سے معاہد قوم کو کمزور کرنا مقصود ہو۔ اس کے علاوہ انفرادی اور قومی عہدوں مثلاً نظام خلافت کی پابندی کا حکم بھی یہاں سے نکلتا ہے۔ اِنَّمَا یَبْلُوْکُمُ اللّٰہُ۔ یعنی یہ مواقع بطور امتحان آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں طاقت دے کر دیکھے گا کہ تم ان احکام پر کس طرح کاربند رہتے ہو۔ یہ قرآن کی برتری کی دلیل ہے کہ قیام مکہ کے دوران میں جب چپہ بھر زمین بھی مسلمانوں کے پاس نہیں تھی زبردست حکومت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

۹۴ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ایسی اعلیٰ تعلیم کو جبراً کیوں جاری نہ کر دیا گیا۔ فرمایا ایسا اس لیے نہیں کیا کہ امتحان لینا مقصود تھا اس لیے جو گمراہ ہونا چاہتا ہے خدا تعالیٰ اسے گمراہ ہونے دیتا ہے۔ یہاں یہ نصیحت بھی ہے کہ تم ان میں اسلام کا فائدہ سمجھو پھر بھی اوپر جس طرح کے معاہدات سے روکا گیا ہے وہ نہیں کرنے چاہئیں۔

۹۵ وَلَا تَتَّخِذُوْا اَیْمَانَکُمْ کے الفاظ کو اس لیے دہرایا ہے کہ مسلمانوں کے لیے بدنیتی سے معاہدات کرنا اور بھی برا ہے یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ مسلمان دنیا پر چھا جائیں گے کیونکہ اس صورت میں انکے معاہدات توڑنے سے دنیا (بھر) میں فساد کا خطرہ ہو سکتا تھا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور تم اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ (کئے ہوئے) عہد کے بدلہ میں (اس کے مقابل پر) حقیر اور تھوڑی سی قیمت (رکھنے والی چیز) مت لو اگر تم علم رکھتے ہو تو (سمجھ لو کہ) (۹۶) جو کچھ اللہ (تعالیٰ) کے پاس ہے وہ تمہارے لئے یقیناً (اس سے کہیں بہتر) ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ (تعالیٰ) کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ جو لوگ ثابت قدم رہتے ہیں ہم انہیں یقیناً ان کے بہترین عمل کے مطابق (۹۷) ان کے تمام اعمالِ صالحہ کا) بدلہ دیں گے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو کوئی مومن ہونے کی حالت میں مناسب حال عمل کرے گا۔ مرد ہو کہ عورت ہم اس کو یقیناً ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم ان (تمام لوگوں) کو ان کے بہترین عمل کے مطابق ان کے (تمام اعمالِ (۹۸) صالحہ) کا بدلہ دیں گے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

اسلئے (اے مخاطب) جب تو قرآن پڑھنے لگے تو دھتکارے ہوئے شیطان (کے شر) سے (۹۹) (محفوظ رہنے کیلئے) اللہ (تعالیٰ) کی پناہ مانگ (لیا کر)

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(سچی) بات یقیناً یہی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اپنے رب (کی پناہ) پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان پر اس کا کوئی تسلط (۱۰۰) نہیں ہے۔

۹۶ف چونکہ اوپر حکومت ملنے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور ایسی حالت میں دشمن رشوت بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ اس لئے پہلے ہی آگاہ فرما دیا کہ ولا تشتروا بعھد اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔

۹۷ف فرمایا دشمن جو بھی دے گا محدود ہو گا مگر تقویٰ کا انعام غیر محدود ہو گا۔ گو انہی کو ملیگا جو صبر کریں گے اور دین کو بیچیں گے نہیں۔ باحسن ما کانوا یعملون میں بتایا کہ اعلیٰ اعمال پر باقی اعمال کا قیاس کیا جاویگا۔

۹۸ف اس میں بتایا کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں اور ان کو اعمال کا برابر بدلہ ملے گا۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ آئندہ جو اسلامی حکومت قائم ہوگی اس میں مرد و عورت دونوں کے حقوق تسلیم کیے جائیں گے۔

۹۹ف یہاں اعوذ پڑھنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہی مقام ہے جہاں پہلی دفعہ وضاحت سے اسلامی حکومت کی خبر دی گئی اور جب دنیوی ترقیات ملیں تو اکثر لوگ دین سے غافل ہو جاتے ہیں۔

۱۰۰ف یہاں اس اعتراض کا جواب کہ اگر دنیوی ترقیات بعض کے لیے کفر کا موجب ہیں تو پھر ان کی خبر دی ہی کیوں گئی" یہ دیا ہے کہ شیطان کا قبضہ صرف کمزوروں پر ہوتا ہے۔

ع ۱۳ / ۱۹

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ۝

اس کا تسلط صرف ان لوگوں پر رہوتا) ہے۔ جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ (۱۰۰)

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اور جب ہم کسی نشان کی جگہ پر کوئی اور نشان لاتے ہیں اور (اس میں کیا شک ہے کہ) اللہ (تعالیٰ) جو کچھ اتارتا ہے اس (کی ضرورت) کو وہ (سب سے) بہتر جانتا ہے۔ تو (مخالفین) کہتے ہیں کہ تو مفتری ہے (مگر حقیقت یوں) نہیں بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔ (۱۰۲)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

تو (ایسے معترضین سے) کہہ (کہ) روح القدس نے اسے تیرے رب کی طرف سے حق (و حکمت) کے ساتھ اتارا ہے۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں وہ (ایمان پر) ہمیشہ کے لیے قائم کر دے اور (نیز اس نے) کامل فرمانبرداروں کی (مزید) رہنمائی کیلئے اور (انہیں) بشارت دینے کیلئے (اسے اتارا ہے)۔ (۱۰۳)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ

اور ہم یقیناً جانتے ہیں (کہ) وہ سمجھتے ہیں (کہ یہ وحی الٰہی نہیں بلکہ)

۱۰۰؎ بہٖ کی ضمیر خدا کی طرف پھیریں تو مطلب یہ ہوگا کہ غلبہ شیطان ان پر ہوتا ہے جو خدا کے شریک بناتے ہیں اور اگر اس ضمیر کا مرجع شیطان ہو۔ تو معنے یہ ہوں گے کہ وہ شیطان کی غلامی کے باعث شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۱۰۲؎ نبی کریم صلعم کے وقت میں بعض احکام بدلے گئے تھے مگر وہ صرف وہ تھے جو غیر قرآنی وحی میں نازل ہوتے تھے (یعنی وقتی تھے) قرآن میں کبھی شامل نہیں ہوئے۔ دوسرے آیۃ کے معنے نشان بھی ہوتے ہیں نہ کہ آیت قرآنی کے۔ نشانات میں سے انذاری پیشگوئیاں توبہ سے ٹل بھی جاتی ہیں اور یہ رحم کی علامت ہے مگر وعدے ضرور پورے ہوتے ہیں گو حسب ضرورت قربانی نہ ہو تو تاخیر ان میں بھی ہو جاتی ہے جیسے موسیٰؑ کی قوم سے فتح مصر کا وعدہ تھا (مائدہ آیت ۵/۲۴) مگر ان کی نافرمانی کی وجہ سے ۴۰ سال پیچھے ڈال دیا گیا (مائدہ ۵/۲۶)۔ اسلئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی پیشگوئی مندرجہ بالا طریق پر ٹل جائے تو وہ شور مچانے لگتے ہیں حالانکہ ہم اس کی جگہ دوسرا نشان صداقت دکھا بھی دیتے ہیں دوسرا اوپر کلام الٰہی کے ثبوت میں بتلایا تھا کہ سب قوموں میں نبی آئے ہیں اس پر کفار نے اعتراض کیا کہ محمد رسول اللہ اپنے تسلیم کردہ انبیاء کے خلاف باتیں کہتے ہیں اس لیے (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ پہلے انبیا کی کتب کی جگہ قرآن اس لیے اتارا گیا ہے کہ موجودہ زمانے کے لیے قرآنی تعلیم ہی زیادہ بہتر ہے۔ کتاب بھی آیت ہوتی ہے بلکہ انبیاء کا سب سے بڑا معجزہ کتاب ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس صورت میں آیۃ کے معنے کتاب کے لیے جائیں گے یعنی جب ایک کتاب کی جگہ دوسری لائی جاتی ہے۔

۱۰۳؎ یہاں مندرجہ بالا اعتراض کا اور جواب دیتا ہے۔ کہ (۱) اس میں نبی کریم صلعم کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ نہیں اس لیے اگر کہیں پہلی کتب سے اختلاف ہو تو ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بگڑ گئی ہیں (۲) یہ کلام حق پر مشتمل ہے جہاں دوسری کتب سے اختلاف ہو قرآنی آیات ہی درست ہوتی ہیں۔ (۳) قرآن کریم مجسم ہدایت ہے یعنی خدا اور بندے

إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ۝	ایک آدمی اسے سکھاتا ہے (مگر وہ نہیں سمجھتے کہ) جس شخص کی طرف وہ اشارہ کرتے اور انکے ذہن اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اسکی زبان عجمی ہے اور یہ قرآنی (۱۰۴) زبان تو خوب روشن (کر کے دکھانیوالی) عربی زبان ہے۔
إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝	جو لوگ (اللہ تعالیٰ) کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے۔ انہیں (اللہ تعالیٰ) ہدایت نہیں دیتا۔ اور ان کے لئے دردناک (۱۰۵) عذاب (مقدر) ہے۔
إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝	جھوٹ وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو (اللہ تعالیٰ) کے نشانوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہی لوگ جھوٹ بولنے میں (۱۰۶) کامل ہوتے ہیں۔

صحیح تعلقات قائم کرتی ہے (۴) قرآنی بشارتیں دیتا ہے جو پوری ہوتی ہیں۔

۱۰۴ جبر نامی ایک شخص تلواریں بناتے ہوئے اناجیل کی آیات پڑھا کرتا تھا آنحضرتؐ اس کا مذہبی جوش دیکھ کر کبھی کبھار اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ وہ آپؐ کو لکھاتا تھا مگر اس شخص کی اپنی گواہی ہے کہ وہ رسول اللہ کو نہیں سکھاتا تھا بلکہ آپؐ اس کو سکھاتے تھے (روح المعانی جلد ۱۴) اس اعتراض کے جواب میں فرمایا جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلعم کو سکھاتا تھا وہ اعجمی ہے یعنی (۱) اس کی زبان غیر عربی ہے یا یہ کہ ایسی ناقص ہے کہ وہ اپنا مطلب بھی بیان نہیں کر سکتا پھر وہ قرآن جیسا مبین کلام کیسے سکھا سکتا تھا۔ یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ کی کتب کی باتیں غلط بیان ہوئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) واقعی جاہل غلاموں سے سن کر انہیں اسی طرح قرآن میں لکھ دیتے تھے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم اپنی صداقت کی یہ دلیل نہیں دیتا کہ اس میں پہلی کتب کی باتیں موجود نہیں بلکہ یہ دلیل دیتا ہے کہ اس میں پہلی کتب کی مفید باتوں کے علاوہ وہ باتیں بھی ہیں جو ان میں نہیں ہیں یعنی اس کی برتری نقل نہ ہونے میں نہیں بلکہ مبین ہونے میں ہے۔ (دیکھو نمل $\frac{۱۶}{۶۵-۶۴}$)

یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر سکھانے والے مسلمان تھے۔ تو کیا وہ خود سکھا کر صحابہ والی قربانیاں کر سکتے تھے اور اگر سکھانے والا مسلمان نہیں تھا تو کیا وہ اپنے مذہب کے خلاف لکھاتا تھا۔ قرآن نے بائبل کے غلط واقعات کی اصلاح کی ہے اور بعض نئے انکشاف کیے ہیں کیا وہ کر سکتا تھا۔ پھر قرآن میں تو پیشگوئیاں ہیں کیا کوئی غیر اللہ علم غیب رکھ سکتا تھا۔

۱۰۵ یہاں بتلایا ہے کہ قرآن کے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں کہ وہ اسے پہلی کتب کی نقل سمجھتے ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ نشان پر نشان دیکھتے ہیں پھر بھی ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور مانتے نہیں۔ اس لئے انہیں سزا ملے گی۔

۱۰۶ یعنی صرف وہی خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے جسے اس کی طاقت پر ایمان نہ ہو۔ رسول کریم صلعم تو خدا کی

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

جو لوگ (بھی) اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ (تعالیٰ) کا انکار کریں مگر وہ نہیں جنہیں (کفر پر) مجبور کیا گیا ہو اور ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ بلکہ وہ جنہوں نے (اپنا) سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو ان پر اللہ (تعالیٰ) کا (بہت) بڑا غضب (نازل) ہوگا۔ اور ان کے لئے بڑا (کمباری) عذاب (مقدر) (۱۰۶) ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور یہ اس سبب سے ہوگا کہ انہوں نے اس ورلی زندگی سے محبت کر کے اسے آخرت پر مقدم کر لیا۔ اور نیز اس وجہ سے کہ اللہ (تعالیٰ) کفر اختیار کرنیوالے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۱۰۷)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جن (کے کفر کی وجہ سے ان) کے دلوں اور ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر اللہ (تعالیٰ) نے مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ ہی ہیں جو پکے غافل ہیں۔ (۱۰۸)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(اور) اس میں کوئی شک نہیں کہ (یہی) آخرت میں (سب سے) زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ (۱۰۹)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ

اور تیرا رب یقیناً ان لوگوں کے لیے جو دکھ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کر گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور (اپنے عہد پر) ثابت قدم رہے (ہاں) تیرا رب یقیناً اس (شرط کو پورا کرنے) کے بعد

عظمت قائم کر رہے ہیں اس لیے آپ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کلام عادی جھوٹا ہی کر سکتا ہے اور محمد رسول اللہ کی سچائی کے گواہ تو تم بھی ہو۔

۱۰۶ اس ضمنی جواب کے بعد کہ قرآن پہلی کتب کی نقل نہیں اب پھر ترقیات کا ذکر فرماتا ہے چونکہ ایسے وقتوں میں دشمنوں کی مخالفت بھی بڑھ جاتی ہے اور فتنہ کے مواقع بھی اس لیے اس کے متعلق تنبیہہ فرما دی۔ اس میں عبداللہ بن اُبی کے ارتداد کی پیشگوئی ہے جو اسی دلیل پر مرتد ہوا تھا کہ قرآن خدا کا کلام نہیں۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ میں بحالت جبر مرتد ہونیکی اجازت نہیں دی بلکہ اسے علیحدہ رکھا گیا ہے تا اس کا ذکر بعد میں ہو سکے۔

۱۰۸ یہاں بتلایا ہے کہ اسلام کو سمجھ کر کوئی مرتد ہو ہی نہیں سکتا ہوگا تو ذاتی اغراض کے لیے ہوگا خواہ منہ سے کچھ ہی کہے۔

۱۰۹،۱۰۸ فرمایا۔ جب وہ ان سے کام نہیں لیتے تو خدا ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اور جب وہ دنیا میں سزا پاتے ہیں تو آخرت میں تو ضرور ہی پائیں گے کیونکہ وہ ان جرائم کی سزا کی اصل جگہ ہے۔

ربع ۲۰

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ
عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ
مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ
اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا
رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا
اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ
بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ
فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ
وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا
طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

(۱۱۱) (انکے لیے) بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنیوالا (ثابت) ہوگا۔
(اس جزا کا ظہور خصوصیت سے اس دن ہوگا) جس دن ہر شخص اپنی جان کے متعلق
جھگڑتا ہوا آئیگا اور ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا۔ (اس کا اجر) اسے پورا
(۱۱۲) پورا دیا جائیگا۔ اور ان پر (کسی رنگ میں بھی) ظلم نہ کیا جائے گا۔
اور اللہ (تعالیٰ) نے (تمہیں سمجھانے کیلئے) ایک بستی کا حال بیان کیا ہے
جسے (ہر طرح سے) امن حاصل ہے (اور) اطمینان نصیب ہے۔ ہر طرف
سے اس کا رزق اسے بافراغت پہنچ رہا ہے۔ پھر بھی اس نے
اللہ (تعالیٰ) کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے۔ اس (کی اس ناشکری) پر
اللہ (تعالیٰ) نے اس کے (باشندوں) پر انکے اپنے (گھنونے) عمل کی
(۱۱۳) وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس نازل کیا اور اس کا مزہ چکھایا۔
اور یقیناً ان کے پاس انہی میں سے (ہمارا) ایک رسول آچکا ہے
مگر انہوں نے اسے جھٹلایا جس پر اس حالت میں کہ وہ ظلم کر رہے تھے
(۱۱۴) (ہمارے) عذاب نے انہیں آپکڑا۔
پس جو حلال (اور) طیب (مال) اللہ (تعالیٰ) نے تمہیں دیا ہے تم
اس میں سے کھاؤ اور اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کا اگر تم اسی کی
(۱۱۵) عبادت کرتے ہو شکر کرو۔
اس نے تم پر صرف مردار کو اور خون کو اور سؤر کے

۱۱۱؎ اگر کسی کا دل مطمئن ہو مگر جبر کے ماتحت ظاہراً کمزوری دکھا جائے تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ (۱) وہ اس مقام سے ہجرت کر جائے (۲) اشاعت دین میں لگ جائے اور (۳) آئندہ ایسی خطا نہ کرے۔

۱۱۲؎ یوم، غفور الرحیم کا ظرف ہے مطلب یہ ہے کہ (قیامت کے دن) خدا کی صفتِ غفوریت اور رحیمیت انہی کے لیے ظاہر ہوگی جو آیت ۱۱۱ پر عمل کرینگے ان آیات میں کتنی بڑی قربانی چاہی گئی ہے یہ قربانی تو وہی کر سکتا ہے جس سے عارضی غفلت کی وجہ سے غلطی ہو گئی ہو۔ اس سے ثابت ہے کہ آیت ارتداد میں بزدلی کی تعلیم نہیں دی گئی۔

۱۱۳؎ یہاں پیشگوئی ہے کہ ان کے اعمال کی خرابی کی وجہ سے مکہ کا تقدس بھی اہلِ مکہ کو بچا نہیں سکے گا۔ اور وہ بھی خوف (یعنی جنگ) اور بھوک کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔

۱۱۴؎ یہاں وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی آیت میں اہل مکہ ہی کے لیے پیشگوئی تھی۔ فرمایا ان کے پاس رسول آیا جو انہی میں سے تھا یہ اسکے حالات و اخلاق سے واقف تھے پھر بھی انہوں نے تکذیب کی اسلیئے وہ خود بحالتِ ظلم پکڑے جائیں گے۔

۱۱۵؎ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفار کا رزق چھینا جائیگا اور مسلمانوں کو حلال اور طیب رزق عطا ہوگا۔

وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

گوشت کو اور (پھر) اس چیز کو حرام کیا ہے جس پر اللہ (تعالیٰ) کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ اور جو شخص (ان میں سے کسی چیز کے کھانے پر) مجبور کیا جائے بحالیکہ وہ نہ باغی ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو (۱۱۶) تو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت ہی بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اور اپنی زبانوں کے جھوٹے بیان کے سبب سے (یہ) مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (تا) ایسا نہ ہو کہ تم اللہ (تعالیٰ) پر جھوٹ باندھنے والے بن جاؤ۔ جو لوگ اللہ (تعالیٰ) پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوتے۔ (۱۱۷)

(یہ دنیا) تھوڑا سا عارضی سامان ہے۔ اور (اس کے نتیجہ میں) ان کے لئے دردناک عذاب (مقدر) ہے۔ (۱۱۸)

---

۱۱۵ لغوی لحاظ سے لحم شحم یعنی چربی سے الگ ہے لیکن آنحضرت ؐ نے مردہ جانور کی چربی حرام قرار دی ہے اور چونکہ سؤر اور مردہ کی حرمت ایک ہی آیت میں ایک ہی الفاظ میں بیان ہوئی ہے اس لیے سؤر کی چربی بھی حرام سمجھی جائے گی۔ لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ جس کا گوشت حرام ہو اس کے چمڑے کے استعمال میں حرج نہیں کیونکہ وہ کھایا نہیں جاتا۔ حرام تو صرف اس آیت میں مذکور چار چیزیں ہیں لیکن ایک حدیث ہے الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیزیں حلال و حرام کے علاوہ ہیں ان کے متعلق حکم ان کے تابع ہوگا ورنہ اگر سورۃ مائدہ آیت ۴ میں حرمت علیکم المیتۃ ..... بالازلام کے یہ معنے ہوتے کہ ان کے علاوہ باقی سب چیزیں جائز ہیں تو پھر یسئلونک ماذآ احل لھم میں حلال چیزوں کے متعلق سوال کیوں کیا جاتا اور خدا تعالیٰ اس کی ضرورت تسلیم کر کے کیوں فرماتا کہ قل احل لکم الطیبت یعنی باقی چیزوں میں سے صرف طیبات حلال ہیں۔

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر بادشاہ کی ایک رکھ ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی رکھ محرمات ہیں جس طرح ہوشیار چرواہا رکھ کے پاس نہیں چراتا کہ جانور اس میں نہ چلے جائیں۔ اسی طرح مومن محرمات کے پاس نہیں جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام کے مشابہ اشیاء سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۱۶ السنتکم میں تمہاری زبان سے مراد سرداران قوم کی زبان ہے کیونکہ ساری قوم جھوٹ نہیں بنایا کرتی۔ لتفتروا علی اللہ الکذب میں لام لام عاقبت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کہو کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ پر افترا کرنے لگ جاؤ گے۔ یعنی چونکہ حلال و حرام قرار دینا خدا کا کام ہے تمہارا ایسا کرنا اس پر افترا کے مترادف ہوگا لیکن مفتری کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ صداقت مامور من اللہ کی سب سے بڑی نشانی ہی یہ ہوتی ہے

۱۱۸ یعنی مفتری کو لمبی مہلت کبھی نہیں ملتی۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

اور جن لوگوں نے یہودی مذہب اختیار کیا تھا۔ ان پر (بھی) ہم نے اس سے پہلے وہ (تمام) چیزیں حرام کی تھیں جن کا ذکر ہم نے تجھ سے کیا ہے۔ اور ہم نے ان پر یہ (احکام دیگر) ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ (ان احکام کو توڑ کر) اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ (۱۱۹)

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوٓا ۙ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

پھر (یاد رکھو کہ) جن لوگوں نے بیخبری کی حالت میں (کوئی) برائی کی ہو۔ (اور) پھر اس کے بعد (اس سے) توبہ کر لیں اور (اپنی غلطی کی) اصلاح (بھی) کریں۔ ان کے حق میں تیرا رب ان (شرائط کے پورا کرنے کے) بعد بہت ہی بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا (ثابت) ہوگا۔ (۱۲۰)

١٥ ع ٢١

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

ابراہیم یقیناً بڑا (کہ) خیر کا جامع۔ اللہ (تعالیٰ) کے لیے تذلل اختیار کرنے والا (اور) ہمیشہ خدا کی کامل فرمانبرداری کرنے والا تھا۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ (۱۲۱)

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

(وہ) اس کے انعاموں کا شکرگزار تھا۔ اس (کے رب) نے اسے برگزیدہ کیا۔ اور ایک سیدھی راہ کی طرف اس کی راہنمائی کی۔ (۱۲۲)

وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ (۱۲۳)

اور ہم نے اسے دنیا میں (بھی بڑی) کامیابی بخشی تھی۔ اور وہ آخرت میں (بھی) یقیناً صالح لوگوں میں سے ہوگا۔

---

۱۱۹ یہاں بتلایا ہے کہ یہود کے لیے بعض اور چیزیں جیسے شگائے اور بکری کی چربی صرف لبطور سزا حرام کی گئی تھیں (انعام ۶/۱۴۷)، ان کی حرمت حقیقی نہ تھی۔

۱۲۰ فرمایا جنہوں نے ظلم کیا ہے اگر وہ اب بھی سچی توبہ کر لیں تو خدا کو غفور الرحیم پائیں گے (یہ عام حکم ہے)، جہالت کا مطلب عدم علم اور عدم معرفت ہے جیسے علم نہ ہو اسے سزا نہیں ملتی۔ اس لیے یہاں عدم معرفت مراد ہے۔ جہالت دو قسم کی ہوتی ہے۔ دائمی جہالت کا شکار معرفت سے بالکل محروم ہوتا ہے۔ وقتی جہالت کا شکار ادنے عارف بھی ہو جاتا ہے۔ (اصلحوا میں بتایا کہ صرف توبہ کافی نہیں بلکہ جن وجوہ سے گناہ ہوا تھا ان کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ نیز اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ دوسروں کی اصلاح بھی کریں تاکہ ان کی نیکیوں میں بھی حصہ ہو۔

۱۲۱ ابراہیم علیہ السلام کو امت کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ (۱) وہ نیکی کی تعلیم دینے والے اور ہر خیر کے جامع تھے۔ (۲) ان میں وہ طاقتیں تھیں جن سے اُمتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۲۲-۱۲۳ فرمایا وہ ان مذکورہ بالا صفات کو انعام الٰہی سمجھتا تھا۔ اس لئے جس قدر اس کی خوبیاں نکھرتی تھیں وہ انابت الی اللہ میں بڑھتا جاتا تھا اس لئے ہم نے اپنی سنت کے مطابق اسے دنیوی و اخروی انعاموں کے لئے چن لیا

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

اور (اے رسول) ہم نے تجھے وحی کے ذریعہ سے حکم دیا ہے کہ ہماری کامل فرمانبرداری پر ہمیشہ قائم رہنے والے ابراہیمؑ کے طریق کی پیروی کر۔ (۱۲۴) اور (اے مکہ والو جانتے ہو کہ) وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

سبت (کا وبال) انہی لوگوں پر ڈالا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔ اور تیرا رب اس امر کے متعلق جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یقیناً قیامت کے دن (۱۲۵) فیصلہ کرے گا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○

اور (اے رسول) تو (لوگوں کو) حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے اپنے رب کی راہ کی طرف بلا۔ اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو ان سے (ان کے اختلافات کے متعلق) بحث کر۔ تیرا رب ان کو (بھی) جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہوں (سب سے) بہتر جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو (بھی سب سے) (۱۲۶) بہتر جانتا ہے۔

اور صراطِ مستقیم پر یعنی خدا تعالیٰ سے ملنے والی راہ پر ڈال دیا۔ اور مسلمانوں کو بتایا گیا تھا کہ تمہیں بھی انعام ملیں گے مگر تم یہود و نصاریٰ جیسے نہ بن جانا یہاں تبلاتا ہے۔ کہ ابراہیمؑ کو دنیوی ترقیات بھی ملیں گر وہ خدا ہی کی طرف متوجہ رہے تم بھی انعام ملنے پر ابراہیمؑ جیسے بننا۔

من الصالحین سے مراد یہ ہے کہ اس کی طاقتیں اگلے جہان کی ترقیات سے کامل مناسبت رکھنے والی ہوں گی۔

۱۲۴ یہاں اوپر بیان کردہ مضمون کی وضاحت فرمائی ہے فرماتا ہے مسلمانو! ابراہیمؑ کے طریق پر چلنا وہ مشرک نہیں تھا اس لیے تم بھی ترقیات کے وقت خدا پر توکل نہ چھوڑنا۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلعم ابراہیمؑ کے تابع تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان مندرجہ بالا امور پر چلنے کی سب کو ضرورت ہے۔ اس لیے تم بھی ان پر عمل کرنا۔ ابراہیمؑ کا نام اس لیے لیا گیا کہ اہلِ مکہ ان کو باپ کہتے تھے۔ اور باپ کے نام کی غیرت دلانا اصلاح کا عمدہ طریق ہے۔

۱۲۵ یہاں یہ تبلایا ہے کہ سبت کی بے حرمتی کی سزا دراصل نافرمانی کی سزا تھی اب خدا کا حکم اسلام لانے کا ہے اس لیے اب تباہی اس کی خلاف ورزی سے آئے گی۔ اور اب تم سبت کی حرمت قائم کر کے بھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔

۱۲۶ یہاں تبلیغ کے طریق تبلائے ہیں۔ (۱) حکمت سے کام لو۔ یعنی جو بات کرو اس میں علم پختگی، عدل بُردباری اور حلم کو مدنظر رکھو اور ایسی بات کہو جو جہالت کا قلع قمع کرنے والی ہو۔ موافق الحق۔ اور محل و موقع کے مناسب ہو (۲) جو بات کرو الموعظۃ الحسنۃ ہو یعنی دلوں پر اثر کرنے والی ہو اور (۳) جادلھم بالتی ھی احسن بہ سب سے مضبوط دلیل کو بنیاد کے طور پر پیش کرو۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝

اگر تم (لوگ زیادتی کرنے والوں کو) سزا دو تو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو تم اتنی (ہی) سزا دو اور ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ اگر تم صبر کرو گے تو صبر کرنیوالوں کے حق میں وہ (یعنی صبر کرنا) بہتر ہوگا۔ (۱۲۶)

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝

اور اے رسول، تو صبر کر اور تیرا صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ممکن ہے اور تو ان (لوگوں کی حالت) پر غم نہ کھا۔ اور جو تدبیریں وہ کرتے ہیں ان کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کر۔ (۱۲۸)

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ع

اور یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جنہوں نے تقویٰ (کا طریق) اختیار کیا ہو۔ اور جو نیکوکار رہوں۔ (۱۲۹)

ع ۱۶ / ۲۲

---

۱۲۷ فرمایا دشمن مندرجہ بالا طریق پر کی ہوئی تبلیغ کو بھی نہیں مانیں گے۔ اور قتل کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وقت تم حتی الوسع صبر کرنا کوئی چارہ نہ رہے تو مقابلہ کرنا۔

۱۲۸ جنگ کی اجازت ہوئی تو رسول کریم صلعم کے رحیم دل نے کفار کی تباہی کے خیال سے صدمہ محسوس کیا اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہمارا فیصلہ ہے اس لیے صبر کرو۔

۱۲۹ متقی کے معنے ہیں وہ جو خدا سے اتنا تعلق بڑھائے کہ وہ اس کی سپر بن جائے متقی وہ نہیں جسے دنیا کی ہوش ہی نہ ہو بلکہ وہ ہے جو کام تو کرے مگر خشیت الٰہی کے ماتحت کرے۔

محسن وہ ہے جو خود حفاظت میں آجانے کے بعد دنیا کو بھی خدا کی حفاظت میں لانے کی کوشش کرے گویا محسن کا درجہ متقی سے اعلیٰ ہے۔ محسن کے یہ معنے بھی ہیں کہ وہ ایسے کام کرے جن سے دنیا میں حسن پیدا ہو۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے جنگ کا نتیجہ بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا ساتھ دے گا۔ جس سے ظاہر ہے کہ انہیں فتح ہوگی ؛

اٰیاتھا ۱۱۲	سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الجزء ۱۵

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

(۱) (میں) اللہ تعالیٰ کا نام لیکر شروع کرتا ہوں، جو بیحد کرم کرنیوالا اور بار بار رحم کرنیوالا ہے۔
پاک ذات اور پاک صفات ہے وہ (خدا) جو رات کے وقت اپنے بندہ کو (اس) حرمت والی مسجد سے (اس) دور والی مسجد تک جس کے ارد گرد کو (بھی) ہم نے برکت دی ہے (اس لیے) لے گیا کہ ہم اسے اپنے بعض نشان دکھلائیں یقیناً وہی (خدا) ہے جو اپنے بندوں کی پکار کو خوب
(۲) سننے والا اور ان کی حالتوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

نزول و ترتیب:- یہ سورۃ مکّی ہے۔ سورۃ نحل میں حکومت کی پیشگوئی تھی اور مسلمانوں کو ہوشیار کیا تھا، کہ حکومت ملنے پر یہود کی طرح خدا کو بھول نہ جانا۔ بلکہ زیادہ عبادت کرنا۔ اس سورۃ میں بتلایا ہے کہ مسلمانوں کو ان ممالک کا بھی بادشاہ بنایا جائے گا جن پر یہود قابض تھے۔ علاوہ ازیں سورۃ نحل کے آخر میں فرمایا تھا کہ اب یہود سے مقابلہ شروع ہونے والا ہے اور وہ اہل کتاب کی طرح دکھ دیں گے۔ مگر بجز مجبوری صبر کرنا خدا فتح دے گا (آیت ۱۲۷) یہاں بتلایا ہے کہ یہ مقابلہ مدینہ میں شروع ہوگا۔ اور مسلمان یہود کے مقدس مقامات پر قابض ہو جائیں گے۔

خلاصہ مضامین:- فرمایا یہود نے دو دفعہ خاص نافرمانی کی اور دونوں دفعہ عذاب میں گرفتار ہوئے اسی طرح مسلمانوں کے لیے عذاب کے دو زمانے مقدر ہیں۔ مگر وہ یہود کی طرح تباہ نہ ہوں گے پھر سورۃ نحل کی بعض باتوں مثلاً کلام الٰہی کے شفا ہونے کی تفصیل بیان فرمائی۔ ع ۹ (اسی لیے گو نزول میں یہ سورۃ سورۃ نحل سے پہلے ہے مگر مضمون کے لحاظ سے بعد میں رکھی گئی ہے) اسراء کے واقعہ سے شروع کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلعم چونکہ موسیٰؑ کے مثیل ہیں اس لئے جن مقامات کا وعدہ موسیٰؑ کو دیا گیا تھا، ان پر حضور صلعم بھی قابض ہوں گے۔ اور حضور کو بھی موسیٰؑ کی طرح ہجرت کرنی پڑے گی پھر فرمایا۔ موسیٰؑ کے ذریعہ ہم نے ان کی قوم کو ترقی دی مگر اس کے بعد وہ بگڑ گئے مسلمانوں کو اس سے بڑی ترقیاں ملنے والی ہیں اس لئے وہی خطرہ یہاں بھی ہے۔ فرمایا دنیا کمانا بُرا نہیں مگر ساتھ نیکی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ پھر نیکی کے اصول بتائے اور بتلایا کہ منکرین ان سے تکبر اور اعراض کرتے ہیں چنانچہ ان کو سزا ملے گی۔ اور زمانہ مسیح موعود میں فرشتوں اور ابلیس کے درمیان جنگ ہوگی۔ جس میں آدمؑ کے متبعین کو غلبہ دیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ لوگ تجھے تباہ کرنا چاہتے ہیں مگر ہم نے تیرے لیے عظیم الشان مقصد تجویز کیا ہے ہم تیرے نام کو پھیلائیں گے یہ قرآن ہمیشہ کام آئے گا۔ اور روحانی خزانے آہستگی سے دنیا پر ظاہر کئے جائیں گے۔

پھر آخری زمانہ کی علامات اور اس کے شر سے بچنے کا طریق بیان فرمایا۔

۲؎ سب سابق مفسرین کی رائے ہیں یہاں معراج کا ذکر ہے مگر ان کو غلطی لگی ہے معراج کا ذکر سورۃ النجم آیت ۵ تا ۱۹ میں ہے وہاں یہ واقعات بیان ہوئے ہیں (۱) قاب قوسین کی حالت کا پیدا ہونا آیت ۱۰ (۲) کلام الٰہی کا نازل ہونا

آیت ۱۱ (۳) آنحضرتؐ کو دیدار الٰہی نصیب ہونا آیت ۱۲ (۴) آپ کا سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے جانا آیت ۱۳ (۵) اس کے پاس جنت کا دیکھنا آیت ۱۶ (۶) وہاں کسی چیز کا نازل ہونا آیت ۱۷۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو معراج کے متعلق احادیث میں مندرج ہیں۔ دوسرے سورۃ نجم ۵ھ دور نبوت میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس وقت حبشہ سے کفار کا وہ وفد جو مسلمان مہاجرین کو واپس لانے میں ناکام ہوا تھا واپس آچکا تھا اور اسے نبی کریم صلعم نے سورۃ نجم کی آیات سنائی تھیں اس لیے واقعہ معراج یقیناً ۵ھ بعد نبوت سے پہلے کا ہے تیسرے نمازیں معراج کے دن فرض ہوئی تھیں اور شروع ایام نبوت سے فرض ہیں اس لئے واقعہ معراج شروع ایام نبوت کا ہے مگر واقعہ اسراء چھ ماہ یا ایک سال قبل از ہجرت ہوا تھا۔ (خصائص جلد اول ص۱۶۲) پھر جب یہ واقعہ ہوا ان دنوں میں حضور صلعم اپنی چچازاد بہن ام ہانی کے مکان پر قیام فرما تھے اور یہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابو طالبؓ کی وفات کے بعد ہی ہو سکتا تھا جو ۱۰ھ بعد نبوت میں ہوئی۔ اس لیے جہاں واقعہ معراج ۵ھ سے قبل ہوا واقعہ اسراء ۱۱ھ یا ۱۲ھ بعد نبوت ہوا اس لیے یقیناً یہ مختلف واقعات ہیں۔

خلط واقعات اس لئے ہوا کہ رات کے سفر کو عربی میں اسراء کہتے ہیں اور معراج اور اسراء کا واقعہ دونوں رات کو ہوئے تھے نیز اس لیے کہ ان کی کئی باتیں ملتی جلتی تھیں۔ مثلاً بیت المقدس میں انبیاء سے ملنا وہاں نماز پڑھنا دوزخ جنت دیکھنا وغیرہ۔ اسراء کا واقعہ ابن جریر جلد ۱۵ ص۶ پر صحیح بیان ہوا ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ حضور صلعم کے لیے جبرائیل ایک براق لائے اس پر حضورؐ روانہ ہوئے تو جاتے ہوئے حضورؐ نے ایک بڑھیا کو راستہ کے ایک جانب کھڑے دیکھا اور اس کے متعلق جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو انہوں نے کہا چلتے چلیئے اے محمدؐ۔ پھر ایک شخص نے جو راستہ کے ایک طرف کھڑا تھا حضورؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ مگر جبرائیلؑ نے کہا اے محمدؐ چلتے چلیئے۔ اور کچھ جواب نہ دیجئے۔ پھر کچھ لوگ ملے۔ جنہوں نے حضور صلعم کو سلام کہا جس کا جواب جبرائیلؑ نے دینے کو کہا۔ پھر حضورؐ آگے چلے جب بیت المقدس تک پہنچے تو جبرائیلؑ نے دودھ پانی اور شراب پیش کی حضورؐ نے دودھ پی لیا جبرائیلؑ نے کہا کہ آپؐ نے فطرتِ صحیحہ کو پا لیا۔ اگر پانی پیتے تو خود بھی غرق ہوتے اور آپؐ کی امت بھی۔ اور شراب پیتے تو خود بھی گمراہ ہوتے اور آپؐ کی امت بھی۔ بڑھیا کے متعلق بتلایا کہ وہ دنیا تھی اور جس نے ایک جانب سے آواز دی تھی وہ ابلیس تھا۔ اور سلام کرنے والے انبیاء تھے۔ قرآن میں بھی دنیا کو پانی سے تشبیہہ دی گئی ہے (کہف ۴۶) اسی طرح شراب شیطانی کاموں پر دلالت کرتی ہے (مائدہ ۹۱)

تفصیل واقعۂ اسراء:۔ یہ ایک کشف تھا۔ کیونکہ جبرائیلؑ نے دودھ پانی وغیرہ کی تعبیر کی۔ (۲) اسی سورۃ کی آیت ۶۱ میں اس کو رؤیا کا نام دیا گیا ہے (۳) واقعۂ اسراء سے ظاہر ہے نبی کریم صلعم کو چلانے والا کوئی اور تھا۔ حضورؐ بے اختیار تھے۔ در اصل کشف کی تین اقسام ہیں (۱) جس میں نظارہ اصل شکل میں دکھلایا جاتا ہے (۲) جس میں کچھ نظارہ مطابق اصل اور کچھ تعبیر طلب ہوتا ہے (۳) جس کے سب نظارے تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کا یہ کشف دوسری قسم کا تھا۔ اور اس میں یروشلم کے ذکر سے ہجرتِ مدینہ کی خبر دی گئی تھی،

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور (اس) کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا تھا (اور اس میں انہیں حکم دیا تھا) کہ تم میرے سوا کسی کو (اپنا) کارساز نہ ٹھہراؤ۔ (۳)

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

اور یہ (بھی) کہا تھا کہ اے) ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا وہ یقیناً (ہمارا) نہایت شکرگزار بندہ تھا۔ (۴)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

اور ہم نے اس کتاب میں بنی اسرائیل کو یہ بات (کھول کر) پہنچا دی تھی کہ تم یقیناً اس ملک میں دوبارہ فساد کرو گے اور یقیناً تم بہت بڑی سرکشی (اختیار) کرو گے۔ (۵)

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

اور جب ان دو بار کے فساد (وں) میں سے پہلی (بار) کا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آیا تو ہم نے اپنے بعض ایسے بندوں کو (تمہاری سرکوبی کیلئے) تم پر مستولی کر کے) کھڑا کر دیا جو سخت جنگجو تھے اور وہ (تمہارے) گھروں کے اندر جا گھسے اور یہ (وعدہ بہرحال) پورا ہو کر رہنے والا وعدہ تھا۔ (۶)

اور انبیاء کی امامت کرانیکا مطلب یہ تھا کہ اسلام دوسری اقوام میں بھی پھیلیگا اور یہ پیشگوئی تھی کہ یہ باتیں ہجرت کے بعد ہوں گی۔ اور آنحضرت صلعم کو بیت المقدس کا علاقہ بھی ملے گا۔

۳ـــہ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو بیت المقدس کا علاقہ ملنے کا وعدہ تھا یہاں مسلمانوں کو یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلے یہ علاقہ موسیٰؑ کی قوم کو ملا تھا۔ مگر انہوں نے نافرمانی کی اور اسے کھو دیا تم ایسا نہ کرنا۔ سورۂ نحل میں یہود سے بطریق احسن بحث کرنے کا ارشاد تھا۔ یہاں خود قرآن نے ایسا طریق استعمال فرمایا ہے اور یہود کی کتاب میں سے وہ پیشگوئی پیش کی ہے جس میں ان کے تنزل کی خبر تھی اور بتلایا ہے کہ ان حالات میں وہ صرف اسلام لا کر ہی ترقی کر سکتے ہیں۔

۴ـــہ یہاں بنی اسرائیل سے خطاب ہے کہ جیسے تمہارے دادا نوحؑ کو ہم نے طوفان سے نجات دی تم کو بھی سمندر سے بچایا اس لیے اس کی طرح تم بھی شکرگزار بنو۔ اس میں مسلمانوں کو بھی توجہ دلائی ہے کہ ایک مخالفت کے طوفان سے ہم تم کو بچانے والے ہیں تم بھی اس کی قدر کرنا۔

۵ـــہ حضرت نبی کریم صلعم مثیل موسیٰؑ تھے اس لیے حضورؐ (کی امت) کو بیت المقدس کا علاقہ ملنے والا تھا۔ یہاں مسلمانوں کو ہوشیار کیا ہے کہ یہود نے دو دفعہ سخت فساد کیا۔ اور دونوں دفعہ عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اس لیے تم وہ نہ کرنا جو انہوں نے کیا۔ قضینا الیٰ بنیٓ اسرآءیل میں بتایا کہ بنی اسرائیل کو وحی کے ذریعہ آنیوالی مصیبت کی خبر دیدی گئی تھی۔ فی الکتاب:۔ یہ خبر ان کی کتاب میں درج ہے (دیکھیں استثناء ۲۸/ ۱۵، ۳۶، ۴۹، ۵۶، ۶۳ اور ۶۴) پہلے خبر دینا اسی لیے ہوتا ہے کہ انسان کوشش کر کے بچ جائے۔ (۲) اس پر حجت پوری ہو

۶ـــہ ان عذابوں کا ذکر آیت لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (مائدہ ع۱۱) میں ہے۔ یہیں سے پتہ لگتا ہے کہ یہود پر ایک دفعہ داؤدؑ کے بعد اور دوسری دفعہ عیسیٰؑ کے بعد

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ○

پھر ہم نے تمہاری طرف (دشمن پر) دوبارہ حملہ کی طاقت کو لوٹا دیا اور ہم نے کئی قسم کے مالوں اور (نیز) بیٹوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی۔ اور ہم نے تمہیں جتھے کے لحاظ سے بھی (پہلے سے) زیادہ کر دیا۔ (۷)

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوْٓءُوْا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○

(اب) اگر تم نیکوکار بنو گے تو نیکوکار بن کر اپنی ہی جانوں کو ہی فائدہ پہنچاؤ گے اور اگر تم برا کرو گے تو (بھی) ان (ہی) کیلئے (برا کرو گے) پھر جب دوسری بار والا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آ گیا۔ تاکہ وہ (یعنی تمہارے دشمن) تمہارے معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں اور (اسی طرح) مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بالکل تباہ اور برباد کر دیں۔ (۸)

عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○

(اب بھی) کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم (پھر اپنے اسی رویہ کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (اپنی اسی سنت کی طرف) لوٹیں گے اور (یاد رکھو کہ) جہنم کو ہم نے کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ (۹)

عذاب مقدر تھا۔ یہ عذاب سبت کی بے حرمتی کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ حزقیل ۲۲/۸ اور ۲۳/۳۸ سے ظاہر ہے اور جس کی طرف سورۃ نحل کی آیت انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ میں اشارہ تھا۔ یہ قرآنی مضامین میں ترتیب کی زبردست شہادت ہے کہ سورۃ نحل جو نزول کے لحاظ سے بعد کی ہے مگر ترتیب کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے پہلے ہے اس کے مضامین کا جواب اور تکمیل سورۃ بنی اسرائیل میں ہے یہاں بنوکد نضر بادشاہ کے فلسطین پر حملے کا ذکر ہے جس میں اس نے صدقیا کو شکست دی تھی۔ (۲۔ سلاطین ۲۵)

ےہ یہ اس طرح ہوا کہ فارس کا بادشاہ بابل پر چڑھ آیا۔ بنی اسرائیل اس کے ساتھ مل گئے اور اس نے ان کو آزاد کر دیا (عذرا باب ۱/۲، ۳-۷-۸) حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی پہلی تباہی کے بعد دوبارہ بحالی کی خبر استثنا باب ۳۰/۱-۵ میں دی ہے۔

شہ یہاں یہود کے دوسرے فساد اور پھر اس کی سزا کا ذکر ہے ان کا فساد حضرت عیسیٰؑ کو دکھ دینا اور سزا رومیوں کے ہاتھوں سے تباہ ہونا تھا (دیکھیں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ جیو اور ہیمسورتھ ہسٹری آف دی ورلڈ) اس واقعہ کے متعلق موسیٰؑ کی پیشگوئی استثنا ۳۲/۱۸-۲۵ میں درج ہے یہ پیشگوئی استثنا ۳۰/۱-۵ کے بعد کی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس پہلے عذاب کے بعد ایک دوسرے عذاب کی خبر دی گئی تھی۔

فہ یہاں یہود کو یہ اشارہ ہے کہ جہاں تک بائیبل کی پیشگوئی کا تعلق ہے تم ہمیشہ کے لیے تباہ ہو چکے ہو اب صرف اسلام لانے کا راستہ کھلا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا لو ورنہ تباہی لازمی ہے۔ اس نئے راستہ کی خبر استثنا ۳۳/۱-۳ میں موجود ہے۔ اس آیت میں جہاں یہ بتایا ہے کہ یہود کی کتب کی رو سے بھی اس کا مستقبل تاریک ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ

یہ قرآن یقیناً اس (راہ) کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے اور مومنوں کو جو مناسب حال کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔ کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر (مقدر) ہے۔ (۱۰)

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ

اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے (۱۱)

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝

اور جس طرح انسان بھلائی کو اپنی طرف بلاتا ہے اسی طرح وہ برائی کو بھی اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور انسان بڑا جلدباز (واقع ہوا) ہے۔ (۱۲)

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشان بنائے ہیں۔ اس طرح پر کہ رات والے نشان کے اثر کو تو ہم نے مٹا دیا اور دن والے نشان کو ہم نے بینائی بخشنے والا بنا دیا۔ تاکہ تم (آسانی سے) سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہم نے ہر ایک چیز کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔ (۱۳)

وہاں مسلمانوں کے متعلق بھی اشارہ ہے کہ ان پر بھی دوبارہ خاص عذاب آئے گا۔ چنانچہ پہلی تباہی خلافتِ عباسیہ کے خاتمہ پر آئی جب مسلمانوں نے فرغانہ کی فتح کے بعد وہاں کی مشرک لڑکیوں سے شادیاں کیں جس کے نتیجے میں دینی غیرت کم ہو گئی۔ آخر ایک وحشی قوم نے حملہ کر دیا اور صرف بغداد کے گرد ۱۸ لاکھ مسلمان تہ تیغ کئے گئے۔ دوسری تباہی آخری زمانے کے لیے مقدر تھی جس کے آثار اب نمودار ہو رہے ہیں۔

۱۰-۱۱ ان آیات میں جہاں مومنوں کے لیے زیادہ انعام کا وعدہ ہے (کیونکہ قرآن اس مقصد کی طرف ہدایت کرتا ہے جو پہلے لوگوں کے مقاصد سے اعلیٰ ہے) وہاں ناشکروں کیلئے زیادہ عذاب کا وعدہ بھی ہے۔ یہاں آخرت کے معنے بعد میں آنیوالے کے ہیں نہ کہ یوم قیامت کے اور بتلایا ہے کہ جو قومیں اپنے انجام اور اصلاح سے غافل ہو جاتی ہیں وہ عذاب کی مستحق ہو جاتی ہیں۔

۱۲ یعنی جو خیر کو بلانے کا حق ہے اس طرح انسان شر کو بلاتا ہے یا یہ کہ جب وہ بظاہر خیر کو بلاتا ہے اصل میں شر کو بلا رہا ہوتا ہے جیسے بعض دفعہ لوگ دنیوی سامانوں کو سمیٹنے میں اسطرح لگ جاتے ہیں کہ آخرت کا یا انجام کا خیال نہیں رکھتے اور وہی خیر ان کیلئے موجب ہلاکت ہو جاتی ہے۔ دعا کی ضمیر خدا کیطرف بھی جا سکتی ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انسان شر کو اسی جوش سے بلاتا ہے جس جوش سے خدا تعالیٰ انکو خیر کی طرف بلاتا ہے بھولا میں تھا یا کہ انسان غور و فکر نہیں کرتا ورنہ اسے غلطی کا احساس ہو جائے۔

۱۳ فرمایا رات مٹا ہوا نشان ہے اور دن روشن نشان یعنی رات سے مخفی فائدہ پہنچتا ہے اور دن سے ظاہر۔ اس میں

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

اور (ہم نے ذمہ دار بنایا ہے) ہر انسان کو (اس طرح کہ) ہم نے اس کی گردن میں اس کے عمل کو باندھ دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس (کے اعمال) کی ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے رکھ دینگے۔ جسے وہ (بالکل) کھلی ہوئی پائیگا۔ (۱۴)

(اور اسے کہا جائیگا کہ) اپنی کتاب (آپ ہی) پڑھ۔ آج تیرا نفس ہی تیرا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ (۱۵)

(پس یاد رکھو کہ) جو ہدایت کو قبول کرے گا۔ تو اس کا ہدایت پانا اسی کی ذات کیلئے ہے اور جو (اسے رد کر کے) گمراہ ہوگا اس کا گمراہ ہونا اسی کے خلاف پڑے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اٹھائیگی اور (ہم کسی قوم پر) ہرگز عذاب نہیں بھیجتے جبتک (انکی طرف) کوئی رسول نہ بھیج لیں۔ (۱۶)

یہ اشارہ ہے کہ ایک مٹنے کا نشان ہوتا ہے اور ایک ترقی کا پس تم ترقی کے نشان طلب کرو۔ اور ترقی و تنزل دونوں کو روحانی کمال کے حصول کا ذریعہ بناؤ۔ اور کسی حالت میں خدا کو نہ بھولو۔

۱۴ طائر کے معنے عمل کے بھی ہیں (اقرب) فرمایا۔ دوسرے طائر تو اُڑ جاتے اور نظروں سے غائب بھی ہو جاتے ہیں مگر ایک طائر یعنی عمل گردن کے ساتھ بندھا ہوا ہے اس لیے خواہ یاد نہ بھی رہے وہ اپنا اثر ضرور چھوڑتا ہے۔ فرمایا من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (زلزال $\frac{99}{9}$) اس سے ظاہر ہے کہ گو توبہ کرنے والے کی توبہ تو ضرور قبول ہوتی ہے مگر وہ بے گناہ سے پیچھے بھی ضرور رہ جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا جائزہ اپنی گردن سے کرے۔ یعنی یہ دیکھے کہ اس کا دل اور اس کے ہم جلیس اسے کیا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے سامنے وہ گردن اونچی کر سکتا ہے یا نہیں۔ کتابا یلقٰہ منشورا کے الفاظ نے ظاہر کر دیا کہ یہاں طائر بمعنی عمل استعمال ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انسان کے اعمال کا نفع نقصان اسی کو پہنچتا ہے۔

۱۵ کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبا میں بتایا گیا ہے کہ جنت اور دوزخ اپنے ہی اعمال کی تمثیل ہوں گے۔

۱۶ ولا تزر وازرۃ وزر اُخرٰی میں بتلایا ہے کہ کوئی دوسرے کے اعمال کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ گویا اس میں کفارہ کا رد ہے۔ آیت وما کنا معذبین حتّٰی نبعث رسولا میں اسی سنّت اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ بغیر نبی بھیجکر ہوشیار کر لینے کے خدا کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا۔ خواہ وہ نبی پہلے نبی کا تابع ہی ہو۔ دیکھیں قصص $\frac{28}{47-48}$، زمر $\frac{39}{72}$ اور فاطر $\frac{35}{38}$۔ اگر کسی پر حجت تمام نہ ہوئی ہو تو

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں تو (پہلے) ہم اس کے خود سر لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں جس پر وہ اس (بستی) میں نافرمانی کی راہ (اختیار) کرتے ہیں تب اس (بستی) کے متعلق ہمارا کلام پورا ہو جاتا (۱۷) ہے۔ اور ہم اسے پوری طرح تباہ کر دیتے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝

اور (اسی قانون کے مطابق) ہم نے نوح (کی قوم کو اور اس) کے بعد (یکے بعد دیگرے اور) بہت سی نسلوں کو ہلاک کیا اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں پر (۱۸) (اچھی طرح) آگاہی رکھنے والا (ہے) اور انہیں خوب دیکھتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

جو شخص (صرف) دنیا کا خواہاں ہو ہم اسے (یعنی ایسے لوگوں میں سے جس کے متعلق ہم (کچھ دینے کا) ارادہ کر لیتے ہیں اس (دنیا) میں جو کچھ چاہتے ہیں جلد (ہی) دے دیتے ہیں۔ پھر ہم اس کے لیے جہنم کو مخصوص کر دیتے ہیں جس میں وہ مذموم ہو کر (اور) دھتکارا جا کر داخل (۱۹) ہوگا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

اور جس شخص نے آخرت کی خواہش کی اور اس کے لیے اس کے مطابق کوشش (بھی) کی تو (اس کے متعلق یاد رکھو کہ) ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی (۲۰) قدر کی جائے گی۔

اس کی طرف قیامت کو نبی بھیجا جائیگا۔ اور اقرار یا انکار کے مطابق فیصلہ ہوگا (روایت حضرت ابوہریرہؓ روح المعانی ۱۵)

۱۷؎ یہاں بھی تبلایا گیا ہے کہ جب قومیں خراب ہو جاتی ہیں۔ تو ان کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے مگر وہ بجائے فائدہ اٹھانے کے انکار کر دیتے ہیں اور موردِ عذاب ہو جاتے ہیں۔ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا امراء کو بدی کا حکم دیتا ہے کیونکہ خود حکم دیکر پھر اس کی سزا دینا خدا سے ممکن نہیں دوسرے اس طرح تو آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا نے ان کو بدی کا حکم دیا مگر وہ ایسے نیک تھے کہ انکار کر دیا ظاہر ہے کہ یہ معنے غلط ہیں مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے مگر وہ انکار کر دیتے ہیں۔ مترف کے معنے صرف امراکے نہیں بلکہ ہر ایسے شخص کے ہیں جو نیکی کو نہیں مانتا۔ قریۃ سے یہاں ام القریٰ مراد ہے کیونکہ آیت حتّٰی یبعث امھا رسولا کے مطابق عذاب سے پہلے ام القریٰ میں رسول بھیج دیا جاتا ہے۔

۱۸؎ یہاں تبلایا ہے کہ شروع زمانہ سے ہی ایسے لوگوں پر عذاب نازل ہوتا رہا ہے۔

۱۹؎ یہاں بتلایا ہے کہ صرف دنیوی ترقی پر مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بعض دفعہ خدا تعالیٰ دنیوی ترقیات دیتا ہے مگر جنہیں دیتا ہے ان پر خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بطور امتحان و ابتلاء کے ہوتی ہیں۔

۲۰؎ سعیھا میں بتلایا کہ وہی کوشش فائدہ بخش ہوگی جو آخروی کامیابی کے مناسب حال ہوگی۔ ھو مؤمن میں بتایا کہ آخروی کامیابی کے لیے ایمان کا ہونا بھی ضروری ہے جو آخروی جزا پر ایمان رکھے بغیر نیک کام کریگا

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ ۚ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○

ہم سب کو مدد دیتے ہیں۔ ان کو بھی اور اُن کو بھی (اور یہ مدد) تیرے رب کی عطاؤں میں سے ہے۔ اور تیرے رب کی عطا (کسی خاص گروہ کے لئے) محدود نہیں ہے۔ (۲۱)

دیکھ کس طرح ہم نے (دنیوی سامانوں کی رُو سے بھی) ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی (ہوئی) ہے۔ اور آخرت (کی زندگی) تو یقیناً (اور بھی) بڑے درجات والی اور زیادہ فضیلت والی (زندگی) ہوگی۔ (۲۲)

پس اللہ (تعالےٰ) کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنائیو ورنہ تو مذموم ہو کر (اور نصرتِ الٰہی) سے محروم ہو کر بیٹھ جائے گا۔ (۲۳)

ع ۲

تیرے رب نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (نیز اپنے) ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا ان دونوں پر جبکہ وہ تیرے پاس ہوں بڑھاپا آجائے تو انہیں (ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) اُف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے (شریفانہ طور پر) نرمی سے بات کر۔ (۲۴)

اسے دنیا میں تو اجر مل جائے گا مگر آخرت میں نہیں ملے گا۔

۲۱؎ یہاں وضاحت فرما دی کہ غیر مومن کے سب کام اکارت نہیں جائیں گے بلکہ عام کوششوں کا پھل سب کو ملتا ہے ہاں مذہب کے نتیجہ میں جو نصرت ہوتی ہے وہ صرف مومنوں کو ملتی ہے۔

۲۲؎ مندرجہ بالا کا ثبوت دیا کہ بعض غیر مومنوں کو ہم نے بڑی بڑی دینوی ترقیات دی ہیں جو ان کی کوشش قبول کرنے ہی کی وجہ سے ہے مگر آخرت کے انعام خاص طور پر نیکوں ہی کو ملیں گے اور وہی اصل انعام ہیں۔

۲۳؎ یہاں بتلایا ہے کہ نعماء آخرت کے لیے مومن ہونا اس لیے ضروری ہے کہ جو جس کے ساتھ وابستہ ہوگا اسی کے ساتھ جائے گا۔ مشرک بتوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہیں گے۔ مگر مومن خدا کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں گے۔

۲۴؎ یہاں نظام کو محفوظ رکھنے کے طریق بتلائے ہیں پہلا قیام توحید ہے کیونکہ سب گناہ شرک ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اس کے بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ مبدی پر دلالت کرتے ہیں اور والدین سے پیدائش بتلاتی ہے کہ ان سے پہلے کوئی اور تھا اور اس سے پہلے کوئی اور۔ اس سے وجود باری تعالیٰ پر شہادت ملتی ہے خدا پر احسان نہیں ہو سکتا اس لیے اس کے متعلق فرمایا کم از کم شرک نہ کرو۔ لیکن والدین کے حسن سلوک کا بدلہ دیا جا سکتا ہے اس لیے ان کے بارہ میں مثبت حکم دیا۔

عندک میں کفالت کی خصوصیت اس لیے فرمائی کہ ہروقت پاس رہنے سے اختلافات زیادہ ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًاؕ

اور دونوں پر رحم کرتے ہوئے ان کے لئے خاکساری کا بازو جھکا دے اور (ان کیلئے دعا کرتے وقت) کہا کر (کہ) اے میرے رب ان پر اسی طرح (مہربانی کر) کیونکہ انہوں نے میری بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔ (۲۵)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

تمہارا رب جو کچھ بھی) تمہارے دلوں میں ہو اسے (سب سے) بہتر جانتا ہے اگر تم نیک ہو گے تو (یاد رکھو کہ) وہ بار بار رجوع کرنے والوں کو بہت ہی بخشنے والا ہے۔ (۲۶)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝

اور قرابت والے کو اور مسکین کو اور (مسافر) راہرو کو اس کا حق دے اور اسراف کسی رنگ میں (بھی) نہ کر۔ (۲۷)

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝

اسراف کرنے والے لوگ یقیناً شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکر گذار ہے۔ (۲۸)

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝

اور اگر تو اپنے رب کی طرف سے کسی رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہو ان سے اعراض کرے (تو پھر بھی انہیں سختی سے رد نہ کر بلکہ) انہیں کوئی نرم بات کہدو۔ (۲۹)

کہ وہ پاس رہتے ہوں تو بھی کچھ نہ کہنا۔ آنحضرتؐ کے والدین تو بچپن میں فوت ہو چکے تھے اس لیے اس حکم سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مخاطب آپؐ ہوتے ہیں مگر حکم امت کیلئے ہوتا ہے۔ اسلام نے والدین کی خدمت کی خاص ہدایات دی ہیں۔

۲۵؎ یہاں یہ بتلایا ہے کہ انسان بالعموم وہ خدمت والدین کی نہیں کر سکتا جو انہوں نے کی ہوتی ہے اس لئے اُسے چاہیئے کہ کمی پورا کرنے کے لیے دعا کرتا رہے۔

۲۶؎ یعنی اگر نیت نیک ہوگی تو خدمت کی کمی خدا تعالےٰ پوری کردے گا۔

۲۷؎ یہاں حقوق العباد کی مزید تفصیل فرمائی کہ دراصل انسان کے مال پر دوسروں کا بھی کسی نہ کسی رنگ میں ضرور حق ہوتا ہے یہ نکتہ سمجھ لینے سے بہت سے فسادات مٹ جاتے ہیں۔ وَلَا تُبَذِّرْ:۔ تبذیر ناجائز خرچ کو کہتے ہیں۔ مگر دین کی کسی ضرورت کے لیے سارا مال دے دینا بھی ناجائز نہیں۔ یہ یاد رہے کہ گو دینی معاملات میں کنجوسی منع ہے مگر اسراف بھی جائز نہیں (فرقان ۶۸ ــ بنی اسرائیل ۳۰)

۲۸؎ مال کو بے محل خرچ کرنا اس لیے شیطانی فعل ہے کہ ایک تو اس طرح برمحل استعمال کے لیے روپیہ نہیں رہتا دوسرے برائی پھیلتی ہے۔

۲۹؎ فرمایا اگر تمہارے پاس کچھ نہ ہو اور تمہارا اعراض بخل کی بنا پر نہ ہو بلکہ اس لیے ہو کہ تم کشائش کے منتظر ہو یا تم سمجھو کہ ان کو دینا خود ان کے لیے مضر ہے تو نرمی سے سمجھا دو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

اور تُو نہ (تو بخل سے) اپنے ہاتھ کو باندھ کر اپنی گردن میں ڈال لے اور نہ (اسراف میں پڑ کر) اسے بالکل کھول دے ورنہ (تو) تو ملامت کا نشانہ بنکر (اور یا پھر) تھک کر بیٹھ جائے گا۔ (۳۰)

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ۝

تیرا رب یقیناً جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو کھیچ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ وہ یقیناً اپنے بندوں کے (حالات) کو جاننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ (۳۱)

ع ۳

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

اور تم مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو انہیں (بھی) ہم ہی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی (ہم ہی دیتے ہیں)، انہیں قتل کرنا یقیناً (بہت) بڑی خطا ہے۔ (۳۲)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

اور زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ۔ وہ یقیناً ایک کھلی بے حیائی اور بہت بُرا راستہ ہے۔ (۳۳)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

اور جس جان کو (مارنا) اللہ (تعالیٰ) نے حرام ٹھہرایا ہے اسے (شرعی) حق کے سوا قتل نہ کرو۔ اور جو شخص مظلوم مارا جائے اسکے وارث کو ہم نے (قصاص) کا اختیار دیا ہے پس (اس کے لیے

---

۳۰ یہاں میانہ روی کی تعلیم فرمائی ہے۔ محسور کے یہ معنے بھی ہیں۔ کہ تو اس حالت میں ہو جائے کہ گویا تیرے گھر میں جھاڑو پھر گیا ہے۔

۳۱ فرمایا کسی کو تنگی اور کسی کو فراخی اس لیے دی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ دیکھے کہ جو مالدار ہیں وہ غربا کی مدد کس طرح کرتے ہیں۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کو ایسے احکام دینا جو ترقی کے زمانہ کے متعلق ہیں اپنے ارادوں کو پورا کرنے پر قادر ہستی ہی کا کام ہے۔

۳۲ قتل سے مراد صحیح تربیت نہ کرنا یا کافی غذا نہ دینا ہے۔ (اس میں انسان کی صحت کا خیال بھی آجاتا ہے) یہاں یہ بھی بتلایا ہے کہ صرف اس ڈر سے کہ اولاد کھائے گی کہاں سے؟ برتھ کنٹرول جائز نہیں۔ یعنی اور وجہ سے مثلاً صحت کے لحاظ سے جائز ہے۔ بلکہ ماں کی جان کا خطرہ ہو تو بچہ کو ضائع کرنا بھی جائز ہے کیونکہ بچہ کی زندگی ابھی غیر یقینی ہے مگر ماں سوسائٹی کا مفید جزو ہے۔

۳۳ یہاں یہ بتلایا ہے کہ زنا کے مواقع ہی پیدا نہ ہونے دو کیونکہ اس سے بھی قتل اولاد ہوتا ہے کیونکہ تربیت نہیں ہو سکتی۔

وساء سبیلا میں بتایا کہ شادی کی صورت میں تو مرد و عورت کی صحت کا خیال رکھا جاتا ہے مگر شہوانی جذبات سے مغلوب ہونے کی صورت میں ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے خطرناک بیماریاں لگ جاتی ہیں۔

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ○

یہ بدلا ہے کہ) وہ (قاتل کو) قتل کرنے میں (ہماری مقرر کردہ) حد آگے نہ بڑھے (۳۴) (اگر وہ حد کے اندر رہیگا تو یقیناً (ہماری) مدد اس کے شامل حال ہوگی۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○

اور تم اس طریق کے سوا جو (یتیم کے حق میں) زیادہ اچھا ہو (کسی اور طور پر) یتیم کے مال کے پاس (تک بھی) نہ پھٹکو یہاں تک کہ وہ اپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور (اپنے) عہد کو پورا کرو (کیونکہ) ہر عہد کی نسبت (۳۵) یقیناً (ایک نہ ایک دن) باز پرس ہوگی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○

اور جب تم (کسی کو کچھ) ماپ کر دینے لگو تو ماپ پورا دیا کرو۔ اور (جب تول کر دو) تو سیدھے ترازو کے ساتھ تول کر دو یہ بات سب (۳۶) سے بہتر اور (انجام کے لحاظ سے سب سے اچھی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○ (۳۷)

اور (اے مخاطب) جس بات کا تجھے علم نہ ہو اس کی اتباع نہ کیا کر۔ (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔

۳۴؎ مخفی قتل کے متعلق احکام کے بعد اب ظاہری قتل کے متعلق احکام فرمائے ہیں اِلَّا بالحق چونکہ ہر سانس لینے والی چیز نفس کہلاتی ہے لیکن انسان کے سوا دوسری چیزوں کا قتل اپنی ذات میں حرام نہیں (گو بعض وجوہات سے حرام ہو جاتا ہے مثلاً کسی جانور ہو یا حرم میں ہو یا ذبح کے علاوہ کوئی اور طریق اختیار کیا جائے تو یہ جائز نہیں) اس لیے الا بالحق کہہ کر انسان سے اس حکم کو مخصوص کر دیا۔ دوسرے انسانوں میں سے ان کو اس حکم سے باہر نکال دیا جن کا مارنا بعض اسباب سے جائز ہوگا ——— لا یسرف یعنی اول قتل بغیر شرعی حق کے نہ ہو دوسرے شریعت کے مطابق ہو یہ نہیں کہ خود فیصلہ کرے اور خود ہی قتل کر دے۔ تیسرے تکلیف دہ طریق سے نہ ہو۔ چوتھے معافی کے وقت معاف کرنے سے ہاتھ نہ کھینچے۔

۳۵؎ العھد کے لیے دیکھیں سورۃ رعد نوٹ ۲۱؎ ——— قتل کے نتیجہ میں یتیم بھی ہوں گے اس لیے ان کے متعلق حکم دیا کہ ان کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس کے کہ بہتر سے بہتر نتائج پیدا کرنے کی غرض ہو یعنی ان کے اموال بڑھانے کی غرض ہو حتّٰی یبلغ اشدّہٗ۔ میں بتلایا کہ بلوغت سے قبل اس کی امداد نہ چھوڑو۔ اوفوا بالعھد۔ ذمہ داری کو پورا کرو۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان پر احسان نہیں تمہارا فرض ہے۔

۳۶؎ یعنی جس طرح ہمارا حکم ہے کہ یتیم کو اس کا مال دو اسی طرح یہ حکم بھی ہے کہ باہمی کاروبار میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو۔

۳۷؎ ولا تقف ما لیس لک بہ علمٌ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ نئے علوم نہ سیکھو بلکہ یہ ہے کہ بدظنی نہ کرو۔ نہ کان سے نہ آنکھ سے نہ دل سے کیونکہ صرف جان و مال کے معاملہ ہی ظلم پر گرفت نہ ہوگی بلکہ انسانی عزت پر حملہ کے متعلق بھی ہوگی۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝

اور زمین پر اکڑ کر مت چل۔ تو نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔ اور نہ پہاڑوں کی (۳۸) بلندی کو پا سکتا ہے۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

ان میں سے ہر ایک (فعل) کی بُری صورت تیرے رب (۳۹) کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

یہ (تعلیم) اس (علم اور) حکمت میں سے (ایک حصہ) ہے جو تیرے رب نے وحی کے ذریعہ سے تیری طرف بھیجی ہے۔ اور تو اللہ (تعالےٰ) کے ساتھ کوئی اور معبود مت بنا ورنہ تو ملامت (۴۰) کا نشانہ بن کر (اور) دھتکارا جا کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

کیا تمہارے رب نے تم کو لڑکوں (کی نعمت) سے مخصوص کر دیا اور (خود) اس نے بعض فرشتوں کو (اپنی) لڑکیاں (۴۱) بنایا ہے۔ تم یقیناً (یہ) بڑی (خطرناک) بات کہتے ہو۔

ع ۴

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ

اور ہم نے اس قرآن میں (ہر ایک بات کو) اس لیے بار بار بیان کیا ہے کہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں۔ اور (باوجود اس کے) وہ انہیں

کان، آنکھ کا ذکر اس ترتیب سے اس لئے کیا ہے کہ اکثر لوگ محض سنائی بات پر بدظنی کرنے لگتے ہیں۔ بدظنی کا دوسرا ذریعہ آنکھ ہے اور انتہائی درجہ یہ ہے کہ انسان محض اپنے دلی خیالات کی بنا پر کسی کے پیچھے پڑ جائے۔

۳۸ؔ پہلے ان اخلاق کا ذکر تھا جو خدا تعالےٰ یا بندوں سے متعلق تھے۔ اب ان کا بیان ہے جن کا تعلق انسان کی ذات سے ہے۔ فرمایا۔ تکبر نہ کرو آخر تم نے دنیا میں رہنا ہے اس طرح رہنا مشکل ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں تکبر کرنے سے تم جبال یعنی قوم کے سردار یا عالم نہیں بن سکتے۔ فضیلت تو انہیں چیزوں میں ہے اور یہ عاجزی سے ملتی ہیں۔

۳۹ؔ یعنی اوپر جو احکام بیان ہوئے ہیں ان کے بُرے اور اچھے دونوں پہلو ہیں اور کوئی فعل بھی ہر حالت میں بُرا نہیں ہو سکتا اس لیے یاد رکھو کہ ہم نے صرف بُرے پہلو سے منع کیا ہے۔

۴۰ؔ سورۂ نحل میں فرمایا تھا کہ حکمت آنیوالی ہے اب فرماتا ہے کہ اوپر حکمت کی چند باتیں بیان ہوئی ہیں وہ ایسی ہیں کہ بجز خدا تعالےٰ کے کوئی بیان نہیں کر سکتا اس لیے اس کے شریک نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ شرک سے (خواہ خفی ہو) انسان دونوں جہانوں میں جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ آخرت کا تو ظاہر ہے دنیا میں اس طرح کہ کئی معبود ہوں گے تو کس کس کو خوش کرے گا۔ دوسرے چونکہ شرک کی دلیل کوئی نہیں اسے موحدوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا۔

۴۱ؔ یہاں بتلایا ہے کہ جب انسان شرک کرتا ہے تو عقل ماری جاتی ہے اور ایسی لغو باتیں صادر ہوتی ہیں۔

إِلَّا نُفُوْرًا ۝

(۴۲) (عجب ہے) نفرت ہی میں بڑھا رہا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝

تو کہہ (کہ) اگر انکے قول کے مطابق اس کے ساتھ (کوئی) اور معبود (بھی) ہوتے تو اس صورت میں وہ (یعنی مشرکین ان معبودوں کی مدد سے) عرش والے (۴۳) (خدا) تک (پہنچنے کا) کوئی راستہ ضرور ڈھونڈ لیتے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

وہ اس بات سے جو وہ (یعنی مشرکین) کہتے ہیں۔ پاک (۴۴) اور بہت ہی بالا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۚ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں (بسنے والے) ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور جو بھی چیز ہے وہ اس کی تعریف کرتی ہوئی (اس کی) تسبیح کرتی ہے۔ لیکن (افسوس) تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ وہ یقیناً بردہ پوشی کرنے والا (اور بہت دہی) بخشنے (۴۵) والا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝

اور جب تو قرآن کو پڑھتا ہے تو (اس وقت) ہم تیرے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی (اور عام نظروں سے پوشیدہ) پردہ پیدا کر دیتے (۴۶) ہیں۔

۴۲؎ ولقد صرفنا یعنی ہم اعتراضات کو اچھی طرح رد کرتے اور ہر مضمون کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کسی طرح سے سمجھیں۔ گویا یہاں قرآن کریم میں تکرار مضامین کی وجہ بتلائی ہے۔

۴۳؎ یہاں یہ نکتہ بتلایا ہے کہ اگر شرک صحیح ہوتا تو کیا مشرک خدا رسیدہ نہ ہو جاتے (حالانکہ ان کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ہم حصول قرب الٰہی کے لیے بتوں کو پوجتے ہیں (زمر $\frac{۳}{۴}$) قرآن کریم میں قرب الٰہی کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان شدہ ہیں (۱) قبولیت دعا۔ فرماتا ہے واذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان (بقرہ $\frac{۳}{۱۸۷}$) (۲) سورۃ واقعہ $\frac{۵۶}{۲۶-۲۷}$ میں فرماتا ہے لا یسمعون فیہا لغوًا ولا تاثیمًا الا قیلًا سلٰمًا سلٰمًا یعنی قرب کا مقام وہ ہے جس میں لغو اور گناہ کی بات نہیں ہوتی، لوگ ایک دوسرے کے شر سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور ہر شخص دوسرے کی سلامتی تلاش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی اسے سلامتی ملتی ہے۔

۴۴؎ یعنی یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اپنا قرب کسی کی معرفت دے اور اپنے وصل کی راہ میں روکیں کھڑی کر دے۔

۴۵؎ یہاں یہ بتلایا ہے کہ تمام چیزوں کو اکٹھا دیکھا جائے پھر بھی اور فرداً فرداً دیکھا جائے پھر بھی وہ خدا کے واحد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۶؎ قومی غیرت محبت مال یا تکبر وغیرہ ایسے پردے ہوتے ہیں جن کو وہ خود بھی نہیں دیکھ سکتے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○

اور ہم ان کے دلوں پر (بھی) کئی پردے ڈال دیتے ہیں تا وہ اس (سچائی کے انکار کی حقیقت) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور جب تو قرآن میں اپنے رب کو جو ایک ہی ہے یاد کرتا ہے تو وہ نفرت سے (تیری طرف) اپنی پیٹھیں پھیر کر چلے جاتے (۴۷) ہیں۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○

(اور) جب وہ (بظاہر) تیری باتیں سن رہے ہوتے ہیں تو جس غرض سے وہ سن رہے ہوتے ہیں اس (کی حقیقت) کو ہم (سب سے) زیادہ جانتے ہیں اور (نیز اس کی حقیقت کو بھی) جب وہ باہم سرگوشی کر رہے ہوتے ہیں (اور) جب وہ ظالم (ایک دوسرے سے) کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تم ایک (۴۸) ...

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ○

دیکھ انہوں نے تیرے متعلق کس طرح باتیں بنائی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ گمراہ ہوگئے ہیں اور (اب) وہ (اس گناہ سے بچنے کی) کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ (۴۹)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ○

اور انہوں نے یہ (بھی) کہا ہے (کہ) کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے (تو ہمیں از سرِ نو زندہ کیا جائیگا اور) کیا واقعی (۵۰) ہمیں ایک نئی مخلوق کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ○ (۵۱)

تو (انہیں) کہہ (کہ) تم (خواہ) پتھر بن جاؤ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۚ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ

یا کوئی اور ایسی مخلوق جو تمہارے دلوں میں عظمت رکھتی ہو (تب بھی تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا) اس پر وہ ضرور کہیں گے (کہ) کون ہمیں دوبارہ (زندہ کر کے وجود میں) لائیگا تو (انہیں) کہہ (کہ) وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس پر وہ

---

۴۷ اگر یہ اعتراض ہو کہ جب خدا تعالیٰ نے خود ہی پردے ڈال دیئے ہیں تو وہ کیسے سمجھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وما یضل بہٖ الا الفٰسقین (بقرہ ۲/۲۷)۔

۴۸ یہاں کچھ مزید پردوں کا ذکر فرمایا ہے جو کفار کو ایمان لانے میں مانع ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ سُنتے ہی اعتراض کرنے کے لیے ہیں۔ دوسرے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق وہموں میں مبتلا ہیں کہ (نعوذ باللہ) مسحور یعنی دیوانہ یا دھوکہ خوردہ یا مسلول یا کسی لا علاج مرض میں مبتلا ہے۔

۴۹ یہاں مَثَل کی بجائے امثال کا لفظ اس لیے ہے کہ اوپر کی آیت میں مسحور کے سارے معنے ہی مراد تھے۔

۵۰ پیچھے کفار کو جہنم میں گرانے کا ذکر تھا یہاں اس کے متعلق ان کے شبہ کا ذکر فرمایا ہے۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ع ۵

لازماً تعجب سے تمہاری طرف (دیکھتے ہوئے) اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے (کہ) وہ (از سر نو زندہ کیا جانا) کب ہوگا (جب وہ ایسا کہیں تو) تو (انہیں) (۵۲) کہہ (کہ) بالکل ممکن ہے کہ وہ (وقت اب) قریب (آ) چکا ہو۔ (یہ وعدہ اس دن پورا ہوگا) جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کا حکم مانو گے (اور فوراً حاضر ہوگے) اور تم سمجھ رہے ہوگے کہ تم (دنیا میں) تھوڑا ہی ٹھہرے تھے۔ (۵۳)

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

اور تو میرے بندوں سے کہہ (کہ) وہ وہی بات کہا کریں جو (سب سے) زیادہ اچھی ہو۔ (کیونکہ) شیطان یقیناً ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا (کھلا) دشمن ہے۔ (۵۴)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝

تمہارا رب تمہیں (سب سے زیادہ) جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم کرے گا۔ اور اگر وہ چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا۔ اور (اے رسول) ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ (۵۵)

۵۱-۵۲ مندرجہ بالا اعتراضات کا جواب دیا ہے کہ تم کتنے ہی سخت دل ہو جاؤ ہمارے رسول کی ترقی ضرور ہوگی اور ایک حشر برپا ہوگا اور عسیٰ ان یکون قریبًا وہ حشر اسی دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ عنقریب برپا ہوگا (اور حشر بعد الموت کے لیے بطور دلیل ہوگا)۔

۵۳ اس بات نے ظاہر کر دیا کہ جس حشر کا یہاں ذکر ہے اسی دنیا میں ہوگا۔ فرمایا اس قریب کے حشر والے دن وہ یعنی محمد رسول اللہ صلعم ان کو بلائیگا تو وہ اس کی آواز پر مُردوں کی طرح چپ نہ رہیں گے جیسے اب رہتے ہیں نیز اسلام لانے کے بعد وہ سمجھیں گے کہ گویا اب پیدا ہوئے ہیں اور کفر کی ترقی کے زمانہ کو بہت مختصر سمجھنے لگیں گے۔

۵۴ فرمایا شیطان (یعنی دشمن) کی موجودگی میں اور بھی زیادہ محتاط ہونا اور اچھی باتیں کرنا چاہیئے۔ سورۃ نحل میں حکم تھا، کہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اس ترتیب سے شروع کیا اور قرآنی خوبیاں بیان کرکے فرمایا ذٰلک مما اوحی الیک ربک من الحکمۃ اس کے بعد لا تجعل مع اللہ الٰھا اٰخر سے شروع کیا اور الموعظۃ الحسنۃ والی شق کو پورا کیا۔ تیسری بات جادلھم بالتی ھی احسن تھی اس کا جواب اب قل لعبادی سے شروع فرمایا۔

۵۵ فرمایا دل کا حال صرف ہم جانتے ہیں اس لئے جزا سزا کا معاملہ ہم نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

اور جو (کوئی بھی) آسمانوں اور زمین میں (بسنے والے) ہیں انہیں تمہارا رب (سب سے) زیادہ جانتا ہے۔ اور ہم نے یقیناً انبیاء میں سے بعض کو بعض (دوسرے انبیاء) پر فضیلت دی ہے اور داؤد (۵۶) کو (بھی) ہم نے ایک زبور دی تھی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝

تو (انہیں) کہہ (کہ) اسکے سوا جن لوگوں کے متعلق تمہارا دعویٰ ہے (کہ وہ الوہیت رکھتے ہیں) انہیں (اپنی مدد کیلئے بھلا) پکارو (تو) پس (تمہیں معلوم ہو جائیگا (۵۷) کہ) نہ وہ (تمہاری کسی) تکلیف کو تم سے دور کرنیکا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (تمہاری حالت)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۗ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝

وہ لوگ جنہیں وہ پکارتے ہیں یعنی ان میں سے جو (خدا تعالیٰ) کے زیادہ قریب ہیں وہ (بھی) اپنے رب کا (مزید) قرب چاہتے ہیں۔ اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں تیرے رب کا عذاب یقیناً ایسا ہے جس سے (۵۸) خوف کیا جاتا ہے۔

وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

اور (روئے زمین پر) کوئی ایسی بستی نہیں (ہوگی) جسے ہم قیامت کے دن سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا اسے بہت سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات تقدیر (الٰہی) میں (پہلے سے) (۵۹) لکھی ہوئی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ أَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ إِلَّآ أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُوْنَ ۗ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۗ وَمَا نُرْسِلُ

اور پہلے لوگوں کی تکذیب کے سوا ہمیں نشانات کے بھیجنے سے کسی امر نے نہیں روکا (پس ہم نشان بھیجنے سے کس طرح رک سکتے تھے) اور جب ہم نے ثمود کو (صالح کی) اونٹنی ایک روشن نشان کے طور پر دی۔ تو انہوں نے اس پر ظلم (ہی) کیا اور ہم نشانوں کو (بد انجام سے)

۵۶؎ فرمایا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور ضرورت کے مطابق مناسب حال نبی بھیجتا ہے۔ داؤد علیہ السلام کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ ان کے زمانہ کے یہود کی طرح تم بھی ترقی ملنے پر خدا سے غافل ہو کر گمراہ نہ ہو جانا۔

۵۷؎ یعنی ہم نے جو حشر ارواح کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اگر تمہارے بتوں میں طاقت ہے تو اس کو روک لو۔

۵۸؎ اولٰٓئک کا اشارہ النبیین کی طرف ہے اور بتایا ہے کہ جب بڑے سے بڑا نبی بھی قرب الٰہی میں ترقی کی جستجو کر رہا ہے تو وہ تمہارے لئے زعیم کیسے بن سکتا ہے۔

۵۹؎ آیت ۵۷ کے تسلسل میں فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں شرک بہت پھیلے گا اس لیے ہم عالمگیر عذاب بھیجیں گے اور اس وقت ہمارے اس دعویٰ کی صداقت واضح ہو جائے گی کیونکہ یہ معبود لوگوں کے کام نہ آئیں گے۔

بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝

(۶۰) ڈرانے کے لیے ہی بھیجا کرتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝

اور جب ہم نے تجھے کہا تھا (کہ) تمہارا رب (مزور ساق لوگوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ) کر چکا ہے (تب انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا) اور جو رویا ہم نے تجھے دکھائی تھی اسے (بھی) اور اس درخت کو (بھی) جسے قرآن میں ملعون قرار دیا گیا ہے ہم نے لوگوں کے لیے صرف امتحان کا ذریعہ بنایا تھا اور (باوجود اس کے کہ) ہم نہیں ڈراتے چلے جاتے ہیں پھر (۶۱) (بھی) وہ (ہمارا ڈرانا) انہیں ایک بہت بڑی سرکشی میں ہی بڑھا رہا ہے۔

ع ۶

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ۝

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو کہا تھا (کہ) تم آدم کے ساتھ (ساتھ) سجدہ کرو تو انہوں نے (تو اس حکم کے مطابق) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس (نے نہ کیا) اس نے کہا (کہ) کیا میں اسکے ساتھ سجدہ کروں (۶۲) جسے تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ

اور (نیز) اس نے کہا کہ تو ہی مجھے (بتا کہ کیا) یہ (میرا مطاع ہو سکتا) ہے جسے تو نے مجھ پر شرف دے دیا ہے۔ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک

۶۰؎ نشان بھیجنے کے خلاف یہ دلیل ہو سکتی ہے کہ پہلوں نے کیا فائدہ اٹھایا جو آئندہ لوگ اٹھائیں گے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر یہ وجہ درست ہو تو ایک نبی کے بعد پھر سلسلہ بند ہو جاتا مگر خدا تعالےٰ نے ایسا نہیں کیا دوسرے ہم نے اوپر عذاب کی پیشگوئی کی ہے مگر اس سے قبل ہوشیار کرنا ضروری ہوتا ہے اسلیے بھی نبی کا بھیجنا ضروری ہے۔

۶۱؎ اس سورۃ کے شروع میں اسراء کا واقعہ بیان ہوا تھا اور کشفِ اسراء میں حضور صلعم نے سب نبیوں کو نماز پڑھائی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ سب انبیاء کی امتیں اسلام میں داخل ہوں گی۔ احاط بالناس میں اس مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ ہم نے جو اوپر کہا تھا۔ کہ ساری دنیا پر عذاب آئے گا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اسراء والے کشف کو پورا کیا جاوے اور اسلام کی ترقی کے سامان کیے جاویں وما جعلنا الرؤیا میں بتلایا کہ ہم اس بات کو واضح طور پر بھی بتلا سکتے تھے مگر رؤیا میں تمثیلاً اس لیے بیان کیا کہ امتحان ہو جاوے کہ کون ایمان بالغیب لاتا ہے۔ شجرہ ملعونہ سے مراد وہ شجرہ خبیثہ ہے جس کا ذکر سورۃ ابراہیم $\frac{۱۴}{۲۷}$ میں ہے خبیث وہ چیز ہوتی ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ ایسی چیز کے متعلق قرآن میں یذہب جفاءً کے الفاظ آئے ہیں اس لیے اسے ملعون بھی کہہ سکتے ہیں علاوہ ازیں شجرہ سے مراد سلسلہ نسب بھی ہوتا ہے۔ اس لئے شجرہ ملعونہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں جن پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (مائدہ $\frac{۵}{۱۴-۶۵-۷۹}$) ان کو ایک امتحان اس لیے قرار دیا کہ وہ بلاوجہ اسلام کی مخالفت کرتے رہیں گے۔ نیز اس وجہ سے کہ وہ اس عالمگیر عذاب کو لانے کا موجب بنیں گے۔

۶۲؎ اوپر یہود کی سرکشیوں کا ذکر تھا۔ اب آدمؑ کی مثال دے کر بتایا ہے کہ انبیاء کی مخالفت ہمیشہ سے ہوتی رہی ہے۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝

مہلت دی تو مجھے تیری ہی ذات کی قسم ہے کہ) میں اس کی (تمام) اولاد کو (۶۳) قابو میں کر لونگا سوائے تھوڑے سے لوگوں کے (جنہیں تو بچالے)

قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۝

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا چل (دور ہو) کیونکہ (تیری اور) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں تو جہنم یقیناً تمہاری (اور ان کی) سب کی جزا (۶۴) ہے (یہ) پورا پورا بدلہ ہے)

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝

اور (ہم نے کہا جا) ان میں سے جس پر تیرا بس چلے۔ اُسے اپنی آواز سے فریب دے کر (اپنی طرف) بلا۔ اور اپنے سواروں اور پیادوں کو ان پر چڑھا لا۔ اور (ان کے) مالوں اور اولادوں میں ان کا حصہ دار بن اور ان سے (جھوٹے) وعدے کر (اور پھر اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھ) اور شیطان جو وعدے بھی کرتا ہے۔ فریب کی نیت سے (۶۵) ہی کرتا ہے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝

جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا ہرگز کچھ تسلط نہیں (ہو سکتا) اور (اے میرے بندے) تیرا رب کارساز ہو کہ تیرے لئے کافی (۶۶) ہے۔

۶۳؎ إِلَّا قَلِيلًا یہ شیطان کا صرف دعویٰ ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ دنیا میں بدی زیادہ ہے اور اس کا دعویٰ پورا ہوا ہے۔ دنیا میں یقیناً نیکی زیادہ ہے۔ چھوٹی سی بدی کا مشہور ہونا بھی بتاتا ہے کہ انسانی فطرت میں نیکی ہے یہاں یوم القیٰمۃ سے مراد ہر انسان کا روحانی حشر ہے۔

۶۴؎ جَزَاءً مَّوْفُورًا کا یہ مطلب نہیں کہ سزا کم نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ہے کہ سزا ایسی چیز نہیں جس کے متعلق انسان یہ کہہ سکے کہ مجھے اور چاہیئے۔

۶۵؎ استفزز کے معنے اپنی جگہ سے ہٹانے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پہلے نیکی پر قائم ہوتا ہے۔ پھر شیطان اسے اصل مقام سے ہٹا دیتا ہے۔ بصوتک ۔ ۔ ۔ ۔ فی الاموال میں یہ اشارہ ہے کہ بعض طبائع صرف دھمکیوں سے ڈر جاتی ہیں۔ پھر بعض دکھ دینے سے قابو میں آجاتے ہیں اور بعض لالچ سے اور اس میں شیطانی حملوں کی اقسام بتلائی ہیں۔ شَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ میں بتایا کہ شیطانی لوگ انبیاء کے خلاف جتھے بناتے ہیں۔ اور اپنی سب طاقتوں کو جمع کر لیتے ہیں۔

۶۶؎ جب انسان کی روحانیت مضبوط ہو جائے۔ یعنی اس کا روحانی حشر ہو جائے اور وہ خدا کا بندہ بن جائے پھر شیطان کا اس پر زور نہیں چلتا۔ کیونکہ شیطان کو صرف یوم قیامت تک مہلت ہے یہاں شیطانی حملوں سے بچنے کا یہ گر بتایا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا عبد بن جائے۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○

(اور اے میرے بندو) تمہارا رب وہ (کریم ذات) ہے جو تمہارے لیے کشتیوں کو سمندر میں چلاتا ہے۔ تاکہ تم اس کے فضل کو ڈھونڈو۔ (۶۷) وہ یقیناً تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ○

اور جب سمندر میں (طغیانی پیدا ہونے کی وجہ سے) تمہیں تکلیف پہنچے تو اس کے سوا (دوسرے وجود) جن کو تم پکارتے ہو (تمہارے ذہنوں سے) غائب ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر لاتا ہے تو تم اس (۶۸) کی طرف سے اعراض کر لیتے ہو اور انسان بہت ہی ناشکر گذار ہے۔

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ○

تو کیا تم اس بات سے بیخوف (اور محفوظ) ہو کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارہ پر (ہی زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزے نازل کرے (اور) پھر تم (۶۹) اپنا کوئی کارساز (اور چارہ گر) نہ پاؤ۔

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ○

یا تم اس بات سے بیخوف ہو کہ وہ تمہیں (پھر) دوسری بار اس (یعنی سمندر) میں لوٹا لائے اور تم پر ایک تند ہوا چھوڑ دے اور تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے (اور) پھر اس (عذاب) پر تم ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار نہ پاؤ۔ اور ہم نے (۷۰) بنی آدم کو (بہت) شرف بخشا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○ ع

اور ان (کو اور ان کے سامانوں) کو خشکی اور تری میں اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے۔ اور جن (اقسام کی مخلوقات) کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے بہتوں پر ہم نے انہیں بڑی (۷۱) فضیلت دی ہے۔

---

۶۷ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو سمندروں پر بھی غلبہ ملیگا اور وہ دور دور کے سفر کریں گے۔

۶۸ اس میں بتایا کہ جب تکلیف پہنچے انسان نیکی کے دعوے کرتا ہے مگر اس کے دور ہونے پر بھول جاتا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

۶۹ فرماتا ہے تم خشکی میں دلیر ہو جاتے ہو حالانکہ خدا تعالےٰ وہاں بھی پکڑ سکتا ہے اس میں بدر کی پیشگوئی بھی ہے۔

۷۰ یہاں فتح مکہ کی پیشگوئی تھی۔ اس دن بہت لوگ کشتیوں میں یمن یا حبشہ بھاگ گئے تھے۔ اور ان میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھے۔ مگر ان کو جہاز نہ ملا ادھر ان کی اہلیہ نے حضرت نبی کریم صلعم سے معافی مانگ لی اور ان کو واپس لے آئیں۔

۷۱ اس میں بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے سب انسانوں کو عزت دی ہے نہ کہ خاص اقوام کو۔ پس قوموں کو ایک دوسرے پر تفاخر نہیں کرنا چاہیئے۔ فضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا کا یہ مطلب ہے کہ انسان بلحاظ جنس کے اکثر مخلوق پر افضل ہے اور بلحاظ کامل فرد ہونے کے سب مخلوق پر افضل ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

اور (اس دن کو بھی یاد کرو) جس دن ہم ہر ایک گروہ کو ان کے پیشوا سمیت بلائیں گے پھر جن کے دائیں ہاتھ میں ان (کے اعمال) کی کتاب دی جائے گی وہ (بڑے شوق سے) اپنی کتاب کو پڑھیں گے (۷۲) اور ان پر ذرہ بھر (بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

اور جو اس (دنیا) میں اندھا رہیگا۔ وہ آخرت میں (بھی) اندھا ہوگا، اور (اسی طرح وہ) اپنے (طور و) طریق میں سب سے (۷۳) بڑھ کر بھٹکا ہوا ہوگا۔

وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝

اور قریب تھا کہ وہ اس (کلام) کی وجہ سے جو ہم نے تجھ پر وحی سے نازل کیا ہے تجھے (سخت سے سخت) عذاب میں مبتلا کرتے تاکہ تو ان سے ڈر کر اس (کلام) کے سوا کچھ اور (اپنے پاس سے) گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرے اور (۷۴) (اگر تم ایسا کرتے تو) اس صورت میں وہ یقیناً تجھے (اپنا) گہرا دوست بنا لیتے۔

وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝

اور (تیرا تو یہ حال ہے کہ) اگر ہم تجھے (قرآن دیکر) ثبات نہ بخشتے (اور وحی (۷۵) بھی تجھ پر نازل نہ ہوتی تو تو اس صورت میں بھی اپنی فطرت کی پاکیزگی کی وجہ سے) قریب ہوتا کہ ان کی طرف کچھ (چھوٹی چھوٹی) باتوں میں جھک جاتا (مگر عملاً پھر بھی ان کے ساتھ شامل نہ ہوتا)۔

۷۲؎ امامھم سے مراد نبی ہے اور کتاب سے مراد اعمالنامہ ہے (الحاقہ $\frac{69}{2}$) یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں صحیح الدماغ لوگوں میں سے چار فیصد سے زیادہ بائیں ہاتھ سے کام نہیں کرتے وہاں پاگلوں میں یہ تعداد بہت بڑھ جاتی ہے جس سے ثابت ہے کہ قانونِ قدرت نے دائیں کو بائیں ہاتھ پر فضیلت دی ہے۔ دائیں ہاتھ میں طاقت بھی بائیں ہاتھ سے زیادہ ہوتی ہے پس دایاں ہاتھ قوتِ عملیہ پر دلالت کرتا ہے اسلام نے دائیں ہاتھ کو پاک کاموں اور بائیں کو نسبتاً ناپاک کاموں کے لیے چنا ہے اس لیے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دینے سے یہ اشارہ ہے کہ وہ پاکیزہ کام کرتے تھے نیز یہ کہ انہوں نے مضبوطی سے نیکی کو پکڑ رکھا تھا۔

۷۳؎ مراد یہ ہے کہ جس نے یہاں روحانی آنکھ سے کام نہ لیا اگلے جہان میں بھی دیدارِ الٰہی سے محروم رہے گا۔ دوسری جگہ فرمایا قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ فمن عمی فعلیہا (انعام $\frac{6}{105}$) نیز فرمایا والذین اذا ذکروا بایٰت ربھم لم یخروا علیہا صمًّا وعمیانا (فرقان $\frac{25}{74}$) اسی طرح طٰہٰ $\frac{20}{125}$ میں آیات سے منہ پھیرنے کو اندھا ہونا قرار دیا ہے۔

۷۴؎ (انفال $\frac{8}{31}$) سے ظاہر ہے کہ کفار کی کوشش حضرت نبی کریم صلعم کو قید کرنے، قتل کرنے اور ذلیل کرنے کی تھی مگر خدا تعالےٰ نے ہر ایک میں ناکام کیا۔

۷۵؎ یعنی نزولِ قرآن کے بعد تیرا ان کی طرف جھکنا تو ناممکن تھا ہی اس سے پہلے بھی تو فطرتی پاکیزگی کی وجہ سے ان کی مشرکانہ باتوں میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو سکتا تھا ہاں وحی نہ ہوتی تو بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں تیرا ان کی طرف

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

اور اگر (جیسا کہ ان کا خیال ہے تو ہم پر افترا باندھنے والا ہوتا) تو اس صورت میں ہم تجھے زندگی کا بڑا عذاب اور موت کا بڑا عذاب چکھاتے (اور) پھر تو ہمارے مقابل پر اپنا کوئی (بھی) مددگار نہ پاتا۔ (۷۶)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور وہ یقیناً تجھے اس ملک سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تجھے نکال ہی دیں گے۔ اور اس صورت میں وہ تیرے بعد (خود بھی) تھوڑا (عرصہ) ہی (یہاں) رہیں گے۔ (۷۷)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

(اور تجھ سے بھی) ان (گذشتہ انبیاء) کی طرح (سلوک ہوتا) جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے (رسول بنا کر) بھیجا تھا۔ اور تو ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا۔ (۷۸)

ع ۸

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝

تو سورج کے ڈھلنے (کے وقت) سے لیکر رات کے خوب تاریک ہو جانے (کے وقت) تک (کی مختلف گھڑیوں میں) نماز کو عمدگی سے ادا کیا کر اور صبح کے وقت (قرآن) کے پڑھنے کو بھی (لازم سمجھ) صبح کے وقت (قرآن) کا پڑھنا یقیناً (اللہ تعالیٰ کے حضور) (۷۹)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ

اور رات کو بھی تو اس (یعنی قرآن) کے ذریعہ سے کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کر۔ جو تجھ پر ایک زائد انعام ہے (اس طرح پر) بالکل

کسی قدر جھک جانا ممکن تھا۔ ثبّتنٰک کے معنی بذریعہ وحی ثابت قدم رکھنے کے ہیں جیسے فرمایا یثبت اللّٰہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ (ابراہیم ۱۴/۲۸) نیز فرمایا کذٰلک لنثبت بہ فؤادک (الفرقان ۲۵/۳۳)

۷۶؎ یعنی اگر تو ان کی طرف جھک جاتا تو اس سے ان کو تو کیا فائدہ ہونا تھا تو خود مستحق عذاب ہو جاتا (کیونکہ تیری فضیلت تو وحی پر عمل کرنے میں ہے)

۷۷-۷۸؎ یخرجوک کے معنے ذلیل کرکے نکالنے کے ہیں۔ یعنی اگر وہ ایسا کرتے تو خدا تعالےٰ اپنی سنت کے مطابق ان کو تباہ کر دیتا مگر چونکہ اس نے ان کو بچانا تھا اس لیے اس گناہ کا مرتکب نہ ہونے دیا۔

۷۹؎ مسلمانوں نے ہجرت کے بعد ایسے لوگوں میں جانا تھا جو عبادت گذار تھے۔ نیز فتوحات ملنے والی تھیں جن کے ملنے پر انسان عبادت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ نماز ہی نہ چھوڑ دینا۔ پھر پانچوں نمازوں کے اوقات بھی بتلا دیئے۔ کیونکہ دلوک کے معنے ہیں زوال، سورج زرد پڑ جائے۔ غروب شمس۔ اور غسق الیل سے مراد شروع رات ہوتی ہے۔ ان قراٰن الفجر کان مشہودا۔ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ صبح کی نماز خاص طور سے مقبول ہوتی ہے۔

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(۸۰) متوقع ہے۔ کہ تیرا رب تجھے حمد والے مقام پر کھڑا کر دے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝

اور کہہ (کہ) اے میرے رب مجھے ظاہراً و باطناً اچھے طور پر (یہی) داخل کر اور ظاہراً و باطناً اچھے طور پر (ہی اس سے) باہر لا۔ اور مجھے اپنے حضور سے کامل نصرت والا (۸۱) غلبہ عطا کر۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

اور (سب لوگوں سے) کہہ دے (کہ بس اب) حق آگیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے۔ اور باطل تو ہے ہی بھاگ (۸۲) جانے والا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

اور ہم قرآن میں سے آہستہ آہستہ وہ (تعلیم) اتار رہے ہیں جو مومنوں کے لئے (تو) شفاء اور رحمت (کا موجب) ہے اور جو ظالموں (۸۳) کو صرف خسارہ میں بڑھاتی ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا

اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ روگردان ہو جاتا ہے۔ اور اپنے پہلو کو (اس سے) دور کر لیتا ہے اور جب

۸۰؎ تہجد وہ نماز ہے جو نیند سے بیدار ہو کر پڑھی جائے۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا میں پیشگوئی فرمائی کہ دشمن تجھے گالیاں نکالتے ہیں مگر خدا تعالیٰ تجھ پر درود پڑھوائیگا۔ مقام محمود سے مقام شفاعت بھی مراد ہے اس سے خروجِ مہدی بھی مراد ہے۔ کیونکہ اس کے ظہور کا وقت وہی بیان ہوا ہے جو کفار کے کفر میں ترقی کرنے کا وقت ہے۔ ایسے وقت میں جب سب طرف سے اعتراضات ہو رہے ہوں ایک شخص کا کھڑا ہو کر لوگوں سے آنحضرت ؐ کی تعریف کروانا آپ کے مقامِ محمود ہی کا کرشمہ ہے۔

۸۱؎ فرمایا اسراء کی خبر کے ماتحت مکہ سے نکال کر تجھے (پہلے) مقامِ محمود یعنی مدینہ کی طرف لے جانیوالے ہیں اس کے لیے ابھی سے دعائیں شروع کر دے کہ میرا نکلنا بھی اچھا کرنا اور مدینہ میں جانا بھی۔ دخول مدینہ کا ذکر اخراج سے پہلے اس لیے کیا کہ غم سے پہلے خوشی کی خبر سے دل تسلّی پا جائے یہاں مکہ سے ہجرت اور پھر وہاں واپسی بھی مراد ہو سکتی ہے گویا ہجرت کی خبر سے بھی پہلے واپسی کی خبر دیدی۔ سلطٰنًا نصیرًا میں حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ ہے۔

۸۲؎ یہاں بتلایا کہ مدنی زندگی شروع ہوتے ہی اسلام ترقی کرتا جائے گا۔ اور کفر تدریجًا کمزور ہوتا جائے گا حتی کہ فتح مکہ والے دن اس کی طاقت بالکل ٹوٹ جائے گی (زھق کا لفظ تدریج پر دلالت کرتا ہے) فتح مکہ کے دن آنحضرت ؐ خانہ کعبہ کے بتوں پر ضرب لگاتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

۸۳؎ اس میں بتایا ہے کہ ایک ہی چیز مختلف نظروں سے دیکھی جاتی ہے جیسی کسی کی فطرت ہو ویسا ہی وہ دوسروں کو سمجھتا ہے اور کلام الٰہی کا اس پر ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔

مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ○ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ○

(۸۴) اسے تکلیف پہنچے تو وہ بہت ہی مایوس ہو جاتا ہے۔
تو (انہیں) کہہ (کہ ہم میں سے) ہر ایک (فریق) اپنے (اپنے) طریق پر عمل کر رہا ہے۔ پس (اپنے رب پر ہی فیصلہ چھوڑ دو۔ کیونکہ) تمہارا رب
(۸۵) اسے جو زیادہ صحیح راستہ پر ہے بہتر جانتا ہے (اسلیئے اس کا فیصلہ سچے کی سچائی)

ع ۹

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

اور وہ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں تو (انہیں) کہہ (کہ) روح میرے رب کے حکم سے (پیدا ہوئی) ہے اور تمہیں (اسکے متعلق) علم سے کم ہی (حصہ)
(۸۶) دیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○

اور اگر ہم چاہیں تو یقیناً جو (کلام الٰہی) ہم نے تجھ پر (وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے اسے (دنیا سے) اٹھا لیں۔ پھر تو اس امر
(۸۷) میں اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی کارساز نہیں پائیگا۔

۸۴ؔ یعنی طاقت کے زمانے میں کفار کسی بات کو نہیں سُنتے مگر جب ذرا تکلیف پہنچے تو فوراً ہتھیار ڈال دیتے ہیں اس کے برعکس مسلمانوں نے متواتر تیرہ سال مصائب سہے مگر اُف تک نہ کی۔

۸۵ؔ ہر شخص اپنے شاکلتہ یعنی طریق، مذہب، ضرورت، نیت اور صورت یعنی قابلیت کے مطابق عمل کرتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اس کا معاملہ بھی عمل اور نیت کے مطابق ہوتا ہے۔

۸۶ؔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ یہاں روح سے کلام الٰہی مراد لیتے تھے اور یہ معنے کرتے تھے۔ کہ تم پر کلام الٰہی اذن سے اس لیے نازل ہوتا ہے کہ تمہارا اپنا علم بہت کم اور ضرورت کے لیے ناکافی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روح کے معنے انسانی روح ہی کے لیے ہیں خلق دو طرح ہوتی ہے۔ (۱) ابتدائی خلق جو بغیر مادہ کے ہو۔ اس کا نام امر ہے (۲) بعد کی خلق جو پہلے سے پیدا کیئے ہوئے مادہ سے ہوتی ہے۔ اس کا نام خلق رکھا جاتا ہے یہاں "امر" کے متعلق جواب دیا ہے۔ اوپر کی آیات میں قرآنی فضیلت اور ضرورت کا بیان تھا۔ یہود کا عقیدہ تھا کہ ارواح سے تعلق پیدا کر کے غیب کے علوم دریافت کیے جا سکتے ہیں۔ جب قرآن نے غیب کی خبریں بتلائیں تو یہود نے لاجواب ہو کر کہا کہ روح کے متعلق سوال کرو اگر یہ جواب ملا کہ روح سے علوم غیب معلوم ہو سکتے ہیں تو ہم کہدیں گے پھر ہم قرآن کو کلام الٰہی کیوں مانیں۔ اور اگر یہ جواب ملا کہ روح میں ایسی طاقتیں نہیں ہیں تو جہالت ثابت ہو گی۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ کہدو کہ جو روح واصل باللہ ہوتی ہے اور بعض امور غیبیہ سے واقف کی جاتی ہے وہ من امر ربی ہے۔ مآ اُوتیتم من علمٍ الّا قلیلاً کہکر بتایا کہ جو تحقیق روح کی نشو و نما کیلئے انسان کرتے ہیں ان سے بہت ادنیٰ طاقت ملتی ہے۔ الروح سے مراد کامل روح ہے جو تمام روحانی صفات کی حامل ہو۔

۸۷ؔ فرمایا روح بغیر امر ربی کے ایسی ناقص چیز ہے کہ علوم غیبیہ معلوم کرنا تو بڑی بات ہے اگر ہم نے جو باتیں تبلائی ہیں

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ○

اپنے رب کی (خاص) رحمت کے سوا (کہ وہی اسے واپس لاسکتی ہے) مگر یہ قرآن ہٹ نہیں سکتا (کیونکہ) تجھ پر تیرے رب کا یقیناً (بہت) بڑا فضل ہے۔ (۸۸)

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ○

تو (اسے) کہہ (کہ) اگر تمام انسان (بھی) اور جن (بھی) اس کی نظیر لانے کیلئے جمع ہو جائیں۔ تو (پھر بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار (ہی کیوں نہ) بن جائیں۔ (۸۹)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ○

اور ہم نے اس قرآن میں یقیناً ہر ایک (ضروری) بات کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا ہے (پھر بھی) اکثر لوگوں نے (اس کے متعلق) کفر (کی راہ اختیار کرنے) کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا ہے۔ (۹۰)

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ○

اور انہوں نے (یہ بھی) کہا ہے (کہ) ہم ہرگز تیری (کوئی) بات نہیں مانیں گے جب تک (ایسا نہ ہو کہ) تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرے (۹۱)

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ○

یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور تو اس کے اندر خوب (کثرت سے) نہریں جاری کرے۔ (۹۲)

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ○

یا جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائے یا اللہ (تعالےٰ) اور فرشتوں کو (ہمارے) آمنے سامنے لا کھڑا کرے۔ (۹۳)

انہی کو مخفی کر دیں۔ تو یہ لوگ معلوم نہیں کر سکتے۔ مثلاً قرآنی معارف کو یہ لوگ معلوم نہیں کر سکتے۔ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (   ) اس آیت میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ ایک وقت قرآن کریم کے صرف الفاظ رہ جائیں گے حقیقت مٹ جائے گی۔

۸۸ے فرمایا جب قرآن معنوی طور پر دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ اسکے مطالب کو بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی شخص ظاہر نہیں کرسکیگا۔

۸۹ے فرمایا اگر ہمارے رسول نے ارواح ہی سے یہ علوم سیکھے ہیں تو تم بھی کوشش کر کے اس کی مثل بنا دو۔ مگر چونکہ تمہارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے ہم ابھی بتلا دیتے ہیں کہ تم ایسا کر نہیں سکو گے۔

۹۰ے فرمایا قرآن میں کئی علوم بیان ہوئے ہیں ان کو ان کے سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں تو مثل کیا بنائیں گے۔

۹۱تا۹۲ یہ سوال سوال کرنے والے کی حماقت کا آئینہ دار ہے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ارواح سے تعلق رکھنے والے جادو کے ذریعہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ؑ

یا تیرا سونے کا کوئی گھر ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ تو (اوپر جا کر) ہم پر کوئی کتاب (نہ) اتارے جسے ہم (خود) پڑھیں۔ تو (انہیں کہہ (کہ) میرا رب (ایسی بیہودہ باتوں کے اختیار کرنے سے) پاک ہے۔ میں (تو) صرف (۹۴) بشر رسول ہوں۔

ع ۱۰

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

اور ان لوگوں کو جو ان کے پاس ہدایت پہنچی ایمان لانے سے صرف اس بات نے روکا کہ انہوں نے (اپنے دلوں میں) کہا (کہ) کیا اللہ (تعالیٰ) نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجدیا ہے۔ (۹۵)

قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا ۝

تو (انہیں) کہہ (کہ) اگر زمین پر فرشتے (بستے) ہوتے جو زمین پر اطمینان سے چلتے پھرتے تو (اس صورت میں) ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو (ہی) رسول بنا کر (۹۶) اتارتے۔

قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ؕ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ۝

تو (انہیں) کہہ (کہ) میرے درمیان اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر اللہ ہی کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا (۹۷) (اور) دیکھنے والا ہے۔

۹۳۔۹۴ یعنی چشمے وغیرہ نہیں تو عذاب ہی لاؤ۔ ہمیں کچھ نہیں دیتے تو اپنے لیے ہی کچھ کر کے دکھاؤ۔ فرمایا قُلْ ۔۔۔۔ رسولًا ۔ کہدو جو مطالبات تم کرتے ہو یہ خلاف شانِ الٰہی ہیں اور میری رسالت کے بھی خلاف ہیں اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ مادی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے تھے کیونکہ یہ بات بشریت کے خلاف ہے نیز مسیحؑ کا مادی جسم سے آسمان پر نہ جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔

۹۵ فرمایا کفار اکثر اس وجہ سے انکار کر دیتے ہیں کہ وہ نبی کو اپنے جیسا انسان دیکھتے ہیں اور ان کے خیال میں (۱) یہ خدا تعالےٰ کی شان کے خلاف ہے کہ بشر کو رسول بنائے (۲) وہ اس میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کہ اپنے جیسے بشر کی اطاعت کریں (۳) ان کے نزدیک بشر اپنی ذات میں کامل ہے اسلئے کسی الہام کی ضرورت نہیں (۴) ان کے نزدیک رسول میں بشریت سے زیادہ طاقتوں کی ضرورت ہے۔

۹۶ فرشتوں کی طرف فرشتہ بھیجنے کی کیا ضرورت ہے مطلب یہ ہے کہ تم فرشتہ خصلت ہوتے تو تم پر بھی فرشتے اُترتے مگر تم شیطان بن گئے ہو پھر تم پر فرشتے کیسے اُتریں۔ اس میں اس کا بھی جواب ہے کہ رسول انسان سے بڑی طاقت والا چاہیئے۔ اور بتایا کہ وہ جن کی طرف آئے ضرور ہے کہ ان کا ہم جنس ہو تا نمونہ بن سکے۔

۹۷ فرمایا کہدو کہ تمہارا اصل اعتراض تو یہ ہے کہ یا انسان حقیر ہے اور الہام کے قابل نہیں یا ایسا بڑا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝

اور جسے اللہ (تعالیٰ) ہدایت دے وہی ہدایت پر ہوتا ہے اور جنہیں وہ گمراہ کرے تو تُو اس کے (یعنی اللہ کے) مقابل پر اس کا کوئی بھی مددگار نہیں پائے گا۔ اور قیامت کے دن ہم انہیں ان کے مقاصد کے مطابق اندھے اور گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں جمع کریں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب بھی وہ (ذرا) ٹھنڈی ہوگی تو ہم ان پر آگ (کا عذاب اور بھی) بڑھا دیں گے۔ (۹۸)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

یہ (آگ) ان ہی کے اعمال کی جزا ہوگی۔ کیونکہ انہوں نے ہمارے نشانوں کا انکار کیا اور کہا (کہ) کیا جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے (تو ہمیں از سرِ نو زندہ کیا جائیگا اور) کیا واقعی ہمیں ایک نئی مخلوق کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ (۹۹)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

کیا وہ (ابھی تک) سمجھ نہیں سکے۔ کہ وہ (ہستی) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اس بات پر (بھی) قادر ہے، کہ وہ ان جیسے (اور لوگ) پیدا کرے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ان کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی ہے۔ پھر (بھی) ان ظالموں نے کفر کی راہ اختیار کرنے کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا ہے۔ (۱۰۰)

کہ الہام سے تسلی ہے مگر تم میرے متعلق یہ دیکھ لو اور تسلی کر لو کہ مجھے خدا ہی نے بھیجا ہے یا نہیں۔ اگر اس نے بھیجا ہو تو ظاہر ہو جاویگا کہ تمہارے یہ دونوں وسوسے غلط ہیں۔

۹۸ؔ مومنوں کو تسلّی دی کہ کفار کی کج بحثی سے مایوس نہ ہونا جن میں صلاحیت ہے وہ ضرور حق قبول کر لیں گے اور دوسرے سزا پا جائیں گے علٰی وجوھھم میں بتایا کہ ان کے مقاصد کے مطابق ان سے معاملہ ہوگا (وجہ قصد اور نیت کو بھی کہتے ہیں) منہ کے بل دوڑنا عربی کا محاورہ بھی ہے۔ قرآن میں ہے مھطعین مقنعی رؤسھم (ابراہیم ۱۴/۴۴) اس میں گھبراہٹ کی کیفیت کا اظہار ہے۔ خَبَتْ سے یہ مراد نہیں کہ آگ بجھ جائیگی بلکہ یہ ہے کہ جب دیر تک مصیبت میں رہنے سے حس مٹ جائے گی تو پھر اسے تیز کر دیا جائے گا۔ (النساء ۴/۵۷)

۹۹ؔ فرمایا یہ عذاب کلامِ الٰہی سے انکار کے باعث ہوگا اور کلامِ الٰہی سے انکار مابعد الموت زندگی کے انکار کی وجہ سے ہے۔

۱۰۰ؔ فرمایا جیسے ہم نے یہ بتلایا ہے کہ مابعد الموت بھی ایک حیات ہوگی ویسے ہی یہ بھی بتلایا ہے۔ کہ تمہاری شان و شوکت مسلمانوں کے ہاتھ میں جانے والی ہے۔ جیسے بظاہر یہ ناممکن بات ہو جائے گی وہ بھی ہو جائے گی۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ ع

تو (انہیں) کہہ (کہ) اگر تم میرے رب کی رحمت کے (غیر متناہی) خزانوں کے (بھی) مالک ہوتے تو (بھی) تم (انکے) خرچ ہو جانے کے ڈر سے (انہیں) روک ہی رکھتے۔ اور انسان بڑا ہی کنجوس ہے۔ (۱۰۱)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو یقیناً ۹ روشن نشان دیئے تھے۔ چنانچہ تو بنی اسرائیل سے (ان حالات کو) پوچھ جب وہ ان (یعنی اہل مصر کی) طرف آیا تھا۔ تو فرعون نے اس سے کہا تھا (کہ) اے موسیٰ میں یقیناً تجھے فریب خوردہ سمجھتا ہوں۔ (۱۰۲)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝

اس نے کہا (کہ) تجھے یقیناً علم ہو چکا ہے کہ ان (نشانات) کو آسمانوں اور زمین کے رب نے ہی بصیرت بخشنے والا بنا کر اتارا ہے اور اے فرعون میں تیری نسبت یقین رکھتا ہوں کہ تو ہلاک ہو چکا ہے۔ (۱۰۳)

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝ۙ

اس پر اس نے ان (کی بنیادوں) کو اس ملک سے اکھاڑ دینے کا ارادہ کر لیا۔ تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔ (۱۰۴)

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور اس کے (ڈوب مرنے کے) بعد بنی اسرائیل کو ہم نے کہہ دیا (کہ)

---

۱۰۱ یہاں پھر قل الروح ــــ والے مضمون کی طرف رجوع کیا ہے۔ فرماتا ہے کہ ذاتی کسب سے جو باتیں معلوم ہوں وہ چونکہ ختم ہو جانے والی ہوتی ہیں۔ لوگ بتلانے میں کنجوسی کرتے ہیں پھر وہ ضروریاتِ زمانہ کو کیسے پورا کر سکتی ہیں۔ اس کے برعکس انبیاء روحانی خزانے لٹاتے پھرتے ہیں اور انہیں حکم ہوتا ہے۔ بَلِّغْ۔ بَلِّغْ۔

۱۰۲ اشارہ یہ ہے کہ جیسے موسیٰ کے زمانہ میں نشان دکھلائے گئے۔ مثیلِ موسیٰؑ کے زمانے میں بھی دکھلائے جائیں گے یہ ۹ نشان یہ تھے۔ عصاء (اعراف ۷/۱۰۸) ید بیضاء (اعراف ۷/۱۰۹) قحط (اعراف ۷/۱۳۱) پہلوٹھوں کی موت (اعراف ۷/۱۳۱) طوفان ٹڈی جوئیں یا کھٹمل مینڈکوں اور خون کا عذاب (اعراف ۷/۱۳۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہود پر ۹ قسم کے عذاب نازل ہوں گے۔ یا ۹ نشان ان کو دکھائے جائیں گے۔

۱۰۳ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جیسے تم نشان دیکھ کر بھی فریبی کہتے جاتے ہو ایسا ہی قبل ازیں فرعون نے موسےٰؑ سے کیا تھا مگر جیسے وہ ناکام رہا تم بھی رہو گے (مثبوراً کے معنے ناکام و نامراد رہنے کے بھی ہیں)

۱۰۴ جیسے فرعون نے ذلیل کر کے انہیں ملک سے نکالنا چاہا تھا مگر خود غرق ہوا۔ اہلِ کتاب نے بھی آنحضرتؐ کو سازش کر کے کسریٰ سے اٹھوانے بھیج دیا مگر آپ خدا کے فضل سے باعزت طور پر خیریت سے واپس آ گئے۔

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

تم اس (موعود) ملک میں رہا کرو (آرام سے) پھر جب پچھلی بار کا (۱۰۵) وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آئیگا، تو ہم تم (سب) کو جمع کرکے لے آئینگے۔

اور اس (قرآن) کو ہم نے حق (وحکمت) کے ساتھ ہی اتارا ہے اور حق (وحکمت) کے ساتھ ہی یہ اُترا ہے اور ہم نے تجھے صرف بشارت دینے (۱۰۶) والا اور (عذاب سے) آگاہ کرنیوالا بنا کر بھیجا ہے۔

اور (اسے) قرآن بنا کر (اتارا ہے) اس حال میں کہ ہم نے اسے (کئی) ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے تاکہ تو اُسے (سہولت اور) آہستگی کے ساتھ لوگوں (۱۰۷) کو پڑھکر سُنا سکے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے۔

تو (انہیں) کہہ (کہ) کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو

(رکوع ۱۲)

۱۰۵ اسکنوا الارض ۔ ارض میں ملک کنعان کی طرف اشارہ ہے۔ موسیٰؑ کو جو جگہ ملی وہ مصر کے قائم مقام تھی لیکن نبی کریمؐ کو عین وہ جگہ ملی جو آپ کا وطن تھا اور پھر دشمنوں کے ملک بھی ملے۔ فرمایا اب کنعان میں رہو مگر ایک زمانہ میں وہاں سے نکلو گے اور پھر واپس آؤ گے اس کے بعد دوسری دفعہ نکلو گے اور پھر اس وقت واپس آؤ گے جب تمہاری مثیل قوم (مسلمانوں) پر دوسرا عذاب آئے گا۔ یہود پہلی دفعہ بخت نصر کے وقت اور دوسری دفعہ مسیحؑ کے واقعہ صلیب کے بعد وہاں سے نکلے تھے۔ اس سورۃ کے شروع میں عذاب کے دو وعدے ہیں جن میں پراگندہ کرنے کا ذکر ہے اکٹھا کرنے کا نہیں۔ مگر اس آیت میں ذکر ہے کہ دوسرے وعدے کے وقت بنی اسرائیل کو پھر ارض مقدس میں اکٹھا کرکے لایا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا وعدہ کوئی اور ہے اور یہ کہ کوئی پہلا وعدہ بھی ہے قرآن میں اس کا ذکر اس طرح ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کو مثیل موسیٰ قرار دیا گیا اور سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کے یہود کے نقشِ قدم پر چلنے کی پیشگوئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں سے بھی دو عذابوں کے وعدے تھے پہلی دفعہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلی اور دوسری دفعہ اب اس زمانہ میں نکلی اور خدا تعالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ مسلمانوں کا دوسری دفعہ وہاں سے نکلنا یہود کے وہاں جانے کا باعث بن جائے گا۔ ایسا ہی ہُوا۔

۱۰۶ فرمایا یہ خبر ضرور پوری ہوگی۔ نیز فرمایا ہم نے قرآن کریم کو حق سے اتارا ہے اور وہ رسول کریم صلعم تک حق ہی سے اُترا ہے۔ یعنی شیطان نے کہیں رخنہ نہیں ڈالا۔

۱۰۷ فرمایا ہم نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس لیے اتارا کہ زمانہ نزول کی ضروریات کو پورا کیا جائے پھر اسے ایسی طرز پر جمع کریں گے کہ بعد میں آنیوالے فائدہ اٹھا سکیں جیسے فرمایا انّ علینا جمعہ وقرآنہ (القیامۃ ۷۵/۱۸)

اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝	اس (کے نزول) کے پہلے (الہامی صحیفوں یا فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے) علم دیا جا چکا ہے جب ان کے سامنے (اسے) پڑھا جاتا ہے تو وہ (اسے سنکر) کامل فرمانبرداری (۱۰۸) اختیار کرتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں۔
وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝	اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ہر ایک عیب سے) پاک ہے (اور یہ کہ) ہمارے رب کا وعدہ (۱۰۹) ضرور پورا ہو کر رہنے والا ہے۔
وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩	اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں اور وہ (یعنی قرآن) (۱۱۰) ان کی فروتنی کو (اور بھی) بڑھاتا ہے۔
قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝	تو (انہیں) کہہ (کہ) تم (خدا تعالیٰ کو) اللہ (کہکر) پکارو یا رحمٰن (کہکر) جو (نام لیکر) بھی تم (اُسے) پکارو (پکار سکتے ہو) کیونکہ تمام (بہتر سے) بہتر صفات اسی کی ہیں۔ اور تو اپنی دُعائیہ الفاظ اونچی آواز سے نہ کہا کر اور نہ انہیں (بہت) آہستہ کہا کر۔ اور اس کے درمیان (درمیان کی) (۱۱۱) راہ اختیار (کیا) کر۔
وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝	اور (سب دنیا کو سنا سنا کر) کہہ (کہ) کامل تعریف اللہ (تعالیٰ) کے لئے (ہی) مخصوص ہے جو نہ (تو) اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ (اس کے) عجز کی وجہ سے اس کا کوئی دوست (بنتا) ہے (بلکہ جو بھی اس کا دوست ہوتا ہے اس سے مدد لینے کیلئے ہوتا ہے) (۱۱۲) اور اس کی خوب (اچھی طرح) بڑائی بیان کر۔

السجدة

ع ۱۲

---

۱۰۸ ان الذین اوتوا العلم من قبلہ میں مسلمان مراد ہیں جنہیں اس آیت کے نزول سے قبل صداقت اسلام کا علم مل چکا تھا یخرون للاذقان میں خشوع خضوع کے اظہار کا اسلامی طریق بتلایا گیا ہے۔

۱۰۹ یہاں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس سے پہلے مومنوں کو ترقیات کے وعدے دیئے گئے ہیں اور اسراء کا ذکر بھی مسلمانوں کی ترقی کی پیشگوئی کے طور پر تھا۔

۱۱۰ یہاں بتلایا کہ ان کا سجدہ بناوٹی نہ ہوگا بلکہ خود بخود آنسو نکل رہے ہونگے نیز یہ کہ عبادت ان کو متکبر نہ بنائیگی بلکہ خشیت میں اور بڑھا دے گی۔

۱۱۱ یہاں بتلایا ہے کہ خدائی وعدوں کے پورا ہونے اور اپنی اصلاح کے لیے دعا کا طریق یہ ہے کہ کام کے مطابق اسم الٰہی یاد کر کے دعا مانگی جائے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کسی ایک نام کو اسم اعظم کہنا غلطی ہے نیز یہ کہ دعا نہ بہت اونچی آواز میں مانگنی چاہیے نہ بالکل منہ میں۔

۱۱۲ یہاں بتلایا کہ اسراء کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اور اس کا پورا ہونا خود ثابت کر دیگا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ جنہیں شریک بنایا جاتا ہے ان میں ایسی خبر دینے کی اور اسے پورا کرنے کی طاقت کب ہے ؛

رکوعاتھا ۱۲	سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ	اٰیاتھا ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

(۱) میں، اللہ تعالیٰ کا نام لیکر (شروع) کرتا ہوں، جو بیحد کرم کرنیوالا (اور) بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ کامل تعریف اللہ (تعالیٰ) کے لئے (ہی) ہے جس نے یہ کتاب اپنے (اس) بندہ پر اتاری ہے اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی (اور اس نے اسے)
(۲) اس حال میں (اتارا ہے) کہ وہ سچی ہے اور صحیح راہنمائی کرنے والی ہے۔ تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کی (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آنیوالے) ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے اور ایمان لانیوالوں کو جو نیک (اور مناسب حال) کام
(۳) کرتے ہیں بشارت دے کہ ان کیلئے (خدا تعالیٰ کی طرف سے) اچھا اجر (مقدر) ہے۔
(۴) وہ اس اجر کے (مقام) میں ہمیشہ رہیں گے۔
اور نیز اس نے اسلئے اسے اتارا ہے کہ تا وہ ان لوگوں کو آگاہ کرے جو کہتے ہیں
(۵) کہ، (اللہ تعالیٰ) نے (فلاں شخص کو) بیٹا بنا لیا ہے۔
انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تو علم (حاصل) نہیں اور نہ ان کے بڑوں کو (اس بارہ میں کوئی علم) تھا یہ بہت بڑی (خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ (بلکہ) وہ محض
(۶) جھوٹ بول رہے ہیں۔

نزول و ترتیب :- یہ سورۃ مکی ہے اور چوتھے یا پانچویں سال نبوت میں نازل ہوئی۔ بنی اسرائیل کے آخر میں بتایا تھا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں۔ اس سورۃ کے شروع میں اس قوم کی تباہی کی خبر دی جو خدا کا بیٹا قرار دے۔ سورۃ نحل میں یہود سے مقابلہ کا اور بنی اسرائیل میں ان کی شکست اور مسلمانوں کے غلبہ کا ذکر تھا۔ اور یہود کی دو بڑی نافرمانیوں اور دو دفعہ اپنے مقدس مقامات سے نکالے جانے کی پیشگوئی تھی۔ اس پر دو سوال پیدا ہوتے تھے (۱) جب یہود کی دوسری کڑی جس نے نافرمانیاں نہیں کیں موجود ہے تو کیوں گزشتہ پیشگوئیوں کے مطابق وہی ترقی نہ کریں گے۔ (۲) مسلمانوں کو جو یہود کے نقش پر چلنے سے روکا گیا تھا اس کے متعلق کیا ہونے والا ہے؟ ان سوالوں کا جواب اس سورۃ میں دیا گیا ہے۔

۲-۳ قَیِّمًا کے معنے داروغہ اور قیم الامر کے معنے متولی کے ہیں یعنی یہ کتاب پہلوں کے لئے اور آئندہ آنیوالوں کے لئے مربی ہے اجرًا حسنًا میں بتایا کہ یہ اجر نیک نتائج پیدا کرے گا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا میں بتایا کہ جب تک وہ مومن رہیں گے اجر منقطع نہیں ہوگا۔

۵-۶ قرآن کریم کا دوسرا کام ان لوگوں کو ڈرانا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ آیت ۳-۵ میں

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝

تو کیا اگر وہ اس عظیم الشان کلام پر ایمان نہ لائیں تو تُو ان کے پیچھے شدّتِ غم سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال (۷) دے گا۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝

جو کچھ (روئے) زمین پر (موجود) ہے اسے یقیناً ہم نے اس کی زینت (کا موجب) بنایا ہے تاکہ ہم ان کا امتحان لیں (کہ) ان میں سے (۸) سب سے اچھے کام کرنے والا کون ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

اور جو کچھ اس (زمین) پر (موجود) ہے اسے ہم یقیناً (ایک دن مٹا کر) (۹) ویران سطح بنا دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝

کیا تو سمجھتا ہے کہ کہف اور رقیم والے (لوگ) ہمارے نشانوں میں سے کوئی اچنبھا (نشان) تھے جن کی نظیر پھر کبھی نہ پائی (۱۰) جا سکتی ہو۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

جب (چند) نوجوان وسیع غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور

پہلے انذار پھر تبشیر اور پھر انذار کا ذکر اس لیے فرمایا کہ پہلے اسلام کے ابتدائی دشمنوں کو سزا ملنی تھی پھر مسلمانوں نے ترقی کرکے صدیوں حکومت کرنی تھی۔ پھر عیسائیوں نے ترقی کرنی اور تباہ ہونا تھا کَبُرَتْ كَلِمَةً میں بتایا کہ یہ عقیدہ نہایت گستاخی کا ہے اور اسے عقل انسانی بھی رد کرتی ہے۔ اِلَّا كَذِبًا میں بتایا کہ خود مسیح بھی اس قسم کی ابنیّت کے منکر ہیں۔ چنانچہ اناجیل سے بھی مسیح کے ابن اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا گو ان کے متعلق بیٹے کے الفاظ آتے ہیں۔ مگر وہ دوسروں کے متعلق بھی آئے ہیں (خروج ۲/۲۲)

۷ اس جگہ صرف عیسائیوں کا ذکر ہے۔ ان کی اس ۱۳۰۰ سال بعد آنے والی تباہی پر حضرت نبی کریم صلعم کا صدمہ محسوس کرنا انتہائی رحم دلی کا ثبوت ہے۔

۸ زِيْنَةً میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں کوئی نہ کوئی فائدہ ہے کوئی ایسی نہیں کہ دنیا کا حسن بڑھانے والی نہ ہو اور لغو ہو۔ فرمایا ہم دیکھتے ہیں کہ کون اس کو مفید طور پر استعمال کرکے اس کی غرض کو پورا کرتا ہے۔

۹ فرمایا ہماری غرض تو ان اشیاء کے پیدا کرنے سے دنیا کو زینت دینا تھی۔ جب وہ اپنی ایجادوں سے یہ مقصد پورا کرنے کی بجائے انہیں تباہی کا ذریعہ بنالیں گے تو ہم ان چیزوں کو مٹا دیں گے۔ آگے جو دو باغوں کی تمثیل بیان ہوئی ہے اس میں ایک تو صعیدًا ہی کا لفظ ہے مگر جُرُز کی جگہ زلقًا کا لفظ ہے اور یہ دونوں قریبًا ہم معنے ہیں پس اس میں اشارہ ہے کہ اس تمثیل میں مسیحی قوم بھی شامل ہے اور ان کے لگائے ہوئے باغ بھی تباہ کر دیئے جائیں گے۔

۱۰ فرمایا اصحاب کہف کوئی عجیب چیز نہ تھے بلکہ اور آیاتِ الٰہی کی طرح ایک آیت تھے۔

فَقَالُوا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝
(دعا کرتے ہوئے) انہوں نے کہا (کہ) اے ہمارے رب ہمیں اپنے حضور سے (خاص) رحمت عطا کر۔ اور ہمارے لیے ہمارے (اس) معاملہ میں (۱۱) درست روی کا سامان مہیا کر۔

فَضَرَبۡنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۝
جس پر ہم نے اس وسیع غار میں چند گنتی کے سالوں کے لیے (۱۲) انہیں (بیرونی حالات کے) سننے سے محروم کر دیا۔

ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ۝
پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ جتنی مدت وہ (وہاں) ٹھہرے (۱۳) رہے تھے اسے دونوں گروہوں میں سے زیادہ محفوظ رکھنے والا کونسا گروہ ہے۔

ع ۱۲/۱۳

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ‌ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ۝
ہم ان کی اہم خبر بالکل صحیح طور پر تیرے پاس بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر (حقیقی) ایمان لائے تھے اور (۱۴) انہیں ہم نے ہدایت میں (اور بھی) بڑھایا تھا۔

۱۱؎ رَشَدًا ۔ دینی و دنیوی امور کی ہدایت کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے آزادی اور کامیابی کا راستہ نکال۔

۱۲؎ مراد یہ ہے کہ انہیں کہف میں رکھ کر دنیا کے حالات سننے سے روک دیا۔

۱۳؎ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کی تحقیق کے مطابق اصحاب کہف ابتدائی زمانہ کے موحد رومی مسیحی تھے ان پر تین سو سال ظلم ہوتا رہا جس کی ابتدا مسیح کے ایک حواری کے زمانہ میں ہوئی۔ ایسیس کے زمانہ میں ظلم انتہا کو پہنچا اور گالیس کے زمانہ میں ان کو معاف کیا گیا۔ قسطنطین کے زمانہ میں ان کے مظالم قانونی طور پر روکے گئے۔ اور تھیوڈیس کے زمانہ میں ان کو عام ترقی حاصل ہوگئی۔ بَعَثۡنٰهُمۡ میں یہی اشارہ ہے۔ یہ واقعہ ایک جماعت سے نہیں بلکہ کئی جماعتوں سے مختلف زمانوں میں گزرا ہے۔ اسے ایک جماعت کا واقعہ اس لیے سمجھا گیا کہ جس کسی نے جس زمانہ کے لوگوں کا حال معلوم کر لیا۔ اس نے سمجھا کہ اصحاب کہف کا واقعہ بس اتنا ہی ہے کہف سے مراد (catacombs) یعنی زمین دوز تہ خانے ہیں۔ اور یہ قبروں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ ان میں اصحاب کہف کو بعض دفعہ سالوں چھپنا پڑا۔ کیونکہ ان میں سکولوں اور گرجوں کے نشان ملے ہیں۔ یہ تین منزلہ بھول بھلیوں کے طور پر بنے ہوئے تھے ان میں جو کتبے ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف میں شرک کا نام تک نہ تھا۔ اس زمانہ میں ان لوگوں نے قربانی کی شاندار مثال پیش کی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بتلایا ہے کہ اس واقعہ میں مسیحؑ کی بعثت ثانیہ کی خبر ہے اور مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے، کہ ایسے ہی حالات آئندہ ان کو بھی پیش آنے والے ہیں۔

۱۴؎ یہ جو فرمایا کہ ہم ان کی خبر صحیح طور پر بیان کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو قصے پہلے مشہور ہیں صحیح نہیں قرآنی واقعہ تو اس آیت سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے پہلا بیان مشہور واقعات کا خلاصہ تھا۔ فِتۡيَةٌ کے معنے سخی نوجوان یا شریف انسان کے ہیں اور یہاں یہ بتلایا ہے کہ شریف مسیحی جو دین میں پکے ہوتے تھے ایسا کیا کرتے تھے وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ان کی قربانیوں کی وجہ سے ہم نے ان کے ایمانوں کو بڑھا دیا تھا۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝

اور جب وہ (اپنے وطن سے نکلنے کے لئے) اُٹھے تو ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا۔ تب انہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا (کہ) ہمارا رب (وہ ہے جو) آسمانوں اور زمین کا (بھی) رب ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز (کبھی) نہیں پکاریں گے ورنہ ہم ایک حق سے دور بات کہنے والے ہوں گے۔ (۱۵)

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝

ان لوگوں نے یعنی ہماری قوم نے اس (معبود برحق) کو چھوڑ کر (اپنے لیے) اور (اور) معبود بنا لیے ہیں وہ ان کے ثبوت میں کیوں کوئی روشن دلیل نہیں لاتے۔ پھر (وہ کیوں نہیں سمجھتے کہ) جو شخص اللہ (تعالیٰ) پر جھوٹ باندھے اس سے بڑھ کر ظالم کون (ہو سکتا) ہے۔ (۱۶)

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

اور (اب اس وقت (جبکہ) تم نے ان سے اور (نیز) اللہ (تعالیٰ) کے سوا جس چیز کی (بھی) وہ پرستش کرتے ہیں اس سے کنارہ کشی کر لی ہے تو (اب) تم اس وسیع پہاڑی پناہ گاہ میں پناہ لو (ایسا کرو گے) تو تمہارا رب اپنی رحمت (کی کوئی راہ) تمہارے لیے کھول دے گا۔ اور تمہارے لیے تمہارے (اس) معاملہ میں کوئی سہولت کا سامان مہیا کر دیگا۔ (۱۷)

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

اور (اے مخاطب) تو سورج کو دیکھتا ہے کہ جب وہ چڑھتا ہے تو ان کی وسیع جائے پناہ سے دائیں طرف کو ہٹ کر گزرتا ہے۔ اور جب وہ ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کو ہٹ کر گزرتا ہے اور وہ اس الکہف کے اندر ایک فراخ جگہ میں (رہتے) ہیں یہ بات اللہ (تعالیٰ) کی نصرت) کے نشانوں میں سے (ایک نشان) ہے جسے اللہ (تعالیٰ) ہدایت کا) راستہ دکھائے وہی ہدایت پر ہوتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے اس کا تو کبھی کوئی دوست (اور) راہ نما نہیں پائے گا۔ (۱۸)

ع ۱۴

---

۱۵ جب خدا تعالیٰ نے چاہا تو ہر طرف کی مخالفت کے باوجود ان کو برداشت کا حوصلہ دیا۔

۱۶ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کی قوم بت پرست تھی نیز یہ کہ اصحاب کہف جو موحد تھے ایک مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور آپس میں ملتے رہتے تھے۔

۱۷ اذ اعتزلتموھم بتاتا ہے کہ ان کا بائیکاٹ ہو چکا تھا اور وہ قوم سے الگ اپنے جتھے میں رہتے تھے لفظ الکہف بتاتا ہے کہ انہوں نے کوئی خاص غار مقرر کر رکھی تھی کہ جب ظلم حد سے بڑھ جائے تو اس میں چلے جائیں۔

۱۸ اس آیت سے ظاہر ہے کہ یہ قوم اونچے شمالی علاقوں میں بستی تھی۔ فجوۃ کہکر بتایا کہ وہ ایک وسیع علاقہ تھا

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ○

اور (اے مخاطب) تو انہیں بیدار سمجھتا ہے حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم انہیں دائیں طرف (بھی) پھرائیں گے اور بائیں طرف (بھی)، اور ان کا کتا بھی ان کے ساتھ (ساتھ) صحن میں ہاتھ پھیلائے (موجود) رہے گا۔ اگر تو ان کے حالات سے آگاہ ہو جائے تو تو ان سے بھاگتے کے لیے پیٹھ پھیر لے اور ان کی وجہ سے رعب سے بھر جائے۔ (۱۹)

وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

اور اسی طرح ہم نے انہیں (بیکسی کی حالت سے) اٹھایا۔ اس پر وہ آپس میں (حیرت سے) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے (اور) ان میں سے ایک کہنے لگا (کہ) تم (یہاں) کتنی دیر ٹھہرے رہے ہو، (جو اس کے مخاطب تھے) انہوں نے کہا (کہ) ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں (تب) انہوں نے (یعنی دوسروں نے کہا (کہ) جو (عرصہ) تم (یہاں) ٹھہرے رہے ہو اسے تمہارا رب (ہی) بہتر جانتا ہے پس (اس بحث کو چھوڑو اور) یہ اپنے روپے دیکر اپنے میں سے کسی ایک کو اس شہر کی طرف بھیجو اور وہ (جا کر) دیکھے کہ اس (شہر) میں سے کس کا غلہ سب سے اچھا ہے پھر وہ اس کا غلہ

(قریباً ۷۰۰۸ میل تھا) ان کی جائے وقوع بتانے کے بعد ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ کہکر مسلمانوں کو ہوشیار کیا ہے کہ شمال میں ان کا کوئی دشمن ہے۔ مَن يهدِ اللّٰه فهو المهتد میں بتایا کہ اس خبر سے فائدہ وہی اٹھائے گا جو ہدایت پر ہوگا یعنی اس قوم سے دوستانہ سلوک کرنے والے ہلاک ہوں گے اور آپس میں اتفاق کرنے والے کامیاب۔ چنانچہ جب شاہ روم نے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت معاویہ نے اس کو کہدیا کہ حضرت علیؓ سے ہمارا اختلاف ذاتی معاملہ ہے۔ تم نے حملہ کی جراءت کی تو میں سب سے پہلے ان کی طرف سے لڑونگا۔ مگر افسوس کہ بعد کی اسلامی حکومتوں نے ایک دوسرے کے خلاف عیسائیوں سے صلح کی۔

ف۱۹ یہاں اصحاب کہف کی نزول قرآن کے وقت کی کیفیت بتلائی ہے۔ کہ تم سمجھتے ہو وہ بیدار ہیں مگر ایسا نہیں ان کی موجودہ حالت ایسی ہے گویا وہ سو رہے ہیں۔ نقلّبهم ذات اليمين وذات الشمال۔ ان آئندہ وہ بیدار ہوں گے۔ اور دنیا میں ہر طرف پھیل جائیں گے۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ ان کا تمرا بھی کچل لو۔ وَكلبهم...... بالوصيد سے مراد بازنطینی حکومت ہے۔ جو بحیرہ مارمورہ کے دونوں جانب یورپ کی حفاظت کر رہی تھی۔ اور نقشہ میں اس کی شکل کتے کی سی ہے۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ قوم کتوں سے محبت کرنے والی ہوگی۔ لو اطلعت عليهم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ نقلّبهم کے بعد کی حالت کے اثر کا بیان ہے۔ اس لیے اس میں پڑھنے والا مخاطب ہے۔

بِكُمْ اَحَدًا ۝
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ
اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ
تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝
وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ
لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ
بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا
عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ
بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي
اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ
مَّسْجِدًا ۝
سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ
كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ
سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ
كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

(۲۰) سب سے اچھا ہو) اس میں سے کچھ کھانے کا سامان لے آئے۔ اور وہ ہوشیاری سے (لوگوں کی) راز کی باتیں معلوم
(کیونکہ) اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو یقیناً تمہیں سنگسار کر دینگے
یا (جبراً) تمہیں واپس اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے! اور
(۲۱) اس صورت میں کبھی (بھی) کامیاب نہیں ہوگے۔
اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حالات) سے آگاہ کیا ہے، تا
انہیں معلوم ہو کہ اللہ (تعالیٰ) کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے اور
(یہ بھی) کہ اس (موعودہ) گھڑی (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں (اور
اسوقت کو بھی یاد کرو) جب وہ اپنے کام کے متعلق آپس میں گفتگو
کرنے لگے اور انہوں نے (ایک دوسرے سے) کہا (کہ) تم ان (کے رہنے کے مقام) پر
کوئی عمارت بناؤ ان کا رب ان (کے حال) کو سب سے بہتر جانتا تھا (آخر)
جنہوں نے اپنے قول میں غلبہ حاصل کر لیا انہوں نے کہا (کہ) ہم (تو) ان
(۲۲) (کے رہنے کے مقام پر) مسجد (ہی) بنائیں گے۔
وہ (لوگ جو حقیقتِ حال سے بیخبر ہیں ضرور) غیب کے متعلق نشانہ بازی
کرتے ہوئے (کبھی) کہیں گے (کہ وہ صرف) تین (آدمی) تھے جنکے ساتھ
چوتھا ان کا کتا تھا اور (کبھی) کہیں گے (کہ وہ) پانچ تھے جن کے ساتھ
چھٹا ان کا کتا تھا۔ اور (ان میں سے بعض یوں بھی) کہینگے (کہ وہ) سات تھے
اور انکے ساتھ آٹھواں انکا کتا تھا تو (انہیں) کہہ (کہ) انکی صحیح گنتی کو اللہ (تعالیٰ) ہی

۲۰؎ بعثنٰھم میں آئندہ زمانہ میں شمالی اقوام کی ترقی کا ذکر ہے اور مستقبل کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ خبر ضرور پوری ہوگی بعثنا یومًا او بعض یوم :۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ مراد غیر معین عرصہ ہے (طٰہٰ ۲۰ / ۱۰۳-۱۰۴) میں یہ عرصہ ہزار برس بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے دعویٰ کے پورے ہزار سال بعد عیسائیوں کے قدم ہندوستان میں جمے یعنی ۱۶۱۱/۱۶۱۲ میں اور یہیں سے ان کی ترقی شروع ہوئی۔ شاید کوئی کہے کہ ذکر رومیوں کا تھا انگریزوں کا ان سے کیا تعلق تو جواب یہ ہے کہ ان میں عیسائیت روم ہی سے پھیلی ہے اور شاخ کا کام جڑھ کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے۔ ولیتلطّف میں نرمی سے بات کرنے کی بھی ہدایت ہے آگے جو ان کے خرید طعام کا ذکر ہے اس میں ان کی تجارتی کوششوں کی طرف اشارہ ہے۔

۲۱؎ یعنی اگر تم نے اپنے مقصد کو ظاہر کر دیا (اور قدم جمانے سے قبل) راز افشا ہو گیا تو پھر کبھی کامیاب نہ ہوگے۔

۲۲؎ یہاں بتلایا کہ ہم نے عیسائیوں کو ترقی دیکر دکھا دیا کہ ہمارا وعدہ سچا تھا۔ اذ یتنازعون سے پھر اصحابِ کہف کی ابتدائی حالت کا ذکر فرمایا اور بتلایا ہے کہ یہ قوم اپنے مردوں کے نام پر عبادت گاہیں بناتے تھے۔

مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۬ فَلَا
تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۬ وَّلَا
تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا ۝
وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْىءٍ إِنِّي فَاعِلٌ
ذٰلِكَ غَدًا ۝
إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۬ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسٰٓى أَنْ
يَّهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هٰذَا
رَشَدًا ۝
وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝
قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ
غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ أَبْصِرْ
بِهٖ وَأَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ
دُونِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ
فِي حُكْمِهٖٓ أَحَدًا ۝

بہتر جانتا ہے (اور) تھوڑے لوگوں کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا
پس تو ان کے متعلق مضبوط بحث کے سوا کوئی بحث نہ کر۔ اور ان کے
(۲۳) بارے میں ان میں سے کسی سے حقیقتِ حال دریافت نہ کر۔

ع ۳ / ۱۵

اور تو کسی بات کے متعلق (دعویٰ سے) ہرگز نہ کہہ (کہ) میں کل یہ
(۲۴) (کام) ضرور کروں گا۔
سوائے اس (صورت) کے کہ اللہ (تعالیٰ) کسی امر کے متعلق ایسا کہنا) پسند کرے اور جب
(کسی وقت) تو بھول جائے تو (یاد آجانے پر) اپنے رب کو یاد (کیا) کر اور (لوگوں سے)
کہہ کہ (مجھے کامل) امید ہے کہ میرا رب مجھے اس (راستہ) پر چلائے گا جو ہدایت پانے کے
(۲۵) لحاظ سے اس (میرے موجودہ طریق) سے (بھی تکمیل کے) زیادہ قریب ہوگا۔
اور (یہ بھی کہتے ہیں کہ) وہ (اس) اپنی وسیع پہاڑی پناہ گاہ میں تین سو سال
(۲۶) تک رہے تھے اور (اس عرصہ پر) نو (سال) انہوں نے اور بڑھائے تھے۔
تو (انہیں) کہہ (کہ) جو (عرصہ) وہ ٹھہرے رہے تھے اسے اللہ (تعالیٰ)
بہتر جانتا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب (کا علم) اسی کیلئے (مسلّم) ہے
وہ خوب ہی دیکھنے والا اور خوب ہی سننے والا ہے ان (لوگوں) کا اس
کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہے اور وہ اپنے حکم (اور اپنے
(۲۷) فیصلوں) میں کسی کو (اپنا) شریک نہیں بناتا۔

۲۳ے قلیل کا لفظ نفی کے لیے بھی آتا ہے اس لیے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی تعداد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا چونکہ یہاں گنتی کا لفظ نہیں یہ مطلب ہے کہ صرف تھوڑے تاریخ دان اُن کی حقیقت کو جانتے ہیں کہ وہ ابتدائی مسیحی تھے۔

۲۴-۲۵ے یہاں اس قوم کے زمانہ ترقی کی خبر دی کہ یہ نہ کہنا کہ بس کل ہم ان کو تباہ کر دینگے سوائے اس کے کہ خدا تعالےٰ کہے (الا ان یشاء اللہ کا یہی مطلب ہے ورنہ یہاں انشاء اللہ کہنے کا کوئی مطلب نہیں) کیونکہ تم اپنی طاقت سے ان کا مقابلہ نہ کرسکو گے خدا تعالےٰ اپنی مشیت سے ان کے مقابلہ پر کسی کو کھڑا کر دیگا۔ واذکر ربک اذا نسیت میں بتلایا کہ کبھی جوش سے مقابلہ کا ارادہ کربھی لو تو خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کو یاد کرلینا کہ صرف الٰہی تدابیر کام آئیں گی۔ عسٰی ان یھدین ربی میں بتایا کہ تمہاری تدابیر جو کام سینکڑوں سالوں میں نہ کرسکیں خدائی تدبیر بہت جلد کرسکتی ہے۔ اس آیت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان کام کرنے کی بجائے فردا کی امیدوں پر آجائیں گے یعنی ان کی قوتِ عملیہ مفقود ہوجائے گی۔

۲۶ے مسیحؑ کے صلیب پانے کے زمانہ میں یہ مصائب شروع ہوئے اور ۳۰۹ء میں کانسٹنٹائن کے عیسائی ہوجانے پر ختم ہوئے اور یہ پورے ۳۰۹ سال بنتے ہیں یہاں یہ اشارہ ہے کہ لمبے زمانہ مصائب پر بھی حوصلہ نہ ہارنا چاہیے۔

۲۷ے عیسائیوں پر مختلف وقتوں اور مختلف علاقوں میں ظلم ہوا۔ ایک زمانہ میں روم میں زیادہ ظلم ہوا دوسرے

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝

اور تیرے رب کی کتاب میں سے جو (حصہ) تجھ پر وحی (کے ذریعہ نازل) ہوتا ہے اسے پڑھ (کر لوگوں کو سنا) اس کی باتوں کو کوئی بھی تبدیل کر سکنے والا نہیں ہے اور اسے چھوڑ کر تو کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائے گا۔ (۲۸)

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو اپنے رب کو اس کی خوشنودی چاہتے ہوئے صبح و شام پکارتے ہیں۔ اور ورلی زندگی کی زینت چاہتے ہوئے تیری آنکھیں ان سے آگے نہ بڑھیں۔ اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہو اور اس نے اپنی گری ہوئی خواہش کی پیروی اختیار کی ہو اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہو۔ اس کی فرمانبرداری مت کر۔ (۲۹)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ

اور (لوگوں کو) کہدے (کہ) یہ سچائی تیرے رب کی طرف سے (ہی نازل ہوئی) ہے۔ پس جو چاہے (اس پر) ایمان لائے اور جو چاہے (اس کا) انکار کر دے (مگر یہ یاد رکھے کہ) ہم نے ظالموں کیلئے یقیناً ایک آگ تیار کی ہے جس کی چار دیواری نے (اب بھی) انہیں گھیرا ہوا ہے، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائیگی، جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا (اور) چہروں کو جھلس دیگا۔

یں اسکندریہ میں زیادہ ہوا اس لیے کبھی وہ لمبے عرصہ کے لئے غاروں میں چھپنے پر مجبور ہوئے کبھی تھوڑے عرصہ کے لیے۔ لوگوں نے ان وقفوں کو مختلف اور مستقل وقفے سمجھ کر گننے لگ گئے ہیں جن کا یہاں رد ہے اصل وقفہ جو ساری قوم پر گزرا اسے صرف خدا تعالےٰ جانتا ہے۔

۲۸ؔ لا مبدّل لکلمٰتہٖ یعنی یہ باتیں بطور پیشگوئی ہیں۔ اور ان کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب کہف مہدیؑ کے مرید اور اس پر ایمان لانے والے ہیں مگر خود حضرت ابن عباسؓ نے ان کی ہڈیاں دیکھی تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ آئندہ کی پیشگوئی ہے اور اوپر کے واقعات صرف ماضی کا ایک واقعہ نہیں۔

۲۹ؔ یہاں مخاطب اس زمانہ کے مسلمان ہیں جن کے متعلق پیشگوئی ہے یا دوسرے قرآن پڑھنے والے ورنہ نبی کریمؐ جو خود نمازیں پڑھاتے تھے ان کو یہ حکم نہیں دیا جا سکتا۔ فرمایا مسیحی اقوام کی ترقی کے زمانہ میں ایک قوم اسلام پر قائم ہوگی۔ لاتعد عینٰك عنھم:۔ دنیا کے پیچھے پڑ کر ان کا ساتھ نہ چھوڑ بیٹھو۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تین باتیں اس زمانہ کے مسلمانوں کے مصائب کا موجب ہوں گی۔ عبادت سے غفلت، اموال سے محبت، عیاشی کا زور۔ اسلیئے ان سے بچنا چاہیئے۔

بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ
مُرْتَفَقًا ۝

وہ بہت بُری پینے کی چیز ہوگی۔ اور وہ (یعنی آگ) بُرا
(۳۰) ٹھکانا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ
عَمَلًا ۝

(اور) یقیناً جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) عمل
کئے ہیں (وہ بڑے اجر پائیں گے) جنہوں نے اچھے کام کیے ہوں ہم
(۳۱) ان کا اجر ہرگز ضائع نہیں کیا کرتے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ
سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ
فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ
الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

ان لوگوں کے لیے دائمی رہائش کے باغات (مقدر) ہیں (ان
میں) ان کے (اپنے انتظام کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان
کے لیے ان میں سونے کے کنگنوں کی قسم کے زیور بنوائے
جائیں گے۔ اور وہ باریک ریشم کے اور موٹے ریشم
کے سبز کپڑے پہنیں گے۔ ان (بہشتوں) میں آراستہ
پلنگوں پر تکیے لگائے (ہوئے بیٹھے) ہونگے یہ کیا ہی اچھا
(۳۲) اجر ہے اور وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا ہے۔

ع ۱۶

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ
جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ
اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ
وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝

اور تو ان کے سامنے ان دو شخصوں کی حالت بیان کر جن
میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور
انہیں ہم نے کھجوروں کے درختوں سے (ہر طرف سے) گھیر رکھا تھا۔
(۳۳) اور ہم نے ان کے درمیان کچھ کھیتی (بھی) پیدا کی تھی۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا

ان دونوں باغوں نے اپنا (اپنا) پھل (طرب) دیا اور اس میں

۳۰؎ قل الحق من ربھم۔ یعنی مسلمانوں کی ترقی اور ان کی تباہی کی خبر حق ہے۔ ومن شآء فلیؤمن۔
میں بتایا کہ تمہارا کام تبلیغ ہے زبردستی نہیں یعنی وہ زمانہ جہاد کا نہیں تبلیغ کا ہوگا۔ ناراً احاط بھم۔
میں بتایا کہ جنگ ان کو گھیرے لے گی۔ وان یستغیثوا یغاثوا بمآءٍ کالمھل (اور جس قدر امن، امن پکارینگے
اتنا ہی پگھلا ہوا لوہا اور تانبا ان پر ڈالا جائے گا۔ یعنی امن کی پکار تو ہوگی مگر نتیجہ بم ہی نکلیگا۔ "ارتفاق"
کے معنے دوستی کے بھی ہیں یعنی قومیں تلاش امن میں ایک دوسرے سے دوستیاں کرینگی مگر نتیجہ جنگ ہی نکلے گا۔
۳۱؎ یعنی باوجود اس کے کہ اس وقت مومنوں کو ظاہری شان وشوکت حاصل نہ ہوگی ان کے اعمال دنیا میں
امن کی صورت پیدا کرتے چلے جائیں گے اور ضائع نہیں ہوں گے۔
۳۲؎ دنیا کے لحاظ سے سونے کے کڑوں کے معنے بادشاہت ہوگی آخرت ہو تو وہاں کی ہر شے روحانی ہے
اس لیے مراد خاص قسم کا اعزاز ہوگا۔ ایسے ہی معنے ریشم کے ہوں گے۔ نعم الثواب وحسنت مرتفقا۔
یعنی یہ نعماء اور دوستیاں اچھے نتائج نکالیں گی۔

وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۙ	کچھ بھی، کم نہ کیا۔ اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری (۳۴) کی ہوئی تھی۔
وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا	اور اسے بہت پھل حاصل (ہوتا) تھا اسی وجہ سے اس نے اپنے ساتھی کو اس سے باتیں کرتے ہوئے (فخریہ طور پر) کہا کہ دیکھو (۳۵) تیری نسبت میرا مال زیادہ اور جتھا معزز ہے۔

۳۳-۳۴ الہامی کتب میں جہاں مثال ادبی نہ ہو اور اس میں باریک مضمون ہو علم تعبیر رؤیا سے مدد لینی چاہیئے۔ علم تعبیر کے مطابق باغ دیکھنے سے مراد بیوی، اولاد، مال، زندگی کے اچھے سامان، غم دور ہونا اور شاہی محل ہوتا ہے انگور خواب میں دیکھنا رزق حسن پر دلالت کرتا ہے اور ایسے دائم رزق پر جس کا ذخیرہ کیا جائے اور اس نفع پر جو عورتوں کے ذریعہ پہنچے۔ کھجور دیکھو تو اتنے ہی آدمیوں پر حکومت مراد ہوتی ہے۔ پھل سے مراد عزت کا سامان ہوتا ہے۔ بادشاہ کھیتی دیکھے تو وسعت حکومت مراد ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے عمل مراد ہوتا ہے۔ نہر سے مراد عالی شان انسان ہے اور کوئی دیکھے کہ اس کے گھر سے نہر نکلی ہے تو مراد ہوگی کہ وہ نیک تعلیم دیگا۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دو باغ دیئے تھے یعنی دو دفعہ ان پر ایسا زمانہ آنا تھا کہ ان کے مال و اولاد میں ترقی ہوگی۔ انہیں زندگی کے اچھے سامان اور بادشاہت نصیب ہوگی جس کی وجہ سے ان کے غم دور ہو جائیں گے۔ من اعناب کے معنے چونکہ دائم رہنے کے بھی ہیں اسلئے مطلب یہ ہے کہ ان کے مال و اولاد کی ترقی لمبی ہوگی۔ انگور کے باغ کا نخل سے احاطہ کرنے کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ قومی طاقت سے اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کرے گا۔ یہ جو کہا کہ باغوں نے پھل دینے میں کمی نہ کی۔ یہ عام قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں تمثیلی باغ مراد ہیں۔ یہاں دو باغوں کے لیے ضمیر مفرد استعمال کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ بظاہر دو باغ ہیں مگر اصل میں ایک ہی ہے۔ آیت ۲۹ میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے مقابلہ کا ذکر ہے۔ دو باغوں سے مراد مسیحی قوم کی دو ترقیاں ہیں۔ ایک اسلام سے پہلے کی اور ایک بعد کی ان کے درمیان نہر سے مراد اسلام ہے جس سے علم روحانیت پھیلا۔ اور جس نے ان دو باغوں کو جدا کر رکھا ہے۔

۳۵ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ۔ یعنی اس کی محنت کے بڑے بڑے نتائج پیدا ہو رہے تھے اس تمثیل میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے مقابلہ کا ذکر ہے خود حضرت مسیحؑ نے مسیحی قوم کو انگور کا باغ قرار دیا ہے (مرقس ۱۲/۱-۹) یہاں باغ سے عیسائیت اور انگوروں سے مال و دولت اور اولاد کی زیادتی مراد ہے اور کھجوروں سے مراد یہ ہے کہ مسیحیت اپنی ترقی کے زمانہ میں فوجوں پر انحصار رکھے گی۔ اور حفاظت کے زبردست سامان کرے گی۔ باغ کو ایک لحاظ سے ایک اور ایک لحاظ سے دو اس لیے قرار دیا کہ مسیحیوں کی ترقی کا ایک زمانہ قبل از اسلام تھا۔ اور ایک تین سو سال بعد شروع ہونا تھا۔ اور ان کے درمیان نہر یعنی اسلام کا زمانہ رکھا گیا تھا دوسری ترقی کے وقت باغوں کے مالک یعنی عیسائیوں

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ

اور (ایک دفعہ) وہ اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا (اور وہ اس طرح کہ) اس نے (اپنے ساتھی سے) کہا (کہ) میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی تباہ ہو۔ (۳۶)

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ (موعودہ) گھڑی (کبھی) آنیوالی ہے اور اگر (بالفرض) مجھے میرے رب کی طرف لوٹا (بھی) دیا جائے تو میں (وہاں بھی) یقیناً اس سے بہتر ٹھکانا پاؤں گا۔ (۳۷)

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝

اس کے ساتھی نے اس سے سوال (وجواب) کرتے ہوئے کہا (کہ) کیا تو نے اس (ہستی) کا انکار کر دیا ہے جس نے تجھے (اوّلاً) مٹی سے (اور) پھر نطفہ سے پیدا کیا (اور) پھر اس نے تجھے پورا آدمی بنایا۔ (۳۸)

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝

(تمہارا تو یہ حال ہے) لیکن میں (تو یہ کہتا ہوں کہ) حق تو یہ ہے۔ کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (ہی) میرا رب ہے اور میں کسی کو (بھی) اپنے رب کا شریک نہیں بناتا۔ (۳۹)

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝

اور جب تو اپنے باغ میں آیا تھا تو کیوں نہ تو نے کہا کہ وہی ہوگا (جو اللہ تعالیٰ) چاہے گا۔ (کیونکہ، اللہ تعالیٰ) ہی (کے فضل) سے ہر ایک قوت (حاصل ہوتی) ہے اگر تو مجھ (ناچیز) کو اپنی نسبت مال اور اولاد میں کم سمجھتا ہے تو بالکل ممکن ہے۔ (۴۰)

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا

کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے کوئی بہتر (باغ) دے دے۔ اور

کے لیڈروں نے مسلمانوں کو طعنے دینا شروع کرنا تھا۔

۳۶؎ ظالم لنفسہٖ۔ وہ سخت بے دین ہوں گے اور خیال کریں گے کہ ان کی حکومت کبھی تباہ نہ ہوگی۔ جنّتین کی جگہ جنّت اس لیے کہا کہ یہ دو باغ اصل میں ایک ہی ہیں۔ کیونکہ یہ ترقی اصل میں ایک ہی قوم کی ہے نیز اس لیے کہ مسیحیوں کو اصل ناز آخری زمانہ کی ترقیوں پر ہے۔

۳۷؎ یعنی ان میں سے بعض قیامت کے قائل ہی نہ ہوں گے بعض ہوں گے مگر کفارہ وغیرہ کی وجہ سے سمجھیں گے کہ اگلے جہان میں بھی انہیں نعماء ہی ملیں گی۔ موجودہ عیسائیوں کا یہی حال ہے۔

۳۸؎ یہ تمثیلاً مسلمانوں کی طرف سے جواب ہے کہ خدا نے تمہیں پیدا کیا اور ادنیٰ حالت سے ترقی دی مگر تمہاری حالت عملاً انکار الٰہی کے مترادف ہے وھو یحاورہ میں اشارہ ہے کہ ان دونوں قوموں میں مباحثات ہونگے۔

۳۹؎ یعنی تمہیں خدا نے دیا۔ پھر بھی تم نے شرک کیا۔ مگر مجھے دنیا کا مال نہیں دیا پھر بھی میں شرک نہیں کرتا اور میرا توکل اسی پر ہے۔

مِنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۴۱﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۲﴾

اس (تیرے باغ پر) اوپر سے کوئی آگ کا شعلہ گرائے جس کی وجہ سے (۴۱) وہ ایک صاف اور چٹیل میدان ہو جائے۔
یا اس کا پانی خشک ہو جائے (اور) پھر تو اس کی تلاش کی (بھی) طاقت (۴۲) نہ پائے (چنانچہ ایسا ہی ہُوا)

وَاُحِيطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يٰلَيْتَنِي لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيٓ اَحَدًا ﴿۴۳﴾

اور اس کے تمام پھلوں کو تباہ کر دیا گیا اور وہ (یعنی اس باغ کا مالک) اس حال کہ وہ (یعنی باغ) اپنی بہاڑیوں پر گرا ہوا تھا۔ اس (مال) پر جو اس نے اس (باغ کی ترقی) کے لیے خرچ کیا تھا اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔ اور (۴۳) کہنے لگا کہ ہائے کاش میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بناتا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُونَهٗ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۴﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۵﴾

اور (اس وقت) کوئی جماعت بھی اس کے ساتھ نہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ (۴۴) کو چھوڑ کر اسکی مدد کرتی۔ اور نہ وہ (اسکا کوئی) انتقام ہی لے سکا۔
اس موقع پر مدد (اللہ تعالیٰ) کی ہی (مفید) ہوتی ہے جو معبود حقیقی ہے اور (۴۵) وہ بدلہ دینے میں بھی، سب سے اچھا ہے اور (اچھا) انجام (پیدا کرنے) میں بھی سب سے اچھا ہے۔

ع ۵ / ۱۶

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ

اور تو ان کے سامنے اس ورلی زندگی کی حالت (بھی) کھول کر بیان کر (کہ وہ) اس پانی کی طرح (ہے) جسے ہم نے بادل سے برسایا۔ پھر اس میں زمین کی روئیدگی مل گئی پھر (آخر) وہ (بھوسے کا) چورا بن گئی۔ جسے ہوائیں اڑاتی (پھرتی) ہیں۔ اور (اللہ تعالیٰ) ہر بات پر

۴۱؎ یہاں بتلایا ہے کہ مسیحیوں کو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو طاقتور سمجھنے کی بجائے اپنی ترقی خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے۔ یرسل علیہما کی بجائے یرسل علیہا اس لیے کہا کہ عیسائیوں کا اصل فخر موجودہ زمانہ کے باغ پر ہے۔ فرمایا تم مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر اتراتے ہو حالانکہ وہ چاہے تو تمہارے باغ سے بہتر ان کو دیدے۔ زلقاً کے الفاظ سے جو شرع میں ابن اللہ بنانے والوں کیلئے آئے تھے ظاہر ہے کہ یہاں اسی قوم کی مثال بیان ہوئی ہے یرسل علیہا حسباناً من السماء۔ اس میں اشارہ ہے کہ زمینی تدابیر سے اس قوم کا مقابلہ نہ ہو سکے گا۔
۴۲؎ عام نہروں کا پانی باہر سے آتا ہے زمین میں غائب نہیں ہوتا۔ پس ان باغوں کا پانی الگ قسم کا تھا اور اس کے زمین میں غائب ہونے سے اس قوم کی اندرونی طاقتوں کی تباہی مراد ہے۔
۴۳؎ خاویۃ علیٰ عروشہا میں اشارہ ہے کہ انہیں بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا مرض ہوگا نیز یہ کہ ان پر ایسے عذاب آئیں گے کہ شہر تباہ ہو جائیں گے۔
۴۴؎ یعنی اس قوم کو مسیحؑ کی تائید پر بھروسہ ہوگا لیکن اس دن وہ بھی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔
۴۵؎ ان الفاظ سے کہ اس وقت حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے گی ظاہر ہو گیا کہ اس جگہ پیشگوئی کا ذکر ہے۔

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ (۴۶) خوب قدرت رکھنے والا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

مال اور بیٹے اس دنیلی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے نیک (اور مناسب حال) کام (ہی جو ان چیزوں سے لیے جائیں) تیرے رب کے نزدیک، بدلہ کے لحاظ سے (بھی) بہتر ہیں اور امید کے لحاظ (سے بھی) (۴۷)

يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝

اور اس دن بھی ان کے بہتر نتائج نمودار ہونگے، جس دن ہم ان پہاڑوں کو (اپنی اپنی جگہ سے) چلادینگے اور تو سب اہل زمین کو (ایک دوسرے کے مقابلہ میں) نکلتا ہوا دیکھے گا اور ہم ان سب کو اکٹھا کرینگے اور ان میں سے کسی کو بھی باقی (نہیں) چھوڑینگے۔ (۴۸)

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝

اور وہ صف باندھے ہوئے تیرے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ (اور ان سے کہا جائیگا کہ) تم (اب) یقیناً اسی طرح بحالت کمزوری ہمارے پاس آئے ہو جس طرح (کی حالت میں) ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا (اور تم یہ امید نہیں رکھتے تھے) بلکہ تمہیں دعویٰ تھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وعدہ کے پورا ہونے کی ساعت مقرر نہیں کرینگے۔ (۴۹)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (۵۰)

اور ان کے اعمال کی کتاب (ان کے سامنے) رکھدی جائے گی۔ پس اے مخاطب) تو ان مجرموں کو اس کی وجہ سے جو اس میں لکھا ہوگا ڈرتے دیکھیگا اور (اسوقت) وہ کہیں گے کہ اے (افسوس) ہماری تباہی (سامنے کھڑی ہے) اس کتاب کو کیا (ہوا) ہے (کہ) نہ کسی چھوٹی بات کو اس کا احاطہ کیے بغیر چھوڑتی ہے اور نہ کسی بڑی بات کو اور جو کچھ انہوں نے کیا (ہوا) ہوگا اسے (اپنے سامنے) حاضر پائینگے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

۴۶؎ دنیوی زندگی ابتداءً خوشنما ہوتی ہے مگر اس کا انجام بدنما ہوتا ہے اس کے برعکس دین کے لیے قربانی کرنے والوں کی ہمیشہ عزت ہوتی ہے۔

۴۷؎ یہاں بتلا دیا کہ نبات الارض سے کیا مراد تھی خیرٌ عند ربّك ثوابًا وخیرٌ املًا۔ اس میں یا ثوابًا دنیا کے اور املًا آخرت کے نتیجہ کے لیے ہے یا ثوابًا خود عمل کرنے والے کے لیے ہے اور املًا سے آئندہ نسل کیلئے بہترین امیدوں کا ہونا مراد ہے۔

۴۸؎ جبل کے معنے بڑے آدمی کے بھی ہوتے ہیں اور سیّر کے معنے چلانے کے۔ فرمایا یہ پیشگوئی اس دن پوری ہوگی جب جبال یعنی بڑے بڑے لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ پر نکل پڑیں گے اور ایسی جنگ ہوگی کہ گویا کوئی بھی نہ بچے گا۔

۴۹؎ یہاں باطنی صفیں باندھنا مراد ہے نہ کہ ظاہری۔ لقد ...... اوّل مرّۃ یعنی پھر تم ماتحت ہوگئے ہو اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ دوسری تمثیل پہلی کی شرح ہے۔ کیونکہ وہاں بھی ما اظنّ ان تبید هٰذہٖ ابدًا کہا گیا تھا۔

۵۰؎ فتری المجرمین مشفقین یعنی وہ ڈریں گے کہ جس تہذیب پر ہمیں ناز تھا تباہ ہونے کو ہے۔ یٰویلتنا ... الکتٰب

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو کہا تھا (کہ تم آدم کے ساتھ (ساتھ) سجدہ کرو۔ تو انہوں نے (تو اس حکم کے مطابق) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا۔ پھر اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی نسل کو (اپنے) دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کیلئے وہ (یعنی شیطان خداتعالیٰ کا) بدل ہونے کے لحاظ سے بہت ہی بُرا ہے۔ (۵۱)

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝

میں نے انہیں نہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش (کے موقعہ) پر حاضر کیا تھا۔ اور نہ (خود) ان کی (اپنی جانوں کی) پیدائش کے موقعہ پر اور نہ ہی میں گمراہ کرنیوالوں کو (اپنا) مددگار بنا سکتا تھا۔ (۵۲)

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝

اور (اس دن کو بھی یاد کرو) جس دن وہ (یعنی خدائے برتر مشرکوں کو) کہیگا (کہ اب تم میرے (ان) شریکوں کو بلاؤ جن کے (شریک ہونیکے) متعلق تم دعوی کرتے تھے جس پر وہ انہیں بلائیں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دینگے اور (انکے اور ان کے شریکوں کے) درمیان ہم ایک آڑ (حائل) کر دینگے۔ (۵۳)

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ع ۱۹

اور مجرم اس آگ کو دیکھیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور وہ اس سے (بچ کر) ہٹنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔ (۵۴)

جب سب غلطیوں کی سزا ملنے لگے گی انہیں محسوس ہوگا۔ کہ دنیا کا حاکم ایک خدا ہے جو بد اعمال کو بے نتیجہ نہیں چھوڑتا ولا یظلم ربک :- یہ اعمال کے مطابق جزا ہوگی نہ کہ ظلم۔

۵۱ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ پہلے آدم کا واقعہ گزر چکا ہے اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

۵۲ ما اشھدتھم میں ھم کی ضمیر شیطانوں کی طرف جاتی ہے اور اس میں بتایا ہے کہ شیطان کا پیدائشِ انسان میں دخل نہیں تھا اس لیے اسے دوست بنانا بے فائدہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ کا اس آیت میں ذکر ہے اس میں بعض لوگ اپنے زور سے نئی دنیا بسانے کے مدعی ہوں گے۔ اور بتایا ہے کہ جب پہلے کبھی شیطان اور اس کی ذریت کی مدد سے ایسا نہیں کیا جا سکا تو آئندہ کس طرح ممکن ہے۔ نیا نظام تو فرشتوں اور آدم کے ذریعہ سے بنایا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ بنایا جائے گا۔

۵۳ موبقًا کے معنے پردہ یا ہلاکت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان جنگوں میں وہ ایک دوسرے کا پورا بائیکاٹ کر دینگے یا یہ کہ ایک دوسرے کو ہلاک کر دینگے۔

۵۴ نار کے معنے جنگ کے بھی ہیں یعنی اس وقت جنگ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا مگر وہ اس سے بچنے کی کوئی کارگر صورت نہ پائیں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

اور ہم نے اس قرآن میں یقیناً ہر ایک (ضروری) بات کو مختلف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور (ایسا کیوں نہ کرتے کہ) انسان (۵۵) سب سے بڑھ کر بحث کرنے والا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

اور ان لوگوں کو جب ان کے پاس ہدایت آئی تو (اس پر) ایمان لانے اور اپنے رب سے بخشش چاہنے سے صرف اس بات نے روکا کہ پہلے لوگوں کی سی حالت ان پر (بھی) آئے۔ یا پھر عذاب (۵۶) ان کے سامنے آکھڑا ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

اور ہم رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور (عذاب کی آمد سے) آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا ہے۔ وہ جھوٹ کے ذریعہ سے اس لیے جھگڑتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حق کو مٹا دیں اور انہوں نے میرے نشانوں کو اور (میرے) (۵۷) انذار کو ہنسی کا نشانہ بنا لیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون (ہو سکتا) ہے جسے اس کے رب کے نشانوں کے ذریعہ سے سمجھایا گیا (لیکن) پھر (بھی) وہ ان سے روگردان ہو گیا۔ اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے (کما کر) آگے بھیجا تھا اسے اس نے بھلا دیا۔ ان (لوگوں) کے دلوں پر ہم نے یقیناً کئی پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی (پیدا کر دی) اور اگر تو انہیں (۵۸) ہدایت کی طرف بلائے تو وہ کبھی اس قدر ضد کرتے ہیں کہ اس صورت میں وہ ہدایت کو (بھی)

---

۵۵ اکثر شیء جدلا۔ یعنی (۱) سمجھانے کی ہر تدبیر کے نتیجہ میں جھگڑے کا پہلو پیدا کر لیا جاتا ہے (۲) انسان سب مخلوق کی نسبت زیادہ جھگڑتا ہے فرمایا ہم نے "للناس" یعنی سب انسانوں کے لیے مسائل کھول کر بیان کئے ہیں مگر "الانسان" یعنی مذکورہ بالا قسم کے لوگ اسے جھگڑے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

۵۶ یعنی قرآن میں ہدایت کا پورا سامان موجود ہے مگر یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ گویا یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم تو ضرور عذاب ہی لیں گے۔

۵۷ لیدحضوا بہ الحق۔ یعنی کفار باطل کو لیکر بحث کرتے ہیں تا کہ حق کو مٹا دیں یا باطل کر دیں۔ واتخذوا ...... ھزوا۔ یعنی ہم نشان دکھاتے ہیں مگر یہ فائدہ اٹھانے کی بجائے ہنسی اڑاتے ہیں آجکل اہل دنیا کا یہی حال ہے۔

۵۸ یہ دیکھنے کے باوجود کہ ان کی کوششیں تمام امن میں ناکام رہی ہیں پھر بھی وہ خدا کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس لیے ہم یہی کر سکتے ہیں کہ ان کو عقل سے محروم کر دیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا

اور تیرا رب بہت ہی بخشنے والا اور بہت ہی رحمت کرنیوالا ہے اگر وہ اس کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنی جانوں کیلئے) کمایا ہے انہیں ہلاک کرنا چاہتا تو وہ ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا (مگر وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کے لیے ایک میعاد (مقرر) ہے جس سے ورے (یعنی پیشتر اس کے کہ عذاب (۵۹) کو ٹھکتیں ہرگز کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا

اور وہ (گذشتہ نبیوں کے مخالفوں کی) بستیاں جو ہیں تو (انکا واقعہ یوں ہے کہ) ہم نے اسوقت انہیں ہلاک کیا جب انہوں نے ظلم کیا۔ اور انکی ہلاکت کیلئے (بھی) (۶۰) ہم نے ایک میعاد مقرر کر دی تھی (تا وہ چاہیں تو توبہ کر لیں)

ركوع

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا

اور تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (رفیق) سے کہا تھا کہ میں (جس راستے پر جا رہا ہوں اسپر قائم رہنے سے) نہیں ٹلونگا یہاں تک کہ ان (۶۱) دونوں سمندروں کے اکٹھے ہونیکے مقام پر پہنچ جاؤں یا صدیوں تک (آگے ہی آگے) چلتا (جاؤں)

---

۵۹ یعنی ان کے عملوں کی وجہ سے فوراً سزا دینے لگتا تو خدا تعالےٰ انہیں کبھی کا ہلاک کر چکا ہوتا۔ مگر وہ بغیر ہوشیار کئے کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اس لیے وہ پہلے مامورِ زمانہ کے ذریعہ ان پر حجت پوری کرے گا پھر پکڑیگا۔ لن یجدوا من دونہ موئلاً یعنی خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر انہیں کوئی جائے نجات نہیں ملے گی۔

۶۰ فرمایا پہلے بھی کئی بستیوں کی ہلاکت کی خبر ہم نے دی تھی جب انہوں نے انذار کی قدر نہ کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب پہلے انسان خدا تعالےٰ سے منہ پھیر کر ہلاک ہو گئے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ قوم نہ ہو۔

۶۱ اوپر تمثیلاً بتایا تھا کہ عیسائیوں کے دو ترقی کے دور ہوں گے اور درمیان میں اسلام کی ترقی کا ایک دور ہوگا اب ان دو دوروں کے درمیان موسیٰؑ کا واقعہ بیان کر کے بتا دیا کہ مثیل موسیٰ ان کے درمیان پیدا ہوگا۔ استثنا ۱۸/۱۸ کی پیشگوئی "کہ میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا" اور سورۃ مزمل آیت ۱۶ کے مطابق آنحضرتؐ ہی مثیل موسیٰ ہیں۔ یہ ایک کشفی واقعہ ہے کیونکہ (۱) بائبل میں اس سفر کا ذکر نہیں صرف مدین کی طرف سفر کرنے کا ذکر ہے۔ اس سفر میں موسیٰؑ اکیلے تھے مگر اس میں ایک ساتھی تھا (۲) موسیٰ کی چالیس روزہ غیر حاضری میں ان کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا اگر اتنے لمبے سفر کے عرصہ میں کچھ نہ کیا۔ (۳) یہ سنتِ انبیاء کے خلاف ہے کہ اپنی قوم سے لمبے عرصہ کے لیے جدا ہوں سوائے اس کے کہ تبلیغ کی غرض ہو۔ مگر موسیٰؑ کا یہ سفر تبلیغی نہیں تھا۔ یہاں جو لفظ کنز آتا ہے اس کی حضرت عباسؓ نے علم تعبیر کیا ہے اور تعبیر کشف ہی کی ہو سکتی ہے۔ (۴) خود واقعاتِ کشف اس کے کشف ہونے پر دلیل ہیں۔ کیونکہ ظاہر میں یہ باتیں ایسی نہیں کہ نبی ان کے سیکھنے کے لیے سفر کرے۔ (۵) یہ کشف نہ ہوتا تو حضرت نبی کریم صلعم اس کے متعلق یہ نہ فرماتے کہ کاش موسیٰؑ خاموش رہتے تاکہ خدا تعالیٰ ہمیں ان کی اور خبریں بھی بتلا دیتا (۶) ماوردی نے روایت کی ہے

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِهِمَا نَسِیَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَهٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ۝
پس جب وہ دونوں ان دونوں سمندروں کے، باہر ملنے کی جگہ پر پہنچے تو وہ اپنی مچھلی (وہاں) بھول گئے۔ جس پر اس نے تیزی سے بھاگتے ہوئے سمندر میں اپنی راہ لی۔ (۶۲)

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝
پھر جب وہ (اس جگہ سے) آگے نکل گئے تو اس نے اپنے نوجوان (رفیق) سے کہا (کہ) ہمارا صبح کا کھانا ہمیں دے ہمیں یقیناً اپنے اس سفر کی وجہ سے تکان ہو گئی ہے۔ (۶۳)

کہ جس کے پاس موسیٰ گئے تھے وہ فرشتہ تھا (ابن کثیر) اور یہ بصورت کشف ہی ممکن ہے۔ (۲) واقعہ کی اندرونی شہادت بھی بتاتی ہے کہ یہ کوئی ظاہری واقعہ نہیں روزن یا سوراخ کرنے سے کشتی بیکار ہوگئی تھی اور اسے غرق ہو جانا چاہیے تھا۔ اگر بیکار نہیں ہوئی تھی تو بادشاہ نے اسے کیوں نہ چھینا۔ دوسرا قتل نفس کا واقعہ ہے یہ بھی بغیر نفس جائز نہیں۔ تیسرے دیوار کا واقعہ ہے شہریوں کا کھانا نہ کھلانا ان کا قصور تھا نہ کہ دو یتیموں کا پھر ان کی دیوار بنانے پر موسیٰ اعتراض کیسے کر سکتے تھے۔

پس جس شخص سے حضرت موسیٰ سبق لینے گئے تھے۔ آنحضرت صلعم ہی تھے اور حضورؐ کی مندرجہ بالا خواہش کی بھی یہی وجہ تھی کہ حضورؐ کو معلوم ہو جانا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا واقعات پیش آنے والے ہیں جب موسیٰؑ کو ایسے بزرگ نبی کی بشارت دی گئی تو ان کو یہ دیکھنے کی خواہش ہوئی وہ کونسی تجلی ہوگی۔ جو اس پر نازل ہوگی اس لیے کہا رب ارنی انظر الیک (حالانکہ اس سے قبل تجلی دیکھ چکے تھے) مگر خدا نے فرمایا لن ترانی یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے دیکھنے کے لیے محمدی مقام درکار ہے چنانچہ موسیٰؑ اس کی جھلک پا کر ہی بے ہوش ہو گئے۔ لِفَتٰىهُ سے مراد عیسیٰؑ ہیں۔ اور موسیٰ سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ اس نوجوان کے ملنے سے ان کا سفر ختم نہیں ہوتا بلکہ مجمع البحرین پر یعنی رسول کریمؐ کے زمانہ پر جا کر ختم ہوگا۔ بحر کی تعبیر عادل اور شفیق بادشاہ جس کی دنیا محتاج ہو ہوتی ہے اس لیے مجمع البحرین سے مراد وہ زمانہ تھا جہاں موسیٰؑ کی نبوت ختم ہو کر حضرت نبی کریم صلعم کی نبوت شروع ہونی تھی۔

۶۲ے رؤیا میں حوت کا دیکھنا نیکوں کی عبادت کی جگہ اور مسجد پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مجمع البحرین کی علامت بیان فرمائی ہے کہ اس مقام پر ان کے ہاتھ سے نیکوں کی عبادتگاہیں اور مساجد نکل جائیں گی۔ حقیقت بھی یہی ہے نئے نبی کے آنے کے وقت، پہلے نبی کی قوم کی صلاحیت اور عبادت جاتی رہتی ہے۔ اور اس کی وارث نئے نبی کی قوم ہو جاتی ہے چنانچہ فتح ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے چہروں سے نظر آجائے گا۔ کہ ان کے سجدے قبول ہو گئے ہیں، جبکہ ان کے مخالفوں کی عبادات رد کر دی جائیں گی۔ نسیا حوتھما۔ کہہ کر بتایا کہ اس وقت صلاحیت صرف اس قوم میں باقی ہوگی جو موسیٰ اور عیسیٰ دونوں کی طرف منسوب ہوگی یعنی مسیحی قوم میں۔ مگر مجمع البحرین کا مقام آنے پر اس کی صلاحیت اور عبادت بھی جاتی رہے گی۔

۶۳ے مجمع البحرین کا ظاہری نشان نہ ملنا بتاتا ہے کہ موسوی سلسلہ محمدی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ جاوزا کہہ کر بتایا کہ مجمع البحرین پر پہنچ کر وہ یہ نہ سمجھیں گے کہ ان کا سفر ختم ہو گیا بلکہ آگے چلتے چلے جائیں گے پھر کچھ عرصہ بعد

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝

اس نے کہا (کہ، بتائیے (اب کیا ہوگا) جب ہم (آرام کے لئے) اس چٹان پر ٹھہرے تو میں مچھلی کا خیال) بھول گیا۔ اور مجھے یہ (بات) شیطان کے سوا کسی نے نہیں بھلائی اور اس نے سمندر میں عجیب طرح سے اپنی راہ (٦٤) لے لی۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝

اس نے کہا (کہ) یہی وہ (مقام) ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے (٦٥)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

تو انہوں نے ہمارے (برگزیدہ) بندوں میں سے ایک ایسا بندہ (دیکھا)، پایا جسے ہم نے اپنے حضور سے رحمت (کی سیرت) بخشی تھی اور اسے ہم نے اپنی جناب سے (خاص) علم (دینی) عطا کیا تھا۔ (٦٦)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

موسیٰ نے اس سے کہا (کہ) کیا میں (اس مقصد کے) لیے آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے اس میں سے کچھ (رشد کی باتیں) (٦٧) مجھے بھی سکھائیں۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝

اس نے کہا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں (٦٨) کر سکے گا۔

تھکان محسوس کریں گے (غذا طلب کرنے کی یہی تعبیر ہے) اور انہیں غلطی کا احساس ہوگا۔

٦٤ صخرۃ دیکھنے کی تعبیر فسق و فجور میں مبتلا ہونا ہوتی ہے یہاں بتلایا گیا ہے کہ جب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی مشترکہ قوم فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے گی وہی زمانہ مجمع البحرین کا یعنی موسوی نبوت کے اختتام اور محمدی نبوت کے ظہور کا ہوگا مگر مسیحیوں کا یہ احساس کہ محمد رسول اللہ صلعم کو پہچاننے سے شیطانی وساوس نے ان کو روکے رکھا لمبے عرصہ کے بعد تھک جانے پر ہوگا۔ اتخذ سبیلہٗ فی البحر عجبًا۔ یعنی وہ تعجب کریں گے کہ حوت ہمارے ہاتھ سے نکل کس طرح گئی۔ یعنی کس طرح عبادت کے ثمرات مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ مجمع البحرین کی علامت ظاہری مچھلی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ نظارہ کشفی تھا۔

٦٥ یعنی اس موقع پر انہیں احساس ہوگا کہ انہوں نے غلطی سے سفر جاری رکھا ہے اور مجمع البحرین پیچھے رہ گیا ہے۔

٦٦ یہاں آنحضرتؐ کی صفات بتلائی ہیں کہ (١) وہ عبد ہوگا اس کا ذکر ۱۵ میں بھی ہے (٢) رحمت ہوگا زمانا ہے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ۲۱/۱۰۸، (٣) اسے خاص علم دیا جائے گا دوسری جگہ فرمایا علمک مالم تکن تعلم۔

٦٧ اس میں بتایا کہ مقام موسوی مقام محمدی کے ماتحت ہے۔

٦٨ یہاں لن ترانی والا مضمون ہے اور بتایا ہے کہ محمدی کمالات کو موسوی کمالات نہیں پہنچ سکتے۔ اس میں یہ بھی

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝

اور جس بات کے علم کا تو نے احاطہ نہیں کیا۔ اس پر تو صبر کر (۶۹) (بھی) کیونکر سکتا ہے۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝

اس نے کہا (کہ) اگر اللہ (تعالیٰ) نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ (۷۰) اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

اس نے کہا (کہ) اچھا اگر تو میرے ساتھ چلے تو تو کسی چیز کے متعلق جب تک کہ میں اس کے متعلق تجھ سے ذکر کرنے میں پہل نہ کروں (۷۱) مجھ سے سوال مت کیجیو۔

ع ۹ ۲۱

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝

پھر وہ (دونوں وہاں سے) چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خدا کے برگزیدہ) نے اس میں شگاف کر دیا۔ اس نے کہا (کہ) کیا آپ نے اس لئے شگاف کیا ہے کہ (۷۲) آپ (اسکے اندر بیٹھکر جانے) والوں کو غرق کر دیں۔ آپ نے یقیناً (یہ) ایک ناپسندیدہ کام کیا

اشارہ ہے کہ قوم موسیٰ علمی آزمائشوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اس میں آنحضرتؐ اور حضرت موسیٰؑ کی طبائع کا بھی مقابلہ ہے موسیٰ جلد سوال کرنے لگ جاتے ہیں اور آنحضرتؐ خاموش رہتے ہیں۔ یہی فرق ان کی امتوں میں ہے بنی اسرائیل سوال پر سوال کرتے رہتے تھے۔ اور صحابہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی اعرابی آنحضرتؐ سے کوئی سوال کرے تو وہ بھی سُن لیں۔

۶۹ اس میں بتایا ہے کہ موسوی سلسلہ کے لوگوں کا محمدی علوم سمجھنا مشکل ہوگا۔ کیونکہ ان میں کئی نئی باتیں ہونگی۔

۷۰ یہ اس واقعہ کے خواب ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مستقل شرعی نبی کسی دوسرے کو یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ میں امور روحانیہ میں تیری اطاعت کروں گا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ موسیٰ کی قوم جو اس زمانہ میں ہوگی اس کے لئے بجز اطاعت رسول کریم صلعم کوئی چارہ نہ ہوگا۔

۷۱ حضرت موسیٰؑ سے کئی عہد لیے گئے پھر بھی وہ سوال کرتے گئے مگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ابتدا میں کوئی عہد نہ لیا گیا پھر بھی حضورؐ سوال سے رُکے رہے۔ یہی فرق ان کے مقام کا ہے۔

۷۲ یہاں سے موسیٰؑ کے اسراء کا واقعہ شروع ہوتا ہے اور امتِ محمدیہ اور امت موسویہ کے حالات کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ حضرت خلیفہ اولؓ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے اسراء میں سوال سے پرہیز کیا مگر موسیٰؑ نے بے صبری دکھائی اس واقعہ کے ذکر سے بتایا گیا ہے کہ مسلمان دین پر قائم رہیں گے مگر موسیٰؑ کی امت بے صبری کر کے دین کو چھوڑ دے گی۔ دونوں کے اسراء کے واقعات مشابہ ہیں صرف تمثیل کا فرق ہے کشتیوں پر سوار ہونے کی تعبیر یہ ہے کہ موسیٰؑ اور حضرت نبی کریم صلعم دونوں کی امتوں پر ایک وقت آئے گا۔ کہ مال بہت ملیگا۔ بنی اسرائیل ۱۷/۶۷ سے اس تعبیر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس میں بتلایا ہے کہ کشتیاں اس لیے چلائی گئی ہیں کہ تم خدا کا فضل یعنی مال حاصل کرو۔ خرق سفینہ سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی امت کی دنیا کو زکوٰۃ صدقات، ورثہ وغیرہ شرعی احکام سے چھید ڈالا یہ امر امتِ موسویہ

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ۝

اس (برگزیدۂ خدا) نے کہا (کہ) کیا میں نے (تجھے) کہا نہیں تھا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ (۷۳)

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِىۡ بِمَا نَسِيۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِىۡ مِنۡ اَمۡرِىۡ عُسۡرًا ۝ (۷۴)

اس نے کہا (کہ) اس دفعہ آپ مجھ پر گرفت نہ کریں کیونکہ میں (آپ کی ہدایت کو) بھول گیا تھا اور آپ میری (اس) بات کی وجہ سے مجھ پر سختی نہ کریں۔ (۷۴)

فَانۡطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔـا نُّكۡرًا ۝

پھر وہ (دونوں وہاں سے) چل پڑے یہاں تک کہ وہ جب ایک لڑکے کو ملے تو اس (خدا کے بندہ) نے اسے مار ڈالا (اس پر) اس نے (یعنی موسیٰ نے) کہا (کہ) کیا (یہ سچ نہیں کہ) آپ نے (دانستہ) ایک پاکباز (اور بےگناہ) شخص کو کسی (کے خون) کے عوض کے بدوں (ناحق ہی) مار ڈالا ہے؟ آپ نے یقیناً (یہ) بہت بڑا کام کیا ہے۔ (۷۵)

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ۝

اس (خدا کے پیارے) نے کہا (کہ) کیا میں نے تجھے کہا نہیں تھا (کہ) تو میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکے گا۔ (۷۶)

قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ۝

اس نے کہا (کہ) اگر اس کے بعد میں نے کسی بات کے متعلق آپ سے پوچھا تو (بےشک) آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔ (اس صورت میں) آپ یقیناً میری طرف سے معذور سمجھے جانے کی حد تک پہنچ چکے ہوں گے۔ (۷۷)

پر بہت گراں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح اسلام نے قوم کو غرق کرنے کی راہ کھولی ہے حضرت نبی کریم صلعم کو بھی اسراء میں ایک بڑھیا اور ایک پانی کا پیالہ دکھایا گیا جس کی تعبیر دنیا ہے مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کنارہ کشی کی اور جبرئیلؑ نے بتایا کہ اے محمدؐ اگر آپ پانی پی لیتے تو خود بھی ہلاک ہوتے اور آپؐ کی امت بھی۔ مگر موسیٰؑ کو (جس سے مراد ان کی قوم ہے) دیکھو کہ وہ کشتی کے چھیدنے کو بھی (جس کی تعبیر صدقات وغیرہ ہیں) تباہی کا موجب سمجھتے ہیں۔

۷۳ے یعنی میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میری اور تمہاری تعلیم میں اتنا فرق ہے کہ تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے

۷۴ے اس میں بتایا کہ شروع شروع میں یہود و نصاریٰ آنحضرتؐ سے صلح کر لیں گے مگر بعد میں اعتراضات شروع کر دیں گے اور آخر قطع تعلق ہو جائے گا۔ چنانچہ مدینہ میں اسی طرح ہوا۔

۷۵-۷۶ے آنحضرتؐ کے اسراء میں انطلقا کا لفظ بار بار آیا ہے اور موسےؑ کے واقعہ میں بھی یہ لفظ بار بار آیا ہے۔ اس لیے یہ اسراء روحانی تھا۔ رؤیا میں غلام دیکھنے کی تعبیر قوت نشاط اور جہالت کے ہیں اور اسے مارنے پر اعتراض کے یہ معنے ہیں کہ نصاریٰ اسلام پر اعتراض کریں گے کہ وہ جوانی کا لطف لینے نہیں دیتا اور لہو و لعب اور شراب سے روکتا ہے یہی چیزیں دوسرے رنگ میں آنحضرتؐ کو اسراء میں دکھائی گئی تھیں۔ اور آپؐ نے انہیں رد کر دیا تھا۔ جاگتے ہوئے بلا وجہ کسی کا قتل جائز نہیں اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ کشف تھا۔

۷۷ے اس میں بھی اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ بار بار مسلمانوں سے معاہدات کریں گے اور پھر توڑ دیں گے۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝

پھر وہ (وہاں سے بھی) چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس (بستی) کے باشندوں سے انہوں نے کھانا مانگا۔ مگر انہوں نے انہیں (اپنے) مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اس (بستی) میں ایک ایسی دیوار پائی۔ جو گرنے کو تھی اس (خدا کے بندہ) نے اسے درست کر دیا۔ (اس پر) اس (یعنی موسیٰ نے) کہا (کہ) اگر آپ چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ (نہ کچھ) اجرت لے سکتے تھے۔ (۷۸)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

اس (خدا کے برگزیدہ) نے کہا (کہ) یہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان جدائی (کا وقت) ہے جس بات پر تو صبر نہیں کر سکا میں ابھی تجھے اس کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔ (۷۹)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝

کشتی تو چند مساکین کی تھی۔ جو دریا میں کام کرتے ہیں۔ اور ان کے سامنے (دریا پار) ایک (ظالم) بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا اس لیے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں۔ (۸۰)

۷۸؎ اہل قریہ کی تعبیر قوم اور دیوار کی تعاون اور اقامۃ کی عالم یا امام ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ وہ دونوں ایک قریہ یعنی قوم یہود و نصاریٰ سے تعاون چاہیں گے مگر وہ تعاون نہ کرے گی اور وہ ایک دیوار گرنے کے قریب دیکھیں گے یعنی یہود و نصاریٰ کے کسی بزرگوں کے کام کو خراب ہوتا دیکھیں گے اس پر موسیٰ (جس سے مراد ان کی قوم ہے) خاموش رہیں گے مگر وہ عبد (یعنی رسول کریم صلعم یا حضورؐ کی امت) اس کو درست کر دے گا موسیٰ (یعنی ان کی قوم) کہیں گے اس پر اجر ملنا تھا مگر یہ سنکر وہ عبداللہ ناراض ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسوی قوم کی حرص بہت بڑھ جائے گی اور وہ ہر کام دنیوی فائدہ کے لیے کریں گے خالصۃً للہ نہیں کرینگے۔ اہل کتاب کی موسےٰ سے عدم تعاون کی مثال مائدہ آیت ۲۶ میں اور حضرت نبی کریم صلعم سے عدم تعاون کی مثال آل عمران ۶۵ میں ہے۔

۷۹؎ یعنی جب عبداللہ نے دیکھا کہ برابر اعتراض ہوتے چلے جاتے ہیں تو انہوں نے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا اس میں اشارہ یہ ہے کہ توحید پر جمع ہونے کی اپیل کے باوجود جب اہل کتاب باز نہ آئیں گے تو ان سے قطع تعلق کر لیا جائیگا۔

۸۰؎ خواب ہی ہیں جو تعبیر کی جاتی ہے کبھی واضح ہوتی ہے اور کبھی جزئی انکشاف کرتی ہے اور یقظہ کی حالت میں خود تعبیر طلب ہوتی ہے۔ یہاں بھی خواب میں واضح تعبیر نہیں کی گئی اور مزید تشریح کی ضرورت ہے بادشاہ سے مراد دنیا پرستی کی روح ہے مطلب یہ ہے کہ جس کی دنیا میں دینی روح نہیں ہوتی اسے شیطان اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس لیے آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو زکوٰۃ اور صدقات کی تعلیم دی تاکہ حُبِّ دنیا کا غلبہ نہ ہو۔ آنحضرتؐ کو دنیا عورت

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ

اور اس لڑکے (کے واقعہ) کی حقیقت یہ ہے کہ اس) کے ماں باپ (دونوں) مومن تھے (اور وہ ایمان کا دشمن تھا) اس لیے ہم نے ناپسند کیا کہ وہ (۸۱) (اپنی) سرکشی اور کفر سے انہیں ایذا پہنچائے۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝

اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں پاکیزگی میں اس سے اچھا اور رحم (و شفقت) میں (اپنے ماں باپ سے) زیادہ (۸۲) قریب (لڑکا) بدل دے۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ع

اور وہ دیوار اس شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا کچھ خزانہ (گڑا ہوا) تھا۔ اور ان کا باپ نیک (اور مناسب حال کام کرنے والا) تھا اس لئے تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ جائیں اور (بڑے ہو کر) اپنا خزانہ (خود) نکالیں۔ تیرے رب کی طرف سے (ان پر خاص) رحم (ہوا) ہے۔ اور یہ (کام) میں نے اپنے نفس کے حکم سے نہیں کیا۔ یہ اس بات کی حقیقت ہے جس پر (۸۳) تو صبر نہیں کر سکا۔

کی شکل میں اور موسیٰؑ کو ظالم بادشاہ کی شکل میں دکھائی گئی۔ اس میں اشارہ تھا کہ دنیا کا حملہ امت محمدیہ پر امت موسویہ کی نسبت بہت کمزور ہوگا۔

۸۱؎ یہاں بتلایا کہ غلام یعنی حرکت قوت وجہالت کے ماں باپ یعنی جسم و روح تو مومن ہیں یعنی ان میں احکام الٰہی ماننے کا مادہ ہے مگر انہیں آزاد چھوڑنے کے نتائج بُرے نکلتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان طاقتوں کو سمو دیا ہے (قتل کا لفظ کسی چیز کے جوش کو کم کر دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے)

۸۲؎ زکوٰۃ کے معنے پاکیزگی اور ترقی کے، اور رحم کے معنے رقت اور تلطف کے ہیں۔ یعنی جب آزاد قوائے انسانی کو تیغِ شریعت سے قتل کر دیا جائیگا۔ تو وہ روح و جسم کی باتیں ماننے لگیں گے۔ اور ان کی ترقی اور پاکیزگی کا موجب ہوں گے۔ مگر موسوی قوم نے اس نکتہ کو نہ سمجھا۔ اس لیے ان کی بے باکانہ حرکات انہیں تقوٰی سے دور لے جا رہی ہیں۔

۸۳؎ جدار سے مراد یہود و نصاریٰ کے بزرگ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور اَبُو سے مراد ابراہیمؑ ہیں۔ کنز سے مراد وہ علمی خزانہ ہے جسے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تعلیم نے محفوظ کیا ہوا تھا۔ مگر جب یہ خزانہ برباد ہونے لگا۔ تو ان صداقتوں کو نبی کریم صلعم نے محفوظ کر دیا۔ وما فعلتہٗ عن امری میں بتایا کہ یہ دیوار قرآنی دیوار تھی جو خالص امر ربی سے ہے کیونکہ وما ینطق عن الھوٰی (النجم $\frac{53}{4-5}$) موسیٰ کے اسرار کو یہاں یہ بتانے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۞ (۸۴) اور وہ تجھ سے ذوالقرنین کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں تو (انہیں) کہہ دو کہ، میں ضرور اس کے متعلق کچھ ذکر تمہارے سامنے کرونگا۔

کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ (۱) مسیح کی قوم (جو امت موسویہ کا آخری حصہ ہے) کے بگڑ جانے پر بعثت محمدیہ مقدر تھی (۲) جب نصاریٰ بگڑ گئے تو آنحضرتؐ کا ظہور ضروری تھا (۳) تعلیم کے اختلاف کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کے لیے شریعت اسلامی سے تعاون مشکل ہوگا (۴) یہود و مسیحی آنحضرت صلعم کو دعویٰ کے وقت نہیں مانیں گے۔ (۵) اس وقت وہ پیشگوئیاں جو قرآن نے ان کی کتب سے محفوظ کر لی ہیں ان کی ہدایت کا موجب ہوں گی۔ اور وہ ان کو ماننے کے لیے تیار ہو جائیں گے جن کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

۸۴ اوپر اسلام اور مسیحیت کے مقابلہ کا ذکر تھا اور اصحاب کہف کے بعد اسراء موسیٰؑ کا واقعہ بیان کر کے بتلایا تھا کہ مسیحیوں کی پہلی ترقی کا دور نبی کریم صلعم کے آتے ہی ختم ہو جائے گا۔ ذوالقرنین کا واقعہ ان کی ترقی کے دوسرے دور کی خبر دینے کے لیے ہے پہلے اصحاب کہف کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس وقت تک مسیحیوں کو خدا سے صلح کرنے کے لیے اپنی سیاست اور قوم کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے بعد موسیٰؑ کے اسراء میں بتایا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ کے ظہور کے وقت چونکہ وہ نبی کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل چکے ہوں گے اس لیے جب تک وہ نبی کو نہ مانیں گے ان کی ترقیات خالص دنیوی ہوں گی چونکہ اس زمانہ کی مسیحی قوم سیاستاً و مذہباً پہلے مسیحیوں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کا بیان الگ کیا گیا ہے۔

شمالی ایشیا اور مشرقی یورپ کی قوموں یعنی یاجوج و ماجوج کو ایشیاء میں پھیلنے سے ذوالقرنین ہی نے روکا تھا جس کے نتیجہ میں ایشیاء اور مشرق میں پھیلنے کی خواہش ان کے دلوں میں شدت اختیار کر گئی۔ اس طرح ایک لحاظ سے ذوالقرنین یاجوج و ماجوج کا دجالی فتنہ پیدا کرنے کا موجب ہؤا۔ اس لیے گو وہ آنحضرتؐ سے پہلے گذرا ہے اس کا ذکر مسیحی ترقی کے اس دور کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کے ذکر میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ دانیال نبی کی رؤیا کے مطابق ذوالقرنین مادہ اور فارس کا بادشاہ تھا (دیکھیں دانیال ۸) اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج کی پیدائش فارسی نسل کے کسی شخص کے ذریعہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب اس کے نیک بندوں کے کسی نیک فعل کے ثانوی ردِّ عمل کے طور پر بدی پیدا ہو تو وہ انہی کی اولاد یا ہموطن کے ذریعہ اس بدی کو دور کر دیتا ہے پس ذوالقرنین کا ذکر اس لیے کیا کہ مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کی جاوے جو آکر یاجوج و ماجوج کا زور توڑ دے گا۔ اور ذوالقرنین کہلائے گا۔ کیونکہ وہ قوت محمدیت اور قوت مسیحیت یعنی دو قوتوں کا وارث ہوگا۔ نیز اس لیے کہ وہ دو صدیوں کو پائے گا۔ اور حدیث لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجال من ھٰؤلاء (بخاری عن ابی ہریرہؓ) کے مطابق سلمان فارسی کی قوم میں سے یعنی فارسی الاصل ہوگا۔ اور ایسے وقت میں آئے گا جب مسلمانوں کی ایمانی حالت بہت خراب ہو چکی ہوگی مسلمانوں کی یہ حالت قرآن و حدیث کے مطابق آخری زمانہ میں یاجوج و ماجوج اور دجال کے ظہور کے وقت ہونی تھی اور یہی

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًاۙ	ہم نے یقیناً اسے زمین میں حکومت بخشی تھی اور ہم نے اسے ہر ایک (۸۵) چیز کے حصول کا ذریعہ عطا کیا تھا۔
فَاَتْبَعَ سَبَبًا	(۸۶) تب وہ ایک راستہ پر چل پڑا۔
حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا	یہاں تک کہ وہ سورج ڈوبنے کے مقام تک پہنچا۔ تو اس نے ایسا پایا کہ (گویا) وہ ایک گدلے چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ اور اس نے اس کے پاس کچھ لوگ (آباد) پائے (اس پر) ہم نے (اسے) کہا کہ اے ذوالقرنین تجھے اجازت ہے کہ (۸۷) ان کو عذاب دے یا ان کے بارہ میں حسن سلوک سے کام لے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی مذہب والوں کے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج سیاسی فتنہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور دجال مذہبی فتنہ پر۔ قرآن نے ان واقعات کو بطور پیشگوئی بیان کر کے تبلادیا کہ ایک ذوالقرنین نے یاجوج و ماجوج کے دنیوی حملوں کو روکا تھا اور دوسرا مذہبی حملوں کو روکے گا۔

یسعیاہ ۴۵/۱-۵ میں یسعیاہ نبی کے کلام سے ظاہر ہے کہ خورس نامی میدا اور فارس کا بادشاہ (۱) جناب الٰہی سے برکت دیا گیا تھا کیونکہ اسے مسیح کہا گیا ہے۔ (یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذوالقرنین کو مسیح کہا گیا ہے اور مسیح موعود کو ذوالقرنین) (۲) اسے حکومت من فضل الٰہی ملی تھی قرآن میں ذوالقرنین کے متعلق آتا ہے انّا مکّنّا له فی الارض (۱۸/۸۵) (۳) خدا نے اسے کہا تھا کہ میں تیری راہ صاف کرونگا یعنی وہ بہت سفر کریگا یہی قرآن سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۴) خدا نے اسے نام لیکر پکارا ہے قرآن میں بھی لکھا ہے۔ قلنا یٰذا القرنین (۱۸/۸۷) خورس کی بزرگی کی شہرت تمام تاریخوں سے ملتی ہے ان سے پتہ لگتا ہے کہ دشمن بھی اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ رحم مجسم تھا۔ اس نے محض دفاعی جنگیں کیں۔ وہ سچی خوبیں پاتا تھا (مسٹوریننز ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم ۵۹۵ تا ۵۹۷) وہ ملہم تھا۔ اور اسے الہاماً یروشلم کا مقدس گھر بنانے اور یہود کو قید سے رہا کرنے کا حکم دیا گیا تھا (عزرا ۱/۱ تا ۳) قرآن سے ذوالقرنین کی دوسری علامت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی فتوحات مغرب کی طرف سے شروع ہوئیں اور وہ بحیرہ اسود تک پہنچ گیا۔ پھر اس نے مشرق کی طرف توجہ کی۔ ہسٹوریننز ہسٹری آف دی ورلڈ سے یہی باتیں خورس کے متعلق ثابت ہیں پھر قرآن نے جو دیوار بنانے کا ذکر کیا ہے اس کا بھی ثبوت تاریخ سے ملتا ہے اس لیے یقیناً خورس ہی ذوالقرنین تھا۔

۸۵ یسعیاہ ۴۵/۱-۵ سے بھی ظاہر ہے کہ خورس یعنی ذوالقرنین کو خاص طاقت دی گئی تھی۔

۸۶-۸۷ یعنی وہ اپنی فتوحات کی مغربی حد ایشیائے کوچک کی شمالی اور مغربی حد تک جا پہنچا عین حمئۃ سے مراد بحیرہ اسود ہے (اس میں دوسرے سمندروں کی نسبت نمک کی کمی اور مٹی کی زیادتی ہے) سورج ڈوبنے کے ذکر سے یہ اشارہ ہے کہ چشمہ کے لفظ سے دھوکا نہ کھانا وہ بہت وسیع ہوگا اور اسے چشمہ اس لیے کہا جائیگا کہ ...

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝

اس نے کہا (ہاں میں ہی ایسا کرونگا اور) جو ظلم کرے گا اسے تو ہم ضرور سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائیگا اور وہ اسے (۸۸) سخت عذاب دے گا۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

اور جو ایمان لائے گا اور نیک (اور مناسب حال) عمل کرے گا تو اس کے لیے (خدا تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال کے) بدلہ میں اچھا انجام (۸۹) (مقدر) ہے اور ہم (بھی) ضرور اس کیلئے اپنے معاملہ میں آسانی والی بات کہیں گے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝

(۹۰) پھر وہ ایک اور راستہ پر چل پڑا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے نکلنے کے مقام پر پہنچا تو اس نے اُسے ایسے لوگوں پر چڑھتا پایا جن کے لیے ہم نے (ان کے اور) اس کے (۹۱) درمیان کوئی پردہ نہیں بنایا تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

(یہ واقعہ ٹھیک) اسی طرح تھا اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس کا (۹۲) ہم نے (اپنے) علم سے احاطہ کیا (ہوا) تھا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝

(۹۳) پھر وہ ایک راستہ پر چل پڑا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ

یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا

کہ زمین سے پانی نکل کر اس میں شامل ہوتا رہے گا۔ یہاں قوماً سے مراد ایشیائے کوچک کے مشرقی ساحل کی حکومت ہے جس نے بلاوجہ خورس پر حملہ کیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ چاہو عذاب دو چاہو تو رحم کرو خالص نیکی کا موقعہ دیا جو حکم کی صورت میں نہیں ہو سکتا تھا۔

۸۸ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خورس قیامت کا قائل تھا۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۴ ص ۴۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پکا زرتشتی تھا۔

۸۹ اس آیت سے خورس کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ سٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ میں بھی لکھا ہے کہ خورس رحم مجسم تھا۔

۹۰-۹۱ یہاں ذوالقرنین کے مشرقی سفر کا ذکر ہے جو افغانستان تک ہوا۔ لم نجعل لهم من دونها سترا سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ مکان وغیرہ کم بناتے تھے۔ اس وقت افغانی قبائل کی یہی حالت تھی یا یہ مطلب ہے کہ وہ چٹیل میدان تھا۔ اس سے بلوچستان کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

۹۲ وقد احطنا بما لديه خُبْرًا۔ اس کی ہر بات کی خبر رکھنے کے یہی معنے ہیں کہ ہم اس کی سفروں میں حفاظت کرتے تھے۔

۹۳ اس میں خورس کے اس سفر کا ذکر ہے جو اس نے ایران سے شمالی جانب بحیرہ کیسپین اور کوہ قاف کے درمیانی علاقے کی جانب کیا۔

وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝

تو اس نے ان کے ورے کچھ ایسے لوگ پائے جو بمشکل اس کی بات سمجھتے تھے۔ (۹۴)

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝

انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج یقیناً اس ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں پس کیا ہم (لوگ) آپ کے لیے کچھ خراج اس شرط پر مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں۔ (۹۵)

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝

اس نے کہا کہ) اس قسم کے کاموں کے متعلق میرے رب نے جو طاقت مجھے بخشی ہے وہ (دشمنوں کے سامانوں سے) بہت بہتر ہے اسلیے تم مجھے (اپنی) مقدور بھر مدد دو تاکہ میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک روک بنا دوں۔ (۹۶)

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

تم مجھے لوہے کے ٹکڑے دو (چنانچہ وہ روک تیار ہونے لگی) یہانتک کہ جب اس نے (پہاڑی کی) ان (دونوں) چوٹیوں کے درمیان برابری پیدا کر دی تو اس نے (ان سے کہا (کہ اب اس پر آگ) دھونکو حتی کہ جب اس نے اسے (بالکل) آگ (کی طرح) کر دیا تو (ان سے) کہا (کہ اب) مجھے گلا ہوا تانبا (لا) دو تاکہ میں (اسے) اس پر ڈال دوں۔ (۹۷)

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝

پس (جب وہ دیوار تیار ہو گئی تو) وہ (یعنی یاجوج ماجوج) اس پر چڑھ نہ سکے اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔ (۹۸)

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ

(اس پر اس نے کہا (کہ) یہ (کام محض) میرے رب کے خاص احسان (سے ہوا) ہے۔ پھر جب (عالمگیر عذاب کے متعلق) میرے رب کا وعدہ (پورا

۹۴؎ کاد سے پہلے نفی آئے تو اس کے معنے مثبت کے ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ذوالقرنین اور اس کی قوم کی بات مشکل سے سمجھتے تھے۔ مگر سمجھ جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارس کا ہمسایہ علاقہ تھا۔ السدین سے بحیرہ اخضر اور کوہ قاف مراد ہیں۔

۹۵؎ یہ لوگ یاجوج ماجوج کے دروازہ پر تھے اس لیے ان کے حملوں کا شکار ہوتے رہتے تھے اس واسطے دیوار کی خواہش کی۔

۹۶؎ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ ۔ یعنی مزدوری تم کرو سکیم میں بتاتا ہوں۔

۹۷؎ مراد یہ ہے کہ تجارت کے لیے دیوار میں مضبوط دروازے چاہئیں ان کے لیے لوہا اور تانبا مہیا کرو۔

۹۸؎ یعنی دیوار بننے پر یاجوج ماجوج کے حملے رک گئے۔

دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝
وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝
وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝
الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝
اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ

ہونے پر) آئیگا تو وہ اُسکو (توڑکر) ایک زمین کی صورت میں تبدیل کر دیگا اور میرے رب کا وعدہ (ضرور) پورا ہوکر رہنے والا ہے۔ (۹۹)

اور (جب اسکے پورا ہونے کا وقت آئیگا تو) اسوقت ہم انہیں ایک دوسرے کے خلاف جوش سے حملہ آور ہوتے ہوئے چھوڑ دینگے اور بگل بجایا جائیگا تب ہم ان سب کو بالکل اکٹھا کر دینگے۔ (۱۰۰)

اور ہم اس دن جہنم کو کافروں کے لیے بالکل سامنے لے آئیں گے۔ (۱۰۱)

جن کی آنکھیں میرے ذکر (یعنی قرآن کریم) کی طرف سے (غفلت کے) پردہ میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت (بھی) نہیں رکھتے تھے۔ (۱۰۲)

(تو) کیا (یہ سب کچھ دیکھ کر، پھر بھی) وہ لوگ جنہوں نے کفر (کا طریق) اختیار کیا ہے (یہ) سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو مددگار بنا سکیں گے ہم نے (تو) کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے۔ (۱۰۳)

تو (انہیں) کہہ (کہ) کیا ہم تمہیں ان لوگوں سے آگاہ کریں۔ جو

ركوع ۳

---

۹۹ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۔ یہ فقرہ خورس کے ایمان کے اظہار کے لیے ہے اذا جآء وعد ربی۔ معلوم ہوتا ہے خورس کو الہاماً بتلایا گیا تھا کہ ایک دن یہ دیوار بیکار ہو جائے گی جس میں یہ اشارہ تھا کہ یہ قومیں سمندر کے ذریعہ دنیا میں پھیلیں گی دیوار ٹوٹنے سے مراد اسلامی حکومت کا زوال بھی ہو سکتا ہے۔

۱۰۰ فرماتا ہے کہ جب اس وعدہ کا وقت آئیگا جس کا ذوالقرنین نے ذکر کیا تھا اللہ تعالےٰ ان اقوام کو پھر ترقی دیگا اور اقوام عالم کی آپس میں لڑائی ہوگی اور سب دنیا جمع کی جائے گی۔ یعنی سفر اس زمانہ میں آسان ہونگے۔ چنانچہ موجودہ زمانہ ایسا ہی ہے۔ سورۃ انبیاء $\frac{۲۱}{۹۷-۹۸}$ میں بتایا گیا ہے کہ یاجوج و ماجوج سمندر کے راستہ دنیا میں پھیلیں گے چنانچہ یہ اقوام سمندر کے ذریعہ مشرق میں پھیلیں۔

۱۰۱ اس میں بتایا ہے کہ وہ دن جہنم کے سے ہونگے ملک ملک پر غلبہ پانے کی کوشش کرے گا۔ یہ بھی مراد ہے کہ وہ لوگ جہنمی کام کریں گے۔

۱۰۲ یعنی ان میں سے عبادت اٹھ جائیگی اور کلام الٰہی سننے کی رغبت بھی نہ رہے گی ذوالقرنین کے مشابہ حالات آخری زمانہ میں مثیل ذوالقرنین کے لیے مقدر ہیں تفصیل کے لیے دیکھیں براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۹۰-۹۱ طبع اوّل۔

۱۰۳ اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اوپر مسیحیوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کا بیٹا قرار دیا۔

اَعْمَالًاؕ

(۱۰۴) اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹا پانیوالے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝

(یہ وہ لوگ ہیں) جن کی (تمامتر) کوشش اسی ورلی زندگی
میں ہی غائب ہو گئی ہے۔ اور (اس کے ساتھ) وہ (یہ بھی)
(۱۰۵) سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۝

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے نشانوں کا اور اس
سے ملنے کا انکار کر دیا ہے۔ اس لیے ان کے (تمام) اعمال
اکارت (اسی دنیا میں) رہ گئے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن ہم
(۱۰۶) انہیں کچھ بھی وقعت نہیں دینگے۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ۝

یہ ان کا بدلہ یعنی جہنم اس وجہ سے ہوگا کہ انہوں نے کفر
(کا طریق) اختیار کیا اور میرے نشانوں اور میرے رسولوں
(۱۰۷) کو اپنی ہنسی کا نشانہ بنا لیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝

جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) عمل کئے ہیں ان کا
(۱۰۸) ٹھکانا یقیناً فردوس کے بہشت ہوں گے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

(۱۰۹) وہ ان (ہی) میں رہا کرینگے (اور) ان سے الگ ہونا نہیں چاہیں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝

تو (انہیں) کہہ (کہ) اگر (میرا یہ) سمندر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے)
کیلئے روشنائی بن جاتا تو میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے
(یہ) سمندر (کا پانی) ختم ہو جاتا۔ گو (اسے) زیادہ کرنے کیلئے ہم
(۱۱۰) (اتنا ہی) اور (پانی سمندر میں) لا ڈالتے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا

تو (انہیں) کہہ (کہ) میں صرف تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں
(فرق صرف یہ ہے کہ) میری طرف (یہ) وحی (نازل) کی جاتی ہے کہ
تمہارا معبود ایک ہی (حقیقی) معبود ہے۔ پس جو شخص اپنے رب

۱۰۴-۱۰۵ یہاں بتلایا کہ وہ اپنی ایجادات کرنے کو ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔

۱۰۶ فرمایا ان کی ایجادات بھی مٹ جائیں گی۔ اور آخرت میں بھی ان کا حصہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے اعمال دنیا ہی کے لئے تھے۔

۱۰۸-۱۰۹ فرمایا جب ان پر عذاب آئیگا مومنوں کی ترقی شروع ہو جائے گی مگر دین کے لیے قربانیوں میں مومنوں کو ایسا مزا آئیگا کہ لایبغون عنہا حولاً وہ اس حالت کو بدلنا نہ چاہیں گے بلکہ اس ٹوٹی ہوئی سفینہ میں ہی سفر کو ناپسند کرینگے۔

۱۱۰ فرمایا ان کا رازِ کائنات دریافت کرنے کی کوشش کرنا ہمیشہ روز اول ہی رہے گا۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ

لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

ملنے کی امید رکھتا ہووے چاہیئے۔ کہ نیک (اور مناسب حال) کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو (۱۱۱) (بھی) شریک نہ کرے۔

ع ۱۲
۳

تصنیف کا زمانہ ہوگا۔ اور سائنس پہ کثرت سے کتب لکھی جائیں گی۔

۱۱۱ یہاں نبی کریم صلعم کو یہ کہنے کا حکم دیا کہ میں (تو) اتنے امور غیب بتلانے کے بعد بھی) بشریت سے اوپر کوئی دعویٰ نہیں رکھتا۔ اور تم ہو کہ مسیح کو خدا کا بیٹا بناؤ بیٹھے ہو۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے، کہ جو سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھتا ہے فتنہ یاجوج وماجوج سے محفوظ رہے گا۔ چونکہ ان آیات میں مسیحیوں کا ذکر ہے اس لیے معلوم ہوا کہ وہی یاجوج وماجوج ہیں۔